مکتوباتِ ماجدی

جلد اول

ادارۂ انشائے ماجدی

کی

دیگر مطبوعات

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی

کے قلم سے

۱ خطبات ماجد ۱۰ روپے

۲۔ معاصرین ۲۰ ″

۳۔ گیارہ سفر ۳۰ ″

۴۔ سفرِ حجاز ۴۰ ″

۵۔ مکتوباتِ ماجدی ۴۰ ″

زیر طبع

۶۔ ذکرِ رسول۔ مردوں کی مسیحائی

مکتوباتِ ماجدیؒ

(جلد اوّل)

حضرت مولانا عبد الماجدؒ دریابادی

ترتیب

(ڈاکٹر) ہاشم قدوائیؒ

نظرِ ثانی

حکیم عبد القوی دریابادی

ناشر

ادارۂ انشائے ماجدی، کلکتہ

بار اوّل

۱۴۰۳ھ ۱۹۸۲ء

تعداد ——— ۱۱۰۰

کتابت ——— عبدالمجید صدیقی سنبھلی

طباعت سیما آفسیٹ پریس
دہلی ۱۱۰۰۰۶

صفحات ——— ۴۲۴

قیمت روپے

46214

باہتمام

منظور علی لکھنوی

ادارۂ انشائے ماجدی کلکتہ

فہرست

پیش لفظ

عم مرحوم جناب مولانا عبدالماجد دریابادی کے تعلقات بہت وسیع تھے اس لیے
مراسلت کا دائرہ بھی بہت وسیع تھا وہ خطوط کے جواب بڑی پابندی اور مستعدی سے دیا کرتے
تھے ۱۹۵۳ء سے انھوں نے خاص خاص خطوط کی نقل رکھنے کا انتظام کیا۔ یہ خدمت زیادہ تر
مولانا کی منجھلی صاحبزادی یعنی راقم مرتب کے منجھلے بھائی حبیب احمد قدوائی کی بیگم نے انجام دی
جو ان کی سب سے زیادہ مزاج شناس تھیں اور جن کا زیادہ تر قیام دریاباد ہی میں رہتا تھا
دوسری صاحبزادیوں اور نواسوں نے بھی یہ خدمت انجام دی۔ تقریباً گیارہ ہزار سے زیادہ
خطوں کی نقلیں ان کاپیوں میں ملیں۔

زیر نظر مجموعہ حضرت مرحوم کے ادبی خطوط اور تعزیت ناموں پر مشتمل ہے۔ ان میں
مولانا کا منفرد طرز نگارش اور انشا پردازی کا رنگ و آہنگ نیز رعایت لفظی کا اہتمام
ان خطوط میں پوری طرح جلوہ گر ہے۔ برصغیر ہند کے مشاہیر ادب اور اکابر سے مولانا کے
گہرے روابط تھے اور ان سے مراسلت کا سلسلہ قائم تھا۔ ان خطوط کا مطالعہ اس لحاظ سے
دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ ان سے اگر ایک طرف مولانا اور مشاہیر ادب کے درمیان جو
بے تکلف روابط اور تعلقات تھے ان پر روشنی پڑتی ہے تو دوسری طرف ان کی ادبی
اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

یہ مرحوم کے خطوط کی جلد اول ہے جو دو حصوں میں منقسم ہے پہلے میں ادبی خطوط
ہیں اور دوسرا حصہ تعزیت ناموں پر مشتمل ہے جو اپنی اثر انگیزی کے لحاظ سے بے مثال ہے اور
اللہ ہی کو معلوم کتنے مکتوب الیہم اور ان کے متعلقین کو تسکین حاصل ہوئی ہوگی۔

زیر نظر مجموعہ میں راقم مرتب نے جہاں ضرورت سمجھی ہے توضیحی حاشیے دے دیئے ہیں اور مکتوب الیہ کا تعارف بھی کرا دیا ہے۔ آئندہ جلدوں میں بھی یہ توضیحی حاشیے ہوں گے کم سے کم ۵، ۶ جلدیں ان خطوط کی اور ہوں گی۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اپنے بھتیجے عزیزی ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی جو راقم مرتب کے چھوٹے بھائی عبدالعلیم قدوائی کے بڑے صاحبزادے ہیں اور مسلم یونیورسٹی کے شعبہ انگریزی میں لکچرر ہیں کا شکریہ نہ ادا کیا جائے۔ عزیز موصوف نے مسودے کو صاف کیا تب ہی وہ ناشر کے پاس بھیجا جا سکا۔

برادر محترم حکیم عبدالقوی دریابادی صاحب کا شکریہ کن لفظوں میں ادا کروں کہ باوجود اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے انھوں نے تصحیح کا زبردست کام اپنے ذمے لیا اور اس کے لیے کلکتہ بھی تشریف لے گئے۔

آخر میں الحاج منظور علی صاحب کے لطف و کرم کا کس زبان سے شکریہ ادا کیا جائے ان کی حضرت مولانا مرحوم سے سچی عقیدت کا اظہار مولانا کی تصنیفات اور ان سے متعلق چیزوں کی دیدہ زیب طباعت سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

امید ہے کہ یہ مجموعہ حضرت مرحوم کے پرستار اور معتقدین ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

(ڈاکٹر) محمد ہاشم قدوائی
ریڈر، شعبۂ سیاسیات مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

دیباچہ

از:— حکیم عبدالقوی دریابادی مدیر صدقِ جدید

مولانا عبدالماجد دریابادی کا شمار اردو کے صاحب طراز اور سحر طراز ادیبوں میں تھا۔ ان کی تصانیف مقالات، نشریات، اخبار سچ اور اس کے جانشین صدق و صدق جدید میں ان کی بھی باتیں، شذرات، کتابوں پر تبصروں سبھی میں انتہائی ادبی دلکشی پائی جاتی تھی۔ یہی ادبی رنگ ان کے پرائیوٹ خطوط میں بھی پایا جاتا ہے۔

ان کے خطوط کی پہلی جلد برادر عزیز ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی نے مرتب کر کے ان پر ضروری حاشیے بھی دیے ہیں جن سے مکتوب الیہم کے تعارف کے ساتھ ساتھ ان خطوں میں درج بہت سے امور کی تشریح بھی ہو گئی ہے۔

مولانا کے خطوط تو بے شمار ہیں اور بہت سے قدر دانوں نے جن سے ان کی مراسلت اکثر ہوتی رہتی تھی یہ خطوط محفوظ بھی رکھے ہیں۔ اس مجموعہ میں صرف وہ خطوط درج ہیں جن کی نقل مولانا خط بھیجنے کے بعد کاپیوں میں کرا دیتے تھے۔ نقل کا کام منجھلی صاحبزادی (اہلیہ حبیب احمد قدوائی) انجام دیتی تھیں کیونکہ وہ مولانا کی انتہائی خفی تحریر پڑھنے میں برق تھیں یہ التزام انھوں نے ۱۹۵۳ء سے شروع کیا تھا۔ ان خطوط کی نقول پر مشتمل کاپیاں کئی درجن موجود ہیں جن میں مندرج کل خطوط کی میزان گیارہ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ انھیں میں سے انتخاب کر کے یہ مجموعہ مرتب کیا گیا ہے۔ یہ پہلی جلد دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ ادبی نوعیت کے خطوط پر مشتمل ہے جس کا نام احقر نے "دلآویز ادبی مکتوبات" رکھا ہے۔ ان میں ادبی لطافتوں (بعض خطوط تو رعایت لفظی کی صنعت کے شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں) لسانی بحثوں کے ساتھ ساتھ بہت سی مفید معلومات مولانا کے معاصرین سے متعلق ناظرین کے سامنے آجائیں گی۔

دوسرا حصہ تعزیتی خطوط پر مشتمل ہے۔ جس کا نام " دلدوز تعزیتی مکتوبات" رکھا گیا ہے۔ قدرتاً بڑا ہی موثر اور درد انگیز ہے۔ اس میں ہر قسم کے تعزیتی خطوط ملے۔ مثلاً ماں یا باپ کے سایہ سے محروم ہونے پر اولاد کے نام، لڑکے یا لڑکی کے دنیا سے اُٹھ جانے پر غمزدہ باپ اور دل شکستہ ماں کے نام۔ بیوگی کے غم میں مبتلا عورت اور رفیقۂ حیات کی وفات پر محزون قلب مرد کے نام عزیز بھائی کی جدائی پر اس کے بھائی کے نام وغیرہ وغیرہ۔ ان خطوط تعزیت میں اظہار غم و ہمدردی کے ساتھ ساتھ تسکین وتسلی کے وہ پہلو خاص طور سے نمایاں کیے گئے ہیں جو مذہب اسلام کے ساتھ مخصوص ہیں اور اسی سلسلہ میں متعلقہ آیات قرآن اور احادیث کی ترجمانی کی گئی ہے جن سے یہ ظاہر ہو کر رہتا ہے کہ موت اور سفر آخرت کی منزلیں ایک مسلمان کے حق میں کیسی کیسی نعمتوں اور بشارتوں کی حامل ہوتی ہیں۔

اردو ادب میں غالب کے خطوط اس صنف ادب میں تقدم زمانی کے ساتھ ساتھ حسن قبول کے اعتبار سے بجا طور پر سر فہرست ہیں۔ اس کے بعد متعدد مشاہیر ادب واکابر ملت کے خطوط کے مجموعے شائع ہوئے جن میں مکاتیب شبلی (دو حصے) خطوط محمد علی۔ مکاتیب سرسید، مکتوبات اقبال کے متعدد مجموعے، غبار خاطر و کاروان خیال (مولانا آزادؒ) وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ خود مولانا دریابادی نے اپنے حاشیوں کے ساتھ دو مجموعہ مکاتیب شائع فرمائے تھے (۱) خطوط مشاہیر مولانا شبلی، اکبر آلہ آبادی اور مولانا محمد علی جوہر کے ان مکتوبات پر مشتمل ہے جو انھوں نے مولانا دریابادی کو لکھے تھے (۲) مکتوبات سلیمانی (دو جلد) ان میں مولانا کے مخلص رفیق مولانا سید سلیمان ندوی کے خطوط مولانا دریابادی کے نام ہیں۔

امید ہے کہ مولانا دریابادی کے خطوط کا یہ پہلا مجموعہ ادب اردو میں ایک وقیع اضافہ ثابت ہوگا اس کے مزید مجلدات آئندہ شائع ہو کر رہیں گی۔

اس کتاب کی اشاعت کا شرف محترمی حاجی منظور علی لکھنوی اور ان کے ادارہ انشائے ماجدی کلکتہ ہی کو حاصل ہو رہا ہے جو اس سے قبل مولانا کی متعدد کتابیں کاغذ طباعت کی نفاستوں کے ساتھ شائع کر کے نام حاصل کر چکے ہیں۔

۳۱ مارچ ۱۹۸۲ء

دلآویز ادبی مکتوبات

حصّہ اوّل

خط بنام سیّد آلِ عبا صاحب مارہروی آوارہ

بِسْمِ اللہ

دریاباد

۱۷ر جولائی ۱۹۵۳ء

برادرم ! وعلیکم السّلام

"آوارگی" کے پردے میں یہ "ردائے آلِ عبا"، خوب نکلی۔ سبحان اللہ

ہماری کم نگاہی تم کہاں تھے ہم کہاں سمجھے

دل نے کہا "فرقہ ملامتیہ" ابھی زندہ ہے۔

کل اٹھارہ جولائی کی شب میں وقت نکال کر ضرور آپ کی پیش کردہ "بی بھٹیاری،، سے دل بہلاؤں گا اور جی میں آئی تو پھر آپ کے اسٹیشن ڈائرکٹر کو اپنے تاثرات بھی بھیجوں گا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

سیّد صاحب موصوف عم مرحوم کے ساتھ گورنمنٹ ہائی اسکول سیتاپور میں طالب علم تھے۔ ہم جماعت نہ تھے لیکن ملاقات اسی زمانے سے تھی اور غالباً مرحوم کے تنہا دوست ہیں جو ابتک زندہ ہیں۔ ان کی تقریر "بانکے،، آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوئی تھی۔ اس کی داد مولانا مرحوم نے لکھ کر بھیجی تھی خاص کر زبان کی شستگی کی۔ اس پر سیّد صاحب موصوف نے خط لکھا۔ مندرجہ بالا اخطاص شکریہ کے خط کا جواب ہے۔

خط بنام محمد بن عمر صاحب حیدرآباد

انہوں نے ڈاکٹر محی الدین زور صاحب پروفیسر اردو، جامعہ عثمانیہ وبانی ادارہ ادبیات اردو پر مولانا سے ایک مضمون کی فرمائش کی تھی۔

دریاباد
۱۴؍دسمبر ۱۹۵۴ء بسم اللہ

جو "زور" مجسم ہے اس کی مدح و توصیف میں مجھ جیسا "کم زور" قلم اٹھا ہی کیا سکتا ہے۔

ادارہ ادبیات اردو کے تو خیر وہ بانی ہیں، باقی حیدرآباد دکن سے کون ایسی ادبی تحریک ادھر ۲۵، ۳۰ سال میں اٹھی جس کے وہ روح رواں نہ تھے۔ کوئی لکھنے کو قلم اٹھائے تو کیا کیا لکھے اور کہاں تک لکھا جائے۔

ان کے کمالات کو سمجھ لینا اور ان کی داد پر آمادہ ہو جانا یہ خود ہی ایک کمال ہے، آفتاب کو روشن دیکھنا خود اپنی صحت بصارت کا اعلان کرنا ہے بہ قول عارف رومی

مادح خورشید مداح خود است
کیں دو چشم روشن نامر مد ست

اس اجمال کے اندر آپ ساری تفصیل پڑھ سکتے ہیں۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) ڈاکٹر محی الدین زور صاحب جامعہ عثمانیہ اور اس کے بعد کشمیر یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر وصدر شعبہ رہے ہیں پروفیسر صاحب موصوف ادارہ ادبیات اردو کے بانی تھے جنھوں نے خاصا علمی وادبی کام حیدرآباد میں کیا تھا۔

خط بنام سید لقمان صاحب

"معتمد بزم صحافت، جمعیۃ الاصلاح، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو ــــ
مکتوب الیہ نے اپنے رسالے کے لئے پیام مانگا تھا۔

دریاباد
۱۳ر جنوری ۱۹۵۵ء　　　بسم اللہ

عزیزم!　　　وعلیکم السلام

آپ تو خود "لقمان" ہیں آپ کو حکمت کا درس کون دے سکتا ہے۔ لیکن لقمان نے دانائی نادانوں سے سیکھی تھی اس لیے اپنے لکھنے لکھانے میں کچھ حرج نہیں دیکھتا۔

"اصلاح" کا کام یوں بھی دشوار اور نازک ہے اور پھر اصلاحی صحافت تو اور دشوار تر اور نازک تر ہے۔ خدا کے لئے اپنی ذمہ داریوں کا پورا احساس رکھئے۔ بس اس کے بعد ہر مشکل آسان ہوتی جائے گی۔ اصلاح کا کام پیمبرانہ عزم و حوصلہ اور پیمبرانہ روحانیت و دقت نظر چاہتا ہے اور اصلاحی صحافت گویا اسی کا شعبہ تذکیر و تبلیغ ہے۔ جتنا اپنے آپ کو سیرت پیمبری میں جذب و تحلیل کرتے جائیے گا۔ جتنا اپنے آپ کو پیمبری کے سانچے میں ڈھالتے جائیے گا تزکیہ نفس اور تربیت ضمیر از خود ہوتی جائے گی۔

راہ اور شاہ راہ صرف یہی ہے اس کے سوا جتنی گلیاں اور کوچے ہیں سب منزل مقصود سے ہٹانے والے اور بھٹکانے والے ہیں۔

دعا گو
عبد الماجد

مشہور شاعر حضرت امجد حیدر آبادی بہ خواجہ حمید الدین شاہد[1] صاحب نے مضمون مانگا تھا اس کے جواب میں یہ پیام بھیجا۔

دریاباد

۴ر جنوری ۱۹۵۵ء بسم اللہ

"امجد" نامور ذی شان کے باب میں "ماجد" گمنام و بے نشاں کا کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ ہے دکھانا۔

شہد کو اور کون سی مٹھاس ڈال کر میٹھا کیا جائے۔ اور نمک میں اور کون سی نمکین ڈال کر نمکین بنایا جائے؟

وہ میرے افضل التفضیل برائے نام ہی نہیں زندگی کے ہر صیغہ میں مجھ سے افضل، اکرم اشرف، اور اکمل ہیں۔

اللہ ان کی عمر میں، کمالات میں، کرامات میں زیادہ سے زیادہ برکت عطا فرمائے۔

عبدالماجد

[1] پروفیسر شعبۂ اردو، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد۔

یوسف قمر صاحب

ایڈیٹر "ہلال نو" پشاور کے نام پیام۔

دریاباد

۲۸ر جولائی ۱۹۵۵ء بسم اللہ

"ہلال نو" یوں بھی آبروئے آسماں اور پھر اُمت کا قومی نشان۔ اس کی زیارت کی مشتاق کون سی آنکھ نہ ہوگی خواہ اس کا طلوع افق پشاور ہی سے ہوا کرے۔

اور پھر اس کے ایڈیٹر یوسف قمر! جمال ہی جمال! نورٌ علےٰ نور!

——— چار چاند لگ جانا اسی کو کہتے ہیں۔
اس کی ٹھنڈی روشنی یقیناً ہر دیدہ ور کے لئے "سرمہ بصارت" اور چشمۂ بصیرت ثابت ہو رہی ہوگی۔
اللہ نور السموات والارض جلد اسے آسمان معنویت واسلامیت کا بدر کامل بنا کر رکھے
عبدالماجد

روزنامہ "سیاست جدید" کانپور کے رفیع احمد قدوائی نمبر کے لئے حسب ذیل مضمون مرحوم نے تحریر فرمایا۔

مقام رفیع

ہندوستان کی تازہ تاریخ میں جو مقام رفیع۔ رفیع احمد قدوائی مرحوم کو حاصل ہے اس سے انکار کسی دشمن کے لئے بھی ممکن نہیں۔ دل خوش ہوا کہ (۱) کا اعتراف سیاست جدید اپنا ایک خصوصی نمبر نکال کر کر رہا ہے۔ ایک سیاسی مخالف کی عظمت کا اعتراف خود ادارہ سیاست کی بھی شرافت کا ایک عملی ثبوت ہے۔

اپنی دوسری بے شمار خدمات کے علاوہ مرحوم نے ہندوستان کے ایک پیچیدہ ترین مسئلہ رزق کو جس طرح حل کر دکھایا اور رزاق مطلق کے نائب کی جو تجلی اس عالم ناسوت میں دکھادی اس لحاظ سے اگر انھیں "میکائیل ہند" کہا جائے تو بجا ہے۔
"حسرت آیات" ایسی ہی وفات کو کہا جا سکتا ہے۔
عبدالماجد
(۱) اس وقت تک یہ اخبار کانگریس کا شدید مخالف تھا۔

عبدالرؤف صاحب عباسی، ایڈیٹر "حق" لکھنؤ نے اپنے ہاں محفل میلاد میں مولانا مرحوم کو نہ صرف بڑے اصرار سے بلایا تھا بلکہ اس کی صدارت کرنے کو بھی لکھا تھا۔ اس بارے میں مرحوم نے معذرت لکھ بھیجی۔

دریاباد
۲۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

"امر حق" سے سرتابی کی مجال کسے لیکن گوش "حق نیوش" میں عرض ہے کہ ۳۱ کی صبح سے مجھے لکھنؤ میں موجود ہونا ہے اور یہ پروگرام دو ہفتہ قبل سے طے ہو چکا ہے۔ اب کیا صورت رہ جاتی ہے کہ حاضری ۲۹ کو بھی رہے اور ۱۳ کو بھی۔ یوں بھی مسند صدارت ترک کیے ہوئے ہوں۔

والسّلام معذرت خواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے ایک معنی میں شاگرد تھے۔ "صدق جدید" کے بیشتر دو ہفتہ وار "صدق" کے منیجر تھے۔ ان سے مولانا مرحوم سے مخلصانہ تعلقات تھے۔

مولوی حبیب ریحان خان صاحب ندوی نے اپنے اخبار "نشانِ منزل" بھوپال کے لئے پیام مانگا تھا جو حسب ذیل ہے۔

دریاباد
۲۱ دسمبر ۱۹۵۵ء

بسم اللہ

پیام

رہروان منزل کے لئے نشانِ منزل بھی بڑی چیز ہے چہ جائیکہ آپ کا پرچہ جو نشان

محض منزل کا نہیں منزل مقصود کا دیتا ہے۔
مبارک ہوں ایسے نشان اور نشان بردار دونوں۔
مرحبا اے پیک فرخ فال ما

والسّلام دعاگو

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا عمران خاں صاحب ندوی کے خلف الرشید ہیں اور لیبیا کی کسی یونیورسٹی میں استاد۔ مولانا مرحوم سے ان کو بڑی عقیدت تھی لیبیا سے بھی برابر خط لکھتے رہتے تھے اور ہندوستان آنے پر نہ صرف مولانا سے لکھنؤ میں ملتے تھے بلکہ ملاقات کی غرض سے دریاباد بھی جاتے تھے۔

مکتوب بنام شوکت تھانوی لاہور

دریاباد

۷ار فروری ۱۹۵۶ء بسم اللہ

"مدظلہٗ" کی طرف

سے

عزیزی سلمہٗ کو

لو تبسم بھی شریک نازہوا
آج کچھ اور بڑھائی گئی قیمت میری

والسّلام

عبدالماجد

شوکت تھانوی نے رسالہ نقوش، لاہور میں مولانا مرحوم کی شخصیت پر بڑا عمدہ اور

دلچسپ مضمون "مدظلہ" کے عنوان سے لکھا تھا۔ مولانا مرحوم کا یہ ایک خاص معمول تھا کہ اپنے بارے میں کوئی بھی مضمون نہ پڑھتے تھے۔ مرحوم کی صاحبزادیوں نے یہ مضمون پڑھ کر ان سے بیان کیا تھا یہ خط اسی بارے میں شوکت تھانوی کو لکھا۔ ان کے مضمون کا عنوان "مدظلہ" تھا اسی رعایت سے مولانا مرحوم نے لکھا۔

مکتوب بنام شوکت تھانوی لاہور

دریاباد
۲۲ مارچ ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

عنوان "سانپ مارخاں" پڑھ کر
یہ سانپ "کے لئے" مار" کیا خوب
بہ قول شخصے "وہ مارا"

شوکت صاحب کا ایک مزاحیہ مضمون "سانپ مارخاں" کے عنوان سے شائع ہوا تھا مکتوب بالا اسی سے متعلق ہے۔ عبدالماجد

مکتوب بنام جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی

دریاباد
۳۰ اپریل ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

"علی گڑھ میگزین" کا "مجاز نمبر" ابھی نظر سے گزرا۔ عالم "مجاز" میں "حقیقت" ایک ہی

نظر آئی اور وہ ہے آپ کا مضمون "لکھنؤ کی زبان" یا سرمایہ زبان اردو پر تنقید۔ ماشاءاللہ وسبحان اللہ۔ مدت کے بعد زبان پر ایسا محققانہ مضمون نگاہ کے سامنے آیا۔ بے اختیار آپ کو لکھنے کا دل چاہا۔ اللہ آپ کی عمر و صحت میں برکت دے۔

دعاگو

عبدالماجد

مکتوب الیہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اردو کے چوٹی کے شاعر اور لغت پرستند۔

اردو کے نامور صاحب طرز ادیب پروفیسر سید مسعود حسن رضوی صاحب، سابق صدر شعبۂ فارسی لکھنؤ یونیورسٹی کے نام خط۔ مرحوم نے یہ روایت سنی تھی کہ وہ اردو بازار میں انجمن ترقی اردو کی مالی مدد کرنے کے لئے حیات اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ کے ساتھ دہی بڑے کی دکان لگانے والے ہیں۔

دریاباد

۲۸ر دسمبر ۱۹۵۵ء

بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

اردو بازار میں دکانداری تک میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن خدا کے لئے کہیں دہی بڑے کچالو یا چنا جور گرم کی دکان نہ کھول بیٹھئے گا۔

آئے وہ یوں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

دکان لگانا ہی ہے تو یا تو کباب پراٹھے گرما گرم یا پھر شیرمال کشمیری چائے یا دونوں ناممکن ہوں تو پھر گوشت مسالا۔ بہرحال بازاریت میں بھی بانکپن نہ چھوٹنے پائے۔

تقلید میں بھی کچھ رہے ایجاد کا مزہ

والسلام

دعاگو عبدالماجد

بنام حاجی مقتدا خاں صاحب شروانی، علی گڑھ

دریاباد

۹ر جنوری ۱۹۵۶ء بسم اللہ

محترم! السلام علیکم

جی آپ کے قلم کا کیا کہنا۔ پڑھنے والوں کا دل باغ باغ کر دیا۔ ایسی شگفتہ و شاداب تحریریں اب کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ اہل قلم کے مقتدا جو ٹھہرے۔ قلم پر پوری رعنائی و برنائی اس سن میں آئی! بہ قول شخصے ؎

بڑھاپے میں بھی جواں ہو رہا ہوں
لیکن پھر بھی بہ قول شخصے ہی
دین اللہ کی ہے اس میں اجارہ کیا ہے؟

والسّلام دعاگو
عبدالماجد

مکتوب الیہ علی گڑھ کے رہنے والے اور صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے خاص لوگوں میں تھے۔ مدتوں یونیورسٹی پریس سے متعلق رہے۔ یہ اردو کے بڑے اچھے لکھنے والے تھے ان کی تحریریں بڑی شگفتہ، جاندار اور رعایت لفظی کا شاہکار ہوتی تھیں۔ مولانا مرحوم ان کی تحریروں کے بڑے قدر داں تھے۔

مکتوب بنام ڈاکٹر محمد حسن صاحب پروفیسر شعبہ اردو جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی

دریاباد

بسم اللہ

۱۴ر مئی ۱۹۵۶ء کرم گستر! تسلیم

آپ کا خط پاکر آپ کی ستم ظریفی کا قائل ہو گیا۔ تھیٹر کو فروغ دینے کی کوشش میں ترغیب

دتحسین کی توقع مجھ دقیانوسی ملّا دیر صدق سے!

عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو کیا خوب

کہیں میرے پیام کو اپنے کسی Comic کے اشتہار کا جزو بنانے کا تو ارادہ نہیں "زود پشیماں" بالکل نو عمری کی تصنیف ہے اور وہ بھی بڑی حد تک قلم برداشتہ۔ شیکسپیر کا نشہ اس وقت سوار تھا اور دو چار کتابیں فن پر الٹی سیدھی پڑھ ڈالی تھیں۔

اب اگر کتاب پر نظر ثانی کروں تو پچاس فیصدی بدل ڈالوں۔ ایسی کتاب کو آپ یاد ہی کیوں دلاتے ہیں جس کے ذکر ہی سے شرمندہ ہوا جاتا ہوں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ اس وقت جواہر لال یونیورسٹی نئی دہلی شعبہ اردو میں لکچرر تھے۔ انھوں نے مرحوم کو لکھا تھا کہ ہم لوگ اردو تھیٹر قائم کرنا اور اسے حیدر آباد و بمبئی وغیرہ لے جانا چاہتے ہیں اس میں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ آپ کے ڈرامہ "زود پشیماں" کو ہم پیش کر رہے ہیں۔ مکتوب بالا اس کا جواب ہے۔

(۲) یہ ڈرامہ مولانا مرحوم نے ۱۹۱۵ء میں تصنیف کیا تھا۔

نصرت موہانی صاحب، کراچی نے یوم حسرت پر پیام مانگا تھا جو حسب ذیل ہے۔

دریاباد

۱۴ مئی ۱۹۵۶ء بسم اللہ

یونانیوں اور بہت سی قدیم قوموں میں دستور رہا ہے کہ صفات انسانی کے اعلیٰ اور مثالی درجہ تکمیل کے لیے ایک ایک دیوتا تراش لیا تھا۔ مثلاً شجاعت کا دیوتا، حسن و جمال کا دیوتا وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے دین میں اگر یہ جائز ہوتا تو عجب نہیں، بے خوفی، لاطمعی اور سادگی کا دیوتا ہم حسرت موہانی کو قرار دیتے۔ ان اوصاف کے وہ مثالی پیکر تھے اور توکل علی اللہ سب پر

مستزاد۔ ان کے شعری، ادبی اور تنقیدی کمالات کا باب ان اوصاف ملکوتی کے علاوہ ہے
ایسی ہستیاں اپنی صدی میں کہیں دو چار ہی ہوتی ہیں۔

والسّلام

عبدالماجد

خواجہ حسن ثانی صاحب نظامی نے اپنے والد اور اردو کے نامور صاحب انشا پرداز
خواجہ حسن نظامی صاحب مرحوم پر "منادی" میں شائع کرنے کے لیے ایک مضمون مانگا تھا اس
کے جواب میں یہ پیام بھیجا گیا ـــــ

دریاباد

۷ر جولائی ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

البیلا انشا پرداز

خواجہ صاحب کی بزرگی و زرگی کا حال تو کوئی بزرگ ہی بتا سکتا ہے۔ اپنا ایمان تو ان کی
انشا پردازی پر ہے۔ صاحب قلم (یا انھیں کی زبان میں قلم کار) کی حیثیت سے فرد تھے۔ اور
اس کی شہادت یہاں سے لے کر آخرتک میں دے سکتا ہوں کہ ان کا سا البیلا انشا پرداز نہ
ان کے زمانے میں پیدا ہو سکا اور نہ آج تک پیدا ہوا ہے۔

وہ صحیح معنی میں انشا پرداز تھے۔ ساز سے زیادہ سوز کے مالک اور اس سے بڑھ کر
تاریخ ادب پر کوئی ظلم نہیں کہ کتابوں پر کتابیں اور مقالوں پر مقالے نثر اردو کے ماہرین پر تیار
کردیے جائیں اور ان میں مرحوم کا نام بھی نہ آنے پائے۔

والسّلام

عبدالماجد

خواجہ صاحب مرحوم سے مولانا کے تعلقات ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۳ء میں بہت رہ چکے تھے

خواجہ صاحب نے مولانا کو ہفتوں اپنے ہاں ٹھہرایا۔ اس زمانے میں مولانا مرحوم کو درگاہوں سے بڑی عقیدت تھی۔ خاص طور سے حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ سے۔

مکتوب بنام امین سلونوی

سکریٹری انجمن فردوس ادب لکھنؤ بسلسلۂ یوم وزیر لکھنوی

دریاباد

۲۵ر جولائی ۱۹۵۶ء بسم اللہ

آپ لوگ بھی خوب ہیں کہ اس زمانے میں جبکہ ہر ہوا جو چلتی ہے اردو کے خلاف ہی چلتی ہے اور نہ کوئی بادشاہ کو پوچھتا ہے نہ وزیر کو ——— اردو ہی کے ایک شاعر وزیر نامی کو یاد منانے اور یادگار قائم کرنے کے لیے ڈھونڈھ نکالا ؎

ڈھونڈھ ہی لیتا ہے انسان خدا ایک نہ ایک

مبارکباد قبول کیجئے اور دعائیں لیجئے اس سے زیادہ یہ دعاگو اور کر ہی کیا سکتا ہے۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام ادیب شہیر خواجہ محمد شفیع دہلوی لاہور

دریاباد۔

۱۵ر اگست ۱۹۵۶ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

خوشی اس کی ہے کہ دریافت خیریت سے خود آپ کی خیریت دریافت ہوگئی مذکورہ

میری خیریت تھی اور مقصود آپ کی خیریت۔ فالحمد للہ ہندوستان آنے کا ارادہ کبھی نہیں ہوتا؟ آپ دلی کو کبھی تو آکر دیکھ جائیے ــــ سہاگن نہ سہی بیوہ سہی

والسّلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم کی دریافت خیریت کا خط بھیجا تھا۔

مولوی مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی نے اپنے ہاں مولانا مرحوم کو لکھنؤ صبح چائے پر مدعو کیا اور اس میں مولانا علی میاں صاحب اور حیات اللہ انصاری ایڈیٹر قومی آواز کو بھی بلانے کی اجازت چاہی تھی مکتوب ذیل اس کا جواب ہے۔

دریاباد

۵ ستمبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السّلام

دوشنبہ کی صبح کا وقت تو شہید صاحب کے لئے ٹیک ہو چکا تھا۔ ان کی منظوری سے، آسانی اپنے ہاں منتقل کرا سکتے ہیں۔ لانفرق بین احد منکم

مولانا علی میاں صاحب اور حیات اللہ انصاری کا اجتماع پرلطف رہا۔ دین و دنیا ایک ہی دسترخوان پر ــــ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ کی عملی تفسیر

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

مراد مولانا مرحوم کے پرانے اور بے تکلف دوست اور مکتوب الیہ کے چچا مولوی صبغۃ اللہ شہید انصاری فرنگی محلی ہیں۔

بنام جناب نواب جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی، لکھنؤ

دریاباد۔
۱۴ ستمبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

مخدوم و کرم! السلام علیکم

انشاء اللہ ۱۷ ستمبر (دوشنبہ) کی سہ پہر کو تقریباً ۵ بجے آدھ گھنٹے کے لیے حاضر خدمت ہوں گا۔
برسات کا موسم ہے ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر شدید بارش ہو جائے اور مجھے شرمندگی سے "پانی پانی" ہونا پڑے۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

بنام نواب جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی، لکھنؤ

دریاباد۔
۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

مخدوم و کرم! السلام علیکم

اس روز یقین فرمائیے کہ آپ کی گفتگو سے بہت کچھ مستفید ہو کر آیا۔ پھر گفتگو کی لذت پر میز کی حلاوتیں مستزاد — دماغ اور معدہ دونوں اپنے اپنے حصہ سے بہرہ ور۔
یہ فرمائیے کہ اودھ پنچ (اول)[1] اور فسانۂ آزاد میں جو کثرت سے ترکیب یاران سرپل کی آئی ہے یہ اس میں سرپل کی ماہیت کیا ہے اور صحیح تلفظ کیا رکھا ہے کسی لغت وغیرہ میں اس کا نظر سے گزرنا یاد نہیں پڑتا

والسّلام دعاگو
عبدالماجد

[1] لکھنؤ کا مشہور ادبی مزاحیہ اور طنزیہ ہفتہ دار۔

بنام خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی، لاہور

دریاباد۔
۷ نومبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

عزیز م! السلام علیکم

بات آج سے کوئی پچاس سال قبل کی ہے۔ میرا بچپن تھا۔ داغ مرحوم کا آخر زمانہ

تھا۔ ریاض الاخبار کا شباب تھا۔ داغ کی غزل شائع ہوئی۔ مطلع تھا ؂

دلبر سے جدا ہونا یا دل کو جدا کرنا
اس سوچ میں بیٹھا ہوں آخر مجھے کیا کرنا

ریاض نے اعتراض کیا کہ "کیا کرنا" نہ دلی کا محاورہ ہے نہ لکھنؤ کا۔ داغ نے نجی خط میں جواب دیا کہ "یہ میری زبان ہے۔ کیا اعتراض میری زبان پر بھی ہے۔" ریاض نے بھی نجی خط میں جواب دیا کہ "آپ کی زبان پر میری مجال کیا ہے جو اعتراض کرسکوں، لیکن سوال یہی ہے کہ آپ کی زبان ہے بھی؟ اگر آپ کی زبان ہے تو اپنے ہزارہا اشعار میں سے کہیں اس کی سند دکھا دیجئے تو مان لوں گا۔ ہوا یہ ہے کہ دکھنیوں کے درمیان سالہا سال گھرے رہنے سے آپ نادانستہ ان کا محاورہ باندھ گئے۔" داغ اس پر لاجواب ہو گئے۔ تو یہی معاملہ آپ کے "داخلہ لینے" کے ساتھ ہے۔ اگر اسے آپ نے دلی والوں سے سنا ہے اور اسے صحیح سمجھتے ہیں تو یہ سند بالکل کافی ہے۔ باقی اسکول اور کالج کے لڑکوں کی اردو تو انگریزی اردو یا صاحبانہ اردو ہے۔

اردو جاننا اور چیز ہے اور اردو سے متعلق جاننا اور۔ آپ کے چاروں استادوں میں مجھے علم نہیں کہ اردو جاننے والے کوئی صاحب ہیں یا نہیں ہاں اردو سے متعلق بے شک بہت کچھ جانتے ہوں گے اور اپنے لکچروں میں لسانی معلومات کا انبار لگا دیتے ہوں گے جیسا کہ ہر فرنگی محقق کرسکتا ہے۔ یہ چیزیں بھی سیکھنے کی ہیں اور اسے استادوں سے فرور سیکھئے لیکن نفس اردو کی بول چال کا جہاں تک تعلق ہے بس اپنے شہر کی جگہوں کو اپنی درسگاہ سمجھئے۔

"امراؤ جان ادا" میں اس مقام پر میں بھی ذرا کھٹکا تھا لیکن یہ سمجھ کر گزر گیا تھا کہ بازاری خاگینہ بہت ثقیل ہوتا ہوگا ایک پیسہ میں بہت سا ملا ہوگا اور ادھر امراؤ جان ادا کی نزاکت اور نفاست اتنے کی بھی روادار نہ ہوئی ہوگی۔

"خوگینہ" سے میں واقف نہیں۔ نور اللغات وغیرہ میں بھی درج نہیں۔ شاید کسی مخصوص محدود طبقہ کی بولی ہوگی۔

لیجئے خط بڑا لمبا ہو گیا۔ تذکرہ کا تذکرہ اس لئے اس میں قصداً نہیں کرتا پھر کبھی۔ اور وہ کوئی خوشگوار موضوع میرے لیے ہے بھی نہیں۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے اپنے خط میں مولانا مرحوم سے ایم۔ اے (اردو) میں داخلہ کا ذکر کیا تھا اور یہ لکھا تھا کہ میں نے ایم۔ اے میں داخلہ لیا ہے۔ مولانا مرحوم کو صحت زبان کا بے انتہا خیال رہتا تھا اسی لیے اس پر انھوں نے مکتوب الیہ کو ٹوکا۔

(۲) مراد مرزا محمد ہادی رسوا کا مشہور ناول جو ایک ڈیرہ دار طوائف کی سوانح حیات ہے

(۳) کتاب میں امراؤجان کے خاگینہ خریدنے کا ذکر ہے

(۴) لاہور کا ماہنامہ جس میں خواجہ صاحب کے قلم سے مہاجرین کے مصائب و آلام کا ذکر ہوتا تھا اور پاکستانی ارباب حل وعقد پر سخت حملے ہوتے تھے۔ مولانا مرحوم کو خواجہ صاحب کا یہ طرز ادا پسند نہ تھا اور خواجہ صاحب کو کئی بار توجہ دلا چکے تھے۔ خود خواجہ صاحب پاکستانی حکومت کے اہلکاروں اور افسروں کے ہاتھوں مصیبتیں اٹھا چکے تھے۔ ان کے حلقوں میں ان کو ناپسند کیا جاتا تھا۔

خواجہ محمد شفیع دہلوی نے مثنوی میر حسن کے بعض اشعار کے معنی مولانا مرحوم سے دریافت کیے تھے زیر نظر مکتوب اسی سے متعلق ہے۔

دریا باد

۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء بسم اللہ

برادرم سلمہ اللہ تعالیٰ! وعلیکم السلام

(۱) واچھڑے قدیم زبان میں کلمہ داد و تحسین یا کلمہ استعجاب تھا۔ کیا خوب کے معنی میں۔ میرے نسخہ میں دوسرا مصرع یوں ہے

کہیں ہوتی دی اور کہیں واچھڑے

(۲) "موترسے" وہی موتھرے ہے گھوڑوں کے پیر کی بیماری۔ میرے نسخہ میں شعر کے الفاظ یوں ہیں۔

نہ ہڈوں کا نہ موترے کا خلل
نہ بساں اور پرستارے کا بل

(۳) میرے نسخہ میں یہ شعر یوں ہے۔

ہوئی دست بازو کی سرسائیاں اوڑائی گئیں ہاتھ کی گھائیاں

"سرسائی سرپردار کرنے کو کہتے ہیں۔ اور گھائیاں اڑانا" پٹے بازوں کی اصطلاح میں میں کسی معین ضرب کا نام ہے۔

(۴) میرے نسخہ میں دوسرا مصرع یوں ہے۔

لوگ پلچھی کے لے پر ملو

معنی وہی ناچ کی ایک قسم کے معلوم ہوتے ہیں۔

(۵) "جریب تاپنا" منقول از نور اللغات جلد ۲ ص ۲۱۲

بادشاہی جلوس میں ہاتھی کے پیچھے ریشم کی ڈوری پڑی رہتی تھی فیل بان اس کو ہاتھ

میں لپیٹا جاتا تھا جب کوس پورا ہوجاتا دربان ایک چھڑی سے کہ بادشاہ کو مجرا کرتا جس سے مراد ہوتی کہ سواری کوس بھر آئی۔ ریشم کی اسی ڈوری کو جریب کہتے ہیں۔

(۶) جی ہاں مقدرہ گوٹے کے معنی یہ ہے۔

(۷) بڑھا کر لکھیے سات سے تو قلم اس کا مطلب مجھ پر بھی نہ واضح ہوا۔ لکھنؤ ہی میں ایک صاحب منشی شیخ ممتاز حسین جونپوری پرانے آدمی ہیں ادیب و منشی خوش نویسی کے ماہران سے لکھ کر دریافت کرتا ہوں۔

(۸) متعلق عاملوں کی زبان میں ایک نقش کا نام ہے جس میں نو خانے ہوتے ہیں۔ کلام کا سیاق بھی یہی چاہتا ہے کہ بات عاملوں کی اصطلاح میں چل رہی ہے۔ اپنا بھی پرانی زبان کو سمجھنا اتنا مشکل ہوجاتا ہے۔ جتنا کسی غیر زبان کا۔ آئندہ کبھی اس قسم کی خدمت لینا ہو تو صفحہ فصل وغیرہ کا حوالہ ضرور دے دیا جائے۔ بڑا وقت مجھے اپنے نسخہ میں ان اشعار کے ڈھونڈھنے میں لگ گیا۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) شیخ صاحب نہ صرف خوشنویسی کے ماہر تھے بلکہ دوسرے اصناف کے بھی محقق تھے۔ لکھنؤ کی پرانی چیزوں سے سب سے زیادہ واقف اور رمز زا تھے۔ ہادی رسوا کے خاص دوستوں میں تھے۔

مکتوب بنام شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری حسین آباد لکھنؤ

دریاباد
۱۰؍ جنوری ۱۹۵۷ء

بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

میر حسن کی مثنوی سحر البیان میں ایک شعر صفحہ ۳۲ پر ہے ؎

ہوا جب کہ نو خط وہ شیریں رقم
بڑھا کر لکھے سات سے نو قلم

سیاق شہزادہ کی خوشنویسی کا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں یہی سمجھا۔ سات سے نو قلم۔ یقیناً خطاطی ہی کی کوئی اصطلاح ہوگی۔ آپ کچھ مدد فرما سکتے ہیں۔

مرزا رسوا صاحب کا کلام جتنا امراؤ جان ادا اور ذات شریف[1] میں ملتا ہے وہ اگر یکجا ہو جاتا تو بہت کچھ تھا پھر آگے دیکھا جاتا۔

والسّلام

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ صرف اردو بلکہ ادبی چیزوں کے محقق تھے اور پرانے لکھنؤ اور لکھنویات پر سند کا درجہ رکھتے تھے۔

(۲) مرزا ہادی رسوا کی تصنیف۔

مکتوب بنام شوکت تھانوی، ریڈیو پاکستان لاہور

دریاباد

یکم مارچ ۱۹۵۷ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

فرمائیے آپ بدستور لاہور ریڈیو میں ہیں نا! ماشاء اللہ یہ مضمون ہے کہ

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

بہرحال اڑتی سی خبر کان میں پڑی ہے کہ آپ حال میں اڑ کر چاٹگام پہونچے تھے اور عزیب

لندن کی پرواز کے لیے "پر تول" رہے ہیں۔ اللہ ری "بلند پروازیاں"۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

بنام شوکتؔ تھانوی لاہور

یہ مکتوب دراصل مارچ ۱۹۴۱ء کا ہے۔ پرانے کاغذوں کے انبار میں اس خط کی نقل مل گئی۔ مکتوب الیہ نے اس خط کے ذریعہ مولانا مرحوم سے ایک شاعر عبدالرؤف صاحب رؤفؔ امروہوی کے مجموعہ "گلرنگ" پر مقدمہ لکھوانا چاہا تھا۔ مکتوب ذیل اس کا جواب ہے۔

دریاباد

۲۲ر مارچ ۱۹۴۱ء بسم اللہ

بندہ نواز! وعلیکم السّلام

میں تو منتظر خود "منشی جی" کی آمد کا تھا بہ نفس نفیس اصالۃً بلا شرکت غیرے و آمیزش۔

وہ آئے تو سہی لیکن اس سج دھج سے کہ کسی کا ہاتھ پکڑے ہوئے لا رہے ہیں اور کسی کے عصا کے پیری بنے ہوئے ہیں!

یہ منشی جی وکیل کب سے ہو گئے۔ خود "مختار" تو ہمیشہ سے تھے یہ "مختاری کا جبّہ کب سے پہن لیا۔؟

"لخلخہ" سونگھ لیا۔ "گلرنگ" کے "رنگ و بو" کی سیر کر لی۔ آپ کے شاعر صاحب تضمین کے کلام کا انتخاب خوب اور بہت خوب کرتے ہیں یہ دلیل ہے ان کی سخن سنجی، سخن گوئی کی۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) شوکت صاحب لکھنؤ ریڈیو سے منشی جی کے نام سے مزاحیہ فیچر نشر کرتے رہتے تھے۔

مکتوب بنام پنڈت آنند موہن زتشی گلزار دہلوی۔ مکتوب الیہ نے یوم اردو کے لیے پیام مانگا تھا۔ مکتوب ذیل اسی کا جواب ہے۔

دریاباد

۱۳ر اپریل ۱۹۵۷ء بسم اللہ

پیام یاس

یوم اُردو اور وہ بھی خوب دھوم دھام سے ایک نہیں بیسوں منائیے جائیے اور اپنے دل کو بہلاتے رہیے لیکن اس کی آس نہ لگائیے کہ اس سے کچھ ہونا ہوانا ہے یا آپ کی داد فریاد کی شنوائی بھی کہیں ہوگی۔ جو کچھ اپنے بس میں ہے اسے کیے جائیے اور اس کے آگے ع

کشتی خدا پر چھوڑ دے لنگر کو توڑ دے

کوئی جان سکتا ہے کہ نسیم و سرشار و موتی لال نہرو اور تیج بہادر سپرو، چکبست اور منوہر لال زتشی کی زبان کو بولا اس کے وطن یوپی سے دیس نکالا مل جائے گا اور کیا جواہر لال اور کیا کیفی اور کیا کول سب منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔

عبدالماجد

(۱) اردو کے ہونہار شاعر اور اردو تحریک کے زبردست حامی۔

(۲) پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی۔

(۳) کشن پرشاد کول ان کا قیام لکھنؤ میں رہتا تھا اور اردو کے زبردست شیدائیوں میں تھے اور ان کا شمار اردو کے ادیبوں میں تھا۔

مکتوب بنام حکیم بنیاد علی میرٹھی دار الشفاء مصطفائی میرٹھ

انہوں نے مولانا مرحوم کو اپنے دواخانہ کے شربت "روح پرور" کی دو بوتلیں بطور تحفہ بھیجی تھیں اس پر شکریہ کا مکتوب۔

دریاباد

۳۰ر اپریل ۱۹۵۷ء بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السلام

شربت روح پرور" واقعی اس موسم میں ایک تحفہ روح پرور ہے۔ اور پھر ایک نہیں دو دو بوتلیں — احقر کو اضعافاً مضاعفاً کرنے والی۔ بمنتان ذو ا ضنان و مدہامتان کی شان لیے ہوئے۔

والسّلام دعاگو
عبد الماجد

خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب کے انتخاب کلام پر مفتی رضا انصاری صاحب نے پیش لفظ کی فرمائش کی تھی اس کے جواب میں یہ مختصر مضمون بھیجا گیا۔

دریاباد

۳ر نومبر ۱۹۵۷ء بسم اللہ

کلام مجذوب کی معنویت کی داد تو کوئی سالک دے سکتا ہے۔ مجھ عامی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ کلام پر لطف ہے اور بہت ہی پر لطف، اصل لطف تو شاعر سے اس کی زبان سے سننے میں تھا۔ لیکن مطبوعہ صورت بھی لطف و کیف سے خالی نہیں اور ہر شخص کا حصہ لطف بہ قدر اس کے ظرف کے۔

رضا انصاری سلمہ نے یہ خوب کیا کہ اس کا انتخاب لاجواب شائع کرا دیا اور ان کا مفصل

مقدمہ بھی اپنی دلکشی میں اصل کلام سے کچھ کم نہیں۔ مجذوب کی کرامت کہ اپنی مجوبیت یاد مجذوب میں منتقل کردی۔

اور پھر اس کی اشاعت عبدالباری اکیڈمی کی طرف سے! اس کے سلسلۂ مطبوعات کی بسم اللہ ـــ ایک ہی وقت میں ادب اور معرفت دونوں کی خدمت۔ یہ اکیڈمی جس جواں مرگ فرنگی محلی بزرگ[2] کی یاد میں ہے ناشکر گزار دنیا اس کے بھی کمالات و فضائل کو بھول گئی۔ یہ ہستی وہی ہے جس کے متعلق اکبر الہ آبادی نے ۱۹۲۰ء میں کہا تھا ع

کچھ کام کریں کچھ سعی کریں ہر شیخ کو عبدالباری کر

عبدالماجد

(۱) خواجہ صاحب مولانا تھانوی کے حلقہ مجازیہ تھے اور ساتھ ہی خوش گو شاعر بھی۔

(۲) مراد مشہور عالم دین مولانا عبدالباری فرنگی محلی جو تحریک خلافت و جمیعۃ العلماء کے بانیوں میں تھے۔

عبدالحفیظ صاحب دیسنہ نے سلیمان ہال (بسلسلۂ یادگار حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم) کے لیے پیام مانگا تھا۔ مکتوب ذیل اس کا جواب ہے۔

دریاباد

۲۶ دسمبر ۱۹۵۰ء بسم اللہ

"سلیمان عصر" کی یادگار کے سلسلہ میں آپ لوگوں کا مجھ "مورضعیف" کو یاد کرنا محض آپ کی ذرہ نوازی۔

اور پھر ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے علم دوست و جوہر شناس گورنر کے ورود کے موقع پر میرا ان کے فرائض کی یاد دہانی کرنا بلکہ اس کی طرف اشارہ بھی کرنا

سورج کو ہے چراغ دکھانا

یا لقمان کو حکمت سکھانا۔

جو پروردگار کارساز ان کے قدم وہاں لے آیا ہے وہی ان کے قلب و زبان پر بھی حکمراں ہے۔ مجھے تو صرف دور سے دعا گوئی اور خوشخبری سننے کے لیے رہنے دیجئے۔

دعا گو

عبدالماجد

ڈاکٹر ذاکر حسین اس زمانے میں بہار کے گورنر تھے۔ یہ سید صاحب کے ارادت مند تھے اور ان کے تبحر علمی کے قائل۔

مکتوب بنام حاجی محمد مقتدا خاں صاحب شروانی علی گڑھ

موصوف نے مولانا کی خدمت میں ایک مضمون مولانا شبلی پر بھیجا تھا اور اس کے ساتھ ایک دلچسپ خط۔

دریاباد

۲۵ فروری ۱۹۵۸ء بسم اللہ

حضرت والا! وعلیکم السلام

آپ ماشاء اللہ پیدائش کے وقت سے مقتدا ٹھہرے آپ کی ہر قراءت پر ہم مقتدیوں کو آمین کہنا واجب۔ خواہ بالجہر ہو یا بالسر

والسلام دعا گو و دعا خواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام ڈاکٹر آفتاب احمد ردولوی، پروفیسر و صدر شعبۂ اردو ڈھاکہ یونیورسٹی

ان کی کتاب "گلہائے داغ" آئی تھی۔ کتاب کی زبان سے مولانا مرحوم بہت خوش ہوئے اس مکتوب میں اسی کا ذکر ہے۔

دریاباد

۲۳ مارچ ۱۹۵۸ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

"گلہائے داغ" کا پیکٹ کل دوپہر موصول ہوا۔ سرسری نظر اسی وقت کرگیا، دل خوش ہوگیا۔ مدت کے بعد اپنی زبان اور اپنے رنگ کی تحریر پر نظر پڑی ورنہ یونیورسٹی کے "دکاترہ" نے تو وہ زبان اور وہ طرز تنقید نکالی ہے کہ میرے پلے تو کچھ پڑتا ہی نہیں۔
کتاب کی رسید فوراً لکھے بھیجتا ہوں۔ صدق میں ذکر کرنے کی نوبت البتہ مہینوں بعد آئے گی اس سے قبل گنجائش نکلنے کا کوئی امکان نہیں لیکن پبلشر کے اس جرم کو ہرگز نہیں معاف کرسکتا ہوں کہ ظالم نے فہرست مضامین قسم کی کوئی چیز ہی نہ رکھی۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

ڈاکٹر صاحب موصوف کی مولانا مرحوم سے قرابت بھی ہوتی ہے۔

مکتوب بنام رازق الخیری صاحب ایڈیٹر "عصمت" کراچی

انہوں نے "عصمت" کے جوبلی نمبر کے لئے مولانا سے مختصر مضمون مانگا تھا، پیام ذیل اسی بارے میں ہے ـــــ

دریاباد   جوبلی نمبر پر

۱۷ اپریل ۱۹۵۸ء   از عبد الماجد

ہوش کی آنکھیں جب سے کھلیں "عصمت" کی زیارت سے مشرف ہوتا رہا۔ مدتوں آنکھوں نے نور اور دل نے سرور اس کے مطالعہ سے حاصل کیا۔ خدا جانے کتنی بہو بیٹیوں کی زندگیاں اس سے سنور گئیں۔ سنبھل گئیں۔ پچاس برس کی مدت کوئی معمولی مدت ہوئی ؟ پھر کتنی مدت کے علاوہ کس قیامت کی انقلابی، کس غضب کی حشر انگیز، ہندوستان اور پاکستان دونوں کیا سے کیا ہو گئے۔ خاتون مشرق کہاں سے کہاں پہنچی۔ اور دیکھئے ابھی کیا کیا اور دیکھنا باقی ہے! اکبر اور اقبال دونوں اپنا سر پیٹتے رہ گئے۔ آفریں ہے آپ کی ہمت پر کہ آپ آج بھی پرانی صدا لگائے چلے جا رہے ہیں اور بیڑا اسی کا اٹھائے ہوئے ہیں کہ "چراغ خانہ" کو کسی حال میں "شمع انجمن" نہ بننے دیں گے۔ نقشہ

چراغ لے کر کہاں سامنے ہوا کے چلے

کا کھینچا ہوا۔

یہ سب اگر بانی "عصمت" حضرت راشد الخیری کے اخلاص کی کرامت اور فیض کا تصرف نہیں تو اور کیا ہے۔ اللہ آپ کے دم کو قائم رکھے اور آپ کے دم خم کو بھی جیتے رہئے اور اسی آن بان سے اسی قلندرانہ شان سے اپنے میدان جہاد میں جمے رہئے۔ ڈٹے رہئے۔

دعاگو

عبد الماجد

پیام جو رسالہ "اردو ادب" کے مولانا آزاد نمبر کے لئے بھیجا گیا۔

دریاباد

۱۸ اپریل ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

پیام

اردو ادب نے مولانا آزاد کی یاد میں جو خصوصی نمبر شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے ہر طرح مبارک و قابل تحسین ہے۔ اس سے کم سے کم ایک ظلم کی تو کسی حد تک تلافی ہو جائے گی اس دس بیس برس کے اندر اردو ادب کی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ آزاد نام کے ایک بڑے ادیب وانشا پرداز کی کوئی ہستی موجود ہی نہیں ہے! یہ کتنا بڑا ظلم ہوا ہے! یہ ظلم دو چار اور صاحبوں پر بھی ہوا ہے لیکن مظلوم اعظم آزاد ہی ہیں۔

مولانا کی دینی و سیاسی خدمات کا جائزہ تو دوسرے بھی لے سکتے ہیں۔ لیکن ان کی ادبی اور انشائی خدمات کا صراحت و تفصیل سے جائزہ لینا آپ کے رسالہ کا خاص موضوع ہونا چاہیئے۔ اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ خود شرح و بسط سے لکھوں۔ کچھ نہ کچھ بہرحال صدق میں لکھ ہی چکا اور آپ کے علاوہ چار جگہوں سے اور فرمائشیں آئی ہوئی ہیں۔ آپ کے رسالہ نے اگر یہ کام کر دیا تو گویا سب کی طرف سے ایک ادبی فرض کفایہ ادا کر دیا اور تاریخ ادب کے دامن سے ایک بدنما دھبے کو دور کر دیا۔

مولانا کی انشا کے مختلف دور قائم کرنے لازمی ہیں، تین دور تو کھلے ہوئے ہیں اور شبلی اسکول سے ان کا تعلق واضح کرنا ضروری ہے۔ یہ ایک عجیب لطیفہ ہے کہ شبلی سے اتنا قریب اور متاثر ہو کر بھی مولانا دور اور غیر متاثر رہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) انجمن ترقی اردو (ہند) کا سہ ماہی ادبی مجلہ

مکتوب بنام مولوی حبیب ریحان خاں صاحب ندوی

دریاباد

۶؍جون ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

منزل و نشانِ منزل

منزل تک رسائی ہو یا نہ ہو یہ امتیاز کیا کچھ کم ہے کہ نشانِ منزل دکھاتے رہنے کی خدمت مدت دراز سے آپ اپنے ذمہ لیے ہوئے ہیں۔

نشانِ منزل کے عام نمبر کیا کچھ کم ایسے ویسے ہوتے ہیں پھر اب کی تو آپ اس کا خاص اور خصوصی نمبر نکال رہے ہیں۔

اللہ ہم کو آپ کو سب کو راہ منزل سے گزارتا ہوا منزل مقصود تک جا پہنچائے۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام سید علی عباس حسینی صاحب وزیر گنج لکھنؤ

دریاباد

۱۵؍مئی ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

طلسم اسرار تک رسائی مبارک لیکن حضرت یہ تنہاخوری کیا معنی؟ میں تو شاید آپ سے

بھی زیادہ بھوکا تھا۔ بہرحال ایک نظر تو مجھے دکھا ہی دیجئے۔
اپنے پاس زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ رکھوں گا۔ جلیب سلمۂ ایک ہفتہ آئیں گے اور دوسرے ہفتے واپس پہنچادیں گے۔ جزاک اللہ

انگریزی تفسیر لکھنے میں چار پانچ سال لگ گئے اور پھر نظرثانی وغیرہ میں دو ایک سال اور ۱۹۳۳ء میں شروع کی تھی ۱۹۴۰ء کے شروع میں مسودہ ناشر صاحب کے ہاتھوں میں پہونچ گیا تھا۔ ان کی عنایت کہیے (مینجنگ ایجنٹ کا نام شیخ عنایت اللہ ہے) یا میری قسمت کہ اتنی مدت میں اور پچاسوں تقاضوں کے بعد اب تک کل پہلی جلد نکل پائی ہے۔

سمجھا تھا جن کو پھول وہ نکلے شرار سنگ
شیشے میرے نصیب سے پتھر کے ہوگئے

اردو تفسیر اس کے بعد شروع کی تھی اس کا نصیبہ اس سے کچھ بہتر رہا اب تک چار جلدیں نکل چکی ہیں اور تین باقی ہیں۔

مرزا صاحب ضرور تیار کیجئے اور کرائیے ہر امکانی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ آپ کی فرمائش بڑی ضروری اور اہم لیکن پورا وقت اور پوری محنت چاہتی ہے۔ ایک سن ایسا آجاتا ہے کہ جب خود کوئی نیا مستقل کام شروع کرنے کے بجائے طبیعت دوسروں کی مدد اور مشورہ دینے اور انھیں DIRECT کرنے پر زیادہ آمادہ رہتی ہے یہی صورت اس موضوع کے لیے ہے۔ کوئی اور صاحب ہمت کریں تو ان کے ساتھ شریک ہوجانے پر حاضر ہوں۔ ہاں خوب یاد آیا شبلی مرحوم کی کتاب اس موضوع پر ضرور دیکھ ڈالیے کتاب کا نام بھی غالباً یہی ہے "تاریخ عرب قبل اسلام" (یہ جواب پہلی ڈاک سے جارہا ہے۔ ۱۲ کا عنایت نامہ ۱۴ کی شام کو ملا)

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ جوبلی کالج لکھنؤ میں استاد تھے۔ اردو کے مشہور و معروف افسانہ نویس صحت زبان کا بڑا اہتمام رکھتے تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں مولانا مرحوم کے کچھ دنوں شاگرد رہے تھے نہ صرف اس کا آخردم تک لحاظ کرتے رہے بلکہ مولانا سے ارادت مندی کا خاص تعلق رکھا۔ اپنے خط میں مکتوب الیہ نے مرزا محمد ہادی رسوا کی ایک کتاب طلسم اسرار کے مل جانے کے بارے میں لکھا تھا۔ مولانا مرحوم کی انگریزی تفسیر کی پہلی جلد انھوں نے اسی زمانے میں پڑھی تھی اس کا بہت تعریف سے ذکر لکھا تھا اور آخر میں مولانا سے ایک کتاب تاریخ عرب قبل از اسلام کی تصنیف کے لیے اصرار سے لکھا تھا ان ہی باتوں کا جواب اس خط میں مولانا مرحوم نے فرمایا۔

(۲) مولانا مرحوم کے بھتیجے اور داماد جو اس وقت یوپی سکریٹریٹ میں اسسٹنٹ تھے اور مکتوب الیہ کے جوبلی کالج میں شاگرد رہ چکے تھے اور اس زمانے میں تقریباً ہر ہفتے دریاباد جاتے رہتے تھے۔

(۳) تاج کمپنی کے مینجنگ ڈائرکٹر (۴) مشہور ناول نویس مرزا رسوا سے مولانا مرحوم کے گہرے تعلقات تھے اور مولانا مرحوم ان کی زبان اور فن ناول نویسی دونوں کے بڑے قائل تھے۔ (۵) فرمائش سے مراد تاریخ عرب قبل از اسلام پر کتاب لکھنے کی ہے (۶) اردو کے مشہور و معروف مورخ و مصنف مولوی عبدالحلیم شرر۔

مکتوب بنام ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

دریاباد

۸ راگست ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم
یوسف گم گشتہ باز آمد بہ کنعان غم مخور
گم گشتہ نہ سہی علی گڑھ کے ازدست رفتہ تو یہ یوسف بھی تھے۔ واپسی اور دہ بھی بر دوائس چانسلری پر۔ اللہ ہر طرح مبارک کرے۔
والسلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) موصوف کی تقرری پر۔

مکتوب بنام شیخ قدیر الزماں صاحب، خاتون منزل لکھنؤ

مولانا کے بھانجے اور بھتیجے داماد۔

ایک پرانے اور گھر کے پروردہ ملازم تیغ علی جو مولانا کے بڑے بھائی مولوی عبدالمجید صاحب، ڈپٹی کلکٹر کے یہاں کھانا پکاتے تھے کسی بات پر ناراض ہو کر گھر سے چلے گئے تھے۔ ان کو خاتون منزل میں رہنے والے ایک صاحب منشی ولیل اللہ صاحب جن سے ہم سب لوگوں کے عزیزانہ تعلقات تھے، سمجھا بجھا کر واپس لے آئے۔ اس بارے میں مولانا نے یہ خط لکھا۔

دریاباد
۹ اگست ۱۹۵۵ء بسم اللہ
عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم
اولیاء راہست قدرت از الہ
تیر جستہ را باز گرداند ز راہ
یہ "ولیل اللہ" بھی اس سفلی عالم میں عالم علوی کے اولیاء اللہ سے کچھ کم نہ نکلے، تیغ

بے نیام کو خوب "نیام" میں کرکے لے آئے۔ انعام نہ سہی داد سے تو بہرحال انھیں مالا مال ہی کر دینا۔ ابھی ابھی یاد پڑا کہ ولیل اللہ کے والد کا نام ولی اللہ تھا۔ سبحان اللہ ایک ولی اللہ نام کے دوسرے کام کے۔ یوں بھی لڑکا ہوتا آخر کاہے کے لیے ہے۔ باپ کا نام روشن کرنے کے لیے۔ اس کے ادھورے کام پورا کرنے یا اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

فقط

عبدالماجد

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں صاحب شروانی، علی گڑھ

دریاباد
۷ر دسمبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

معلی الالقاب! السّلام علیکم

تحفۂ لطیف ولذیذ کا کیا کہنا۔ صاحب "نان وحلوا" کہیں سن پائے تو منھ میں پانی بھر آئے سو جان سے للچائے۔

مثنوی[1] کی بلاغت ومعنویت۔ سبحان اللہ۔ لیکن عنوان ثانی ذرا عام فہم وسلیس بھی ہونا تھا مثلاً مثنوی شیرمال وقورمہ۔ مثنوی بریانی وزردہ وغیرہ اور سب سے بڑھ کر مثنوی اشتیاق آفریں برائے دل حزیں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے کوئی مثنوی مولانا کی خدمت میں بھیجی تھی۔

مکتوب بنام چودھری مبارک علی خاں صاحب نلگنڈہ

دریاباد

۲۶ ستمبر ۱۹۵۱ء ۱۳۷۶ھ بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

میں تو سمجھا تھا کاغذ کے معاملے میں میں ہی شاید سب سے زیادہ بخیل اور ابخل الناس ہوں لیکن آپ کے آگے کان پکڑتا ہوں۔ آپ تو کاغذی کفایت میں مجھ سے بھی کہیں بازی لے گئے! اتنی خوشنویسی کے باوجود اس قدر تنگیاں حمائل ہیں کہ ذرا بھی گنجائش کہیں بھی ایک لفظ بڑھانے یا بدلنے کی نہیں! ایک بالکل نئے قسم کے یاقوت رقم[۱]

خدا کے لیے امام مبزان کے لقب پر جھاڑو پھیر دیجئے۔ ہر جگہ مجھے کاٹنا پڑا ہے۔ اسی طرح وہ حاشیہ بھی جو شیخ کے حوالہ سے ان کی غلط قرآن خوانی سے متعلق ہے۔ اس قسم کی تمام تر شخصی تفضیک و تحریض ہمارے مولوی صاحبان ہی کو مبارک کرتے[۲]۔ میں بہت ان چیزوں سے بچتا ہوں۔

انگریزی الفاظ بلاضرورت شدیدہ نہ لائیے کتابت اور چھپائی میں مسخ ہوجاتے ہیں ہجری سنہ درج کرنا یا پتہ ہندی میں لکھنا یہ سب تضیع وقت میں داخل ہے۔ ایک ہی ہر خط دو نمبروں کا ہے۔ گویا یہ چار خط آٹھ پرچوں کے لیے کافی ہوں گے۔

دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے مخلصین میں سے تھے اور ایک زمانے میں شاید کے خط سلیم کے نام سے پرویز صاحب مدیر طلوع اسلام اہل قرآن کے غلط اور گمراہ عقیدوں کی تردید میں شائع ہوتے رہے۔ زیر نظر مکتوب میں اسی کا ذکر ہے۔

(۲) مکتوب الیہ بڑے ہی خوشخط تھے اور مولانا مرحوم کے سفرنامہ پاکستان کے مسودہ کو نہ صرف بہت خوشخط لکھا بلکہ اس پر بیل بوٹے بھی بنادیئے۔
(۳) مولانا مرحوم ذاتی حملوں اور تعریض سے بہت بچتے تھے۔ مرحوم کا خاص مذاق تھا۔

اردو کے مشہور شاعر پنڈت آنند موہن گلزار زتشی دہلوی کی شادی کے موقع پر ایک کتاب شائع ہونے والی تھی اس کے لیے پیام بھیجنے کے لیے عزیزدارثی صاحب، مینجر ہمدرد دواخانہ نے لکھا تھا۔ پیام ذیل اسی سے متعلق ہے۔

دریاباد
۲۷ر ستمبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

گلزار سلمہٗ اردو کی برات کے دولہا تو پہلے ہی سے تھے مبارک ہو کہ اب مجاز و استعارہ کی دنیا میں نہیں عالم اجسام کی ٹھوس اور مادّی دنیا میں بھی نوشہ بن رہے ہیں گلزار کے سہرے کے پھول کھلنے ان کے والدین، عزیزوں، مخلصوں بلکہ سارے اردو والوں کو مبارک ہو۔

ان کا گھر ہمیشہ بدرو رشعر و ادب کا ایک کھلا ہوا چمن اور لہلہاتا ہوا لالہ زار رہے۔ ان کی ہستی اس کا ثبوت ہے کہ نسیمؔ اور سرشارؔ، چکبستؔ اور کیفیؔ کی قوم آج بھی اپنے بزرگوں کے ورثہ سے محروم نہیں۔

گوشہ نشین
عبدالماجد

(۱) پنڈت دیاشنکر نسیم (۲) پنڈت رتن ناتھ سرشار (۳) پنڈت برج نارائن چکبست (۴) پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی۔ یہ سب اردو کے ممتاز شاعروں اور نثر نگاروں

میں تھے۔

(۵) مراد کشمیری پنڈت جو تمام تر اردو کلچر اختیار کئے ہوئے تھے۔

مکتوب بنام نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی کشمیری محلہ لکھنؤ

دریاباد
۷/ اکتوبر ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

خدا کرے ہر طرح بخیریت ہوں۔

(۱) فسانۂ آزاد میں کئی جگہ محاورہ آیا ہے "حکم بس آیا داخل ہے" حکم بس آیا ہی چاہتا ہے کے محل پر" داخل"، کا یہ استعمال مجھے نامانوس معلوم ہوا۔

(۲) شعر یا غزل لکھنے کے بجائے فعل کہنا تو برابر استعمال میں ہے لیکن اپنے لڑکپن میں مجھے یاد پڑتا ہے یہی فعل کہنا میں نے کتاب کی تصنیف کے لیے بھی سنا ہے۔ مثلاً یہ کتاب کس کی کہی ہوئی ہے۔

ان دونوں محاوروں سے متعلق براہ کرم اپنی تحقیق سے مستفید فرمائیں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) اس مکتوب سے مولانا کے طالب علمانہ مذاق کا اندازہ ہوگا کہ کس طرح وہ برابر علمی تحقیق میں مصروف رہتے تھے۔

خط بنام پروفیسر عبدالوہاب صاحب بخاری مدراس بسلسلۂ تعارف عزیزالہٰی صاحب حسن پوری جو اس زمانہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سفیر تھے۔

دریاباد
۳ر نومبر ۱۹۵۵ء

بسم اللہ

کرم گستر! السّلام علیکم

اس عریضہ کے حامل ماسٹر عزیزالہٰی بی اے (علیگ) سفیر ندوہ کی حیثیت سے حاضر خدمت ہو رہے ہیں۔

علاوہ اپنی اس سرکاری حیثیت کے میرے مخلص خصوصی ہیں۔ نام کے "عزیز" ہیں لیکن مصر ندوہ کے "یوسف" سے کم نہیں۔ آپ کی نگاہ اعجاز ندوہ کی قدر دانی کے لیے یقیناً کوئی "زلیخا" ڈھونڈھ نکالے گی۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) عزیزالہٰی صاحب مولانا کے بڑے مخلصوں میں تھے اور مولانا کو بھی ان سے گہرا تعلق تھا برابر خط و کتابت رہا کرتی تھی۔

پیام بنام حکیم عبدالاحد صاحب پرنسپل طبیہ کالج پٹنہ

بسلسلۂ یادگار و برسی حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم

دریاباد
۲۶ر جنوری ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

اجمل خاں کے ذکر جمیل سے اپنے کو تر زبان رکھنا خود اپنی خوش ذوقی

اور احسان شناسی کا ثبوت دیتا ہے اور اس کا اعلان کرتا ہے کہ آپ کا ادارۂ حذاقت فن کا بھی قدرداں ہے اور شرافت نفس اور صحیح انسانیت کا بھی ۔

مرحوم کا مونوگرام (MONOGRAM) کاغذات پر چھپا ہوا تھا۔ افضل الاشغال خدمت الناس اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل پر کندہ تھا خدمت خلق میں دن رات لگے رہنا ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اور یہی گویا ان کا ہمہ وقتی فریضہ ۔

جلسۂ یادگار کی صدارت کے لیے بھی انتخاب ڈاکٹر ذاکر حسین کا خوب رہا جمال شرافت سے اسی طرح آراستہ وپیراستہ ۔

حکیم صاحب کی یادگار اگر اخلاص سے منانا ہے تو خصوصی توجہ ان تین چیزوں پر لازمی ہے (۱) ان کے مدرسہ طبیہ دہلی کی ہر طرح تعمیر وترقی انھیں کی قائم کی ہوئی بنیادوں پر۔

(۲) ہندو مسلم اتحاد کا فروغ گاندھی جی کے قائم کئے ہوئے خطوط پر۔

(۳) جامعہ ملیہ اسلامیہ کی فلاح وترقی اس کی قدیم خصوصیات کے ساتھ۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام ابن احمد صاحب، ناظم اعلیٰ حلقۂ ادب

معرفت حفیظ اللہ وکیل گورکھپور، انھوں نے اپنے رسالہ پرواز کے لیے پیام مانگا تھا ـــــ

دریاباد

۲۷ مارچ ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

پیام

اللہ آپ کے "پرواز" کو طاقت پرواز عطا فرمائے اور اس کا رخ ہمیشہ سیدھا رکھے!

زمانے کی ہوائیں جس رخ پر چل رہی ہیں اس کا مقابلہ آسان نہیں۔ اللہ آپ کی ہمت کے بازوؤں کو قوی رکھے اور ہر قسم کی "بادہوائی" یا توں سے بچائے

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں صاحب شروانی

مکتوب الیہ نے یہ لکھا تھا کہ میں نے اپنے لڑکے کو جوتے کی دکان رکھوا دی ہے اور اس کا نام شو شو کمپنی رکھا ہے اور ایک نظم "کیلو" روشنائی کے متعلق بھیجی تھی جس کے ہر شعر کے آخر میں سیاہی، تباہی، ماہی وغیرہ تھا۔ مولانا نے صدق میں اپنی بدخطی کے متعلق لکھا تھا اس پر موصوف نے انھیں سوزن رقم لکھا تھا۔

دریاباد

۷/اپریل ۱۹۵۹ء بسم اللہ

دالامناقب! وعلیکم السّلام

"چارہ" صاحب زادہ کے لیے یہ "شو شو" کا شوشہ آپ نے خوب چھوڑا۔ اور اس ضلع میں ایک بات نوک کی رکھ لی زمانے کے سر پر ایک ٹھوکر جمادی۔ "داستان کیلو" کا کیا کہنا۔ پڑھنے والے کو چارہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ شروع سے آخر تک ہر شعر پر یہی کرتا رہے۔ رقیبوں، حریفوں کے چہرے پر خوب ہی سیاہی مل دی یا "کیلو" کی مناسبت سے یوں کہیے کہ ان کے تابوت میں کیل ٹھونک دی۔

اس بدخط کو سوزن رقم کا خطاب دے کر آپ نے ادھر تو یکسوئی حاصل کرلی ادھر معترض کا گلا ناپ دیا۔

دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام مولوی عبدالحق صاحب بابائے اردو ایڈیٹر "اردو" کراچی

دریاباد

۸ر اپریل ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

"اردو" کا تازہ ڈبل نمبر کل موصول ہوا۔ دو ایک باتیں اس نمبر کے متعلق عرض کرنے کی ہیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) صفحہ ۷۰، ۲ پر ذکر مرزا محمد ہادی رسوا لکھنوی کے منظوم ڈرامے "مرقع لیلیٰ و مجنوں" کا ہے اور لکھا ہے کہ ڈرامہ ۱۸۷۷ء میں النا ظر پریس لکھنؤ میں طبع ہوا، ۸ صفحات ہیں۔

(الف) گزارش ہے کہ اول تو یہ تصنیف مرزا لکھنوی کی ہے نہ کہ "رسوا" کی مرزا صاحب اس وقت تک محض مرزا تھے اور شاعری میں بھی تخلص آخر دم تک رکھا۔ "رسوا" کا لقب تو انھوں نے بہت بعد میں صرف ناول نگاری کے لیے اختیار کیا تھا۔ مرقع میں تخلص جہاں جہاں بھی آیا ہے مرزا ہی آیا ہے۔

(ب) سنۂ طبع جو ۱۸۷۷ء درج کیا گیا ہے یقیناً صحیح ہوگا۔ پہلا ایڈیشن اسی سال نکلا ہوگا۔ لیکن الناظر پریس کا اس وقت کہیں وجود ہی نہ تھا۔ یہ تو کہیں اس کے ۲۰، ۲۲ سال بعد قائم ہوا ہے۔ میرے پاس جو نسخہ ہے وہ طبع ثانی ہے الناظر پریس کا چھپا ہوا لیکن اس پر سنہ کوئی درج نہیں ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ ۱۹۱۱ء کا ہوگا اس کی ضخامت ۸، نہیں ۹۷ صفحہ ہے۔

(ج) کوئی ادیب مادر زاد ادیب نہیں ہوتا۔ پختگی آتے آتے ہی آتی ہے۔ یہ مرقع مرزا صاحب کی بالکل ابتدائی تصنیفوں میں ہے اسے اسی معیار سے دیکھنا چاہیے "امراؤ جان ادا" اس کے بہت بعد کی تصنیف ہے کم از کم بارہ سال بعد کی۔ اس وقت ان کا قلم خوب منجھ چکا تھا۔

(د) مرزا صاحب سے ۸۵ئہ میں اس کی توقع رکھنا کہ انہوں نے فن میں کوئی اصلاح تجدید یا ترمیم کی ہوگی غلط ہے۔ ان کے پیش نظر اصلاح فن نہ اس وقت رہی نہ اس کے بعد وہ صرف زبان کے رسیا تھے اور زبان کی صحت، سلاست، نفاست اور نزاکت کے معیار سے دیکھا جائے تو اس مرقعٔ[1] اور اس کے معاصر اردو ڈراموں کے درمیان نمایاں فرق نظر آتا ہے

(۲) شوکت سبزواری کے دونوں مضمون اور تیسرا مضمون کلام اقبال کی زبان تینوں بہت خوب ہیں۔ ہر طرح قابل داد۔ البتہ ص۳۹۵ پر وسط میں امیرمینائی کے سلسلہ میں جو یہ فقرہ درج ہے کہ "ان کے کلام کا مجموعہ" "صنم خانۂ عشق" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ یہ فقرہ اگر یوں ہوتا تو صحیح تر ہوجاتا کہ ان کے عاشقانہ کلام کا دوسرا مجموعہ "صنم خانۂ عشق" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

والسلام

دعاگو عبدالماجد

(۱) مراد ڈرامہ "مرقع لیلیٰ و مجنوں"، مصنفہ مرزا محمد ہادی

مکتوب بنام جناب ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی ردولوی صدر شعبہ ڈھاکہ یونیورسٹی

دریاباد

۱۸ اپریل سنہ ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہ! السّلام علیکم

"صہبائے مینائی"، کل موصول ہوئی۔ انشاءاللہ اسے وقت نکال کر پڑھوں گا اور ضرور پڑھوں گا، لیکن "آفتاب" کی یہ شاید پہلی شعاع ہے جو "گلہائے داغ" کے بعد اس

"ذرہ" کے نصیب میں آئی۔ "شبلی" کی زیارت کو تو آج تک آنکھیں ترستی ہیں۔

"لسان العصر" کا اشتہار دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) ڈاکٹر صاحب موصوف اب کراچی یونیورسٹی میں صدر شعبۂ اردو ہیں۔
(۲) مکتوب الیہ کی کتاب مولانا شبلی پر۔

مکتوب بنام احمد جمال پاشا، سب ایڈیٹر قومی آواز، لکھنؤ

مکتوب الیہ نے حسب ذیل سوالات کئے تھے ان کے جوابات مکتوب ذیل میں ہیں ـــــ

دریاباد

۲۶ اپریل ۱۹۵۹ء بسم اللہ

سوال	جواب
(۱) آپ کے خیال میں انشائیہ کی وہ کیا خصوصیات ہیں جو اسے تمام ادبی مضامین سے الگ کرتی ہیں؟	(۱) انشائیہ کی امتیازی خصوصیت حسن انشا یہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ انشائیہ وہ ہے جس میں بجائے مغز اور مضمون کے اصل توجہ حسن اور مہارت پر ہو۔
(۲) سرسید، شبلی، آزاد، حالی میں کسے آپ انشائیہ نگار کی حیثیت سے زیادہ پسند کرتے ہیں؟	(۲) ان چاروں میں انشائیہ نگار صرف آزاد تھے۔ باقی تینوں اپنی اپنی جگہ اچھے لکھنے والے

اور ماہر فن ادیب تھے لیکن انشا پردازی ان میں سے کسی کی مقصود اصلی نہ تھی ۔

(۳) مہدی افادی کی انشائیہ نگاری کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے

(۳) وقت اور ماحول و معیار کے لحاظ سے اچھے انشا پرداز تھے ۔ عمر کم پائی۔ کچھ اور زندہ رہ جاتے تو کہیں بہتر نکلتے

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام صدر مجلس استقبالیہ اردو کانفرنس کرم جاہی روڈ، حیدرآباد دکن

دریاباد

۸ر جون ۱۹۵۹ء   بسم اللہ

کرم گسترا!   وعلیکم السلام

اردو کانفرنس میں تقریریں تو بہت ہو چکیں ۔ اپنی کانفرنس میں سب سے زیادہ زور عملی پہلو پر رکھئے ۔ اردو کا سکہ کہیں نہ کہیں چلا کر رکھئے ۔ مثلاً یہ کہ اسکولوں اور کالجوں میں اردو چل جائے جیسے کہ پہلے چلی ہوئی تھی ۔ یا ریل کے ٹکٹ پر ۔ ڈاک کے ٹکٹ پر ۔ بینکوں پر ۔ کرنسی نوٹوں پر ۔ دفتروں کچہریوں کی تختیوں پر اردو حروف از سر نو نظر آنے لگیں ۔

کانفرنس کی اصل کامیابی کا معیار انھیں عملی پہلوؤں کو رکھئے ۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب صدر انجمن ترقی اردو کراچی،

دریاباد

۲۲ جون ۱۹۵۹ء بسم اللہ

حضرت والا! السلام علیکم

تازہ "اردو" پیش نظر ہے۔ مقالہ فاضلانہ "مقدمہ جدید اردو لغت"، کا کیا کہنا مقالہ نگار کی شان علم و مرتبہ تحقیق کے مطابق۔

اجازت ہو تو دو ایک معروضات اپنی بساط کے مطابق پیش کردوں۔

(۱) نفائس اللغات ہی کے طرز پر ایک اور لغت لکھنؤ میں تصنیف ہوا تھا، امجد علی شاہ کے زمانہ میں نام "النفس النفائس"، مصنف میر حسن لکھنوی سال تصنیف و طبع ۱۲۶۳ھ ہجری ضخامت ۲۴۴ صفحہ مطبوعہ میر حسن رضوی ہر صفحہ دو کالمی۔ ہر کالم میں تین خانے۔ پہلا ہندی بہ معنی اردو لفظ کے، دوسرا فارسی اور تیسرا عربی کا۔

(۲) جلال لکھنوی کی سرمایہ زبان اردو ۱۳۰۱ھ ہجری۔ سید احمد دہلوی کی لغات النساء ۱۹۱۷ء خواجہ عبد الرؤف عشرت لکھنوی کی لغات اردو چار جلدوں میں ۱۹۲۲ء/۱۹۲۳ء اور خود انجمن ترقی اردو کی شائع کی ہوئی فرہنگ اصطلاحات پیشہ وران قابل ذکر و قابل توجہ کتابیں ہیں۔

(۳) انجمن ہی کی شائع کی ہوئی قدیم فرہنگ مصطلحات اور جدید اصلاحات جغرافیہ و فرہنگ اصطلاحات علم ہیئت سب ہی اہل لغت کے لیے ایک قیمتی مصدر و ماخذ کا کام دے سکتی ہیں۔

(۴) نیر لکھنوی کی بازاری زبان و اصطلاحات پیشہ وران ۴۰ صفحہ مطبوعہ کانپور ۱۹۳۰ء

بھی اہل لغت کے لیے کارآمد ہے اور اسی طرح میرؔ کی محاورات ہندی بھی۔

(۵) مہذب اللغات بجائے خود اچھی کتاب ہے، البتہ اس کی دو باتیں بڑی تکلیف دہ ہیں ایک ہندی کی بھرمار اور دوسرے اس کا مناظرانہ و تفوقانہ لب و لہجہ۔

خدا آپ کی عمر و صحت میں برکت دے، آپ کی نگرانی میں کتاب، ان شاء اللہ قابل دید ہوگی۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مراد رسالہ "اردو" کراچی ہے۔

مکتوب بنام مولانا جمال الدین عبدالوہاب صاحب فرنگی محلی ثم پاکستانی

موصوف نے مولانا مرحوم کو بہت نفیس کھدر کا کرتا، پاجامہ بھیجا تھا جو ان کو راجہ صاحب محمود آباد مشہور مسلم لیگی لیڈر نے دیا تھا اس کے شکریہ میں ذیل کا خط لکھا۔

دریاباد

۲۵ر جولائی ۱۹۵۹ء بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السّلام علیکم

وہ خرقہ کل جمعہ کے وقت پہنا — ماشاء اللہ و سبحان اللہ

اتنا ہلکا، اتنا لطیف، اتنا نفیس کہ جسم معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ملبوس ہے بھی!

حلّۂ بہشتی کا نمونہ — جمال کا کمال!

اخلاص کا قائل پہلے ہی سے تھا کرامت کا معتقد اب ہونا پڑا۔ جزاک اللہ و بارک اللہ

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا موصوف اس زمانہ میں تقریباً ہر سال پاکستان سے لکھنؤ آیا کرتے تھے مولانا مرحوم کو جب ان کی لکھنؤ آمد کی اطلاع ہوتی تھی تو دریاباد سے خاص طور سے ملنے آتے تھے اور جمال میاں صاحب بھی خاص اخلاص وعقیدت سے ملا کرتے تھے اور بعد میں جمال میاں کی آمد دونوں ممالک کی خرابی تعلقات کی وجہ سے تقریباً بند ہو گئی۔

مکتوب بنام ایڈیٹر "ہماری زبان" علی گڑھ

دریاباد

۲۷ر جولائی ۱۹۵۹ء بسم اللہ

مکرم گستر! السلام علیکم

"ہماری زبان" ۲۲ر جولائی ۱۹۵۹ء پیش نظر ہے۔ کتاب کا سر ورق حسب ذیل ہے ضلع جگت ۱۳۲۳ھ مصنفہ عالی جناب معلی القاب راجہ رایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کے سی آئی ایس یمین السلطنت پیش کار وزیر اعظم دولت آصفیہ المتخلص بہ شاد۔ تلمیذ حضرت آصف خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ درمطبع اختر دکن طبع شد۔

۱۳۲۳ھ مطابق سنہ ۱۹۰۵ء/۱۹۰۶ء کے پڑتا ہے۔ حجم ۱۸×۲۲ سائز پر ۳۰۵ صفحہ دوکالمی ہے۔ مہاراجہ شاد اس فن کے مانے ہوئے استاد تھے۔ اصلاً جلیل جانشین امیر کی تصنیف ہے لفظ جگت، پیرزا شوق لکھنوی کا ایک شعر رسالہ کے دیباچہ سے آپ کے صفحات میں نقل ہو چکا ہے۔ دوسرا شعر بھی ان ہی شوق لکھنوی کا سن لیجئے۔

میرے پیچھے اس طرح نہ پڑیئے اور جا کر کہیں جگت لڑیئے

رسالہ کے خاتمہ پر اپنے نسخہ میں چند فقرے اس خاکسار نے بھی اضافہ کر دیئے ہیں مثلاً تیر و کمان کے ضلع میں "میری خطا نہیں۔ کتیر البلاد۔ سوامی رام تیرتھ بڑے شخص تھے عبارت قوسین میں چند لکھیے۔ درد زہ میں تکلیف ہوتی ہے۔ نان خطائی کھائیے وغیرہ۔

میرے نسخہ پر بہ کثرت حاشیے ایک باکمال لکھنوی نے قلم اور پنسل سے لکھ دیئے ہیں لکھنؤ میں اب بھی دو ایک اس فن کے استاد موجود ہیں۔

ہمارے بزرگوں میں مولانا سید سلیمان ندوی باوجود اپنی ساری ثقاہت و متانت کے اس فن میں طاق تھے اور نام لینا اگر بالکل ہی بے ادبی میں داخل نہ ہو تو اب کیا عرض کردوں کہ ہمارے اور ان کے شیخ طریقت مولانا تھانوی بھی مناسبت لفظی کے بادشاہ تھے۔

والسّلام

عبد الماجد

(۱) یہ مختصر مضمون مہاراجہ کشن پرشاد کے رسالہ فن جگت کے تعارف کے سلسلہ میں ہے۔

مکتوب بنام حمید نظامی صاحب ایڈیٹر نوائے وقت لاہور

دریاباد۔

۷ جنوری ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

برادرم! السّلام و رحمۃ اللہ

اس خط کے حامل ماسٹر عزیز الٰہی بی اے جنہیں ہم لوگ اپنی صحبتوں میں یاد الٰہی کے نام سے یاد کرتے ہیں، میرے مخلص خصوصی ہیں اور اس وقت سفیر ندوہ کی حیثیت سے لاہور میں مقیم ہیں۔

ان کے خط سے معلوم ہوا کہ وہاں کام جو کچھ آپ ہی کی معاونت و توجہ سے سرزد ہو سکتا ہے مجھے ذاتی طور پر اس سے بڑی غیرت آتی ہے کہ لکھنؤ لاہور کے آگے دست احتیاج پھیلائے لیکن ارباب ندوہ اخوت دینی کے نشہ میں سرشار جغرافیائی و سیاسی سرحدوں کے قائل نہیں

خیر مذاکرے اس تعارف نامہ کے بعد سفارت ندوہ میں کامیاب لوٹے اور نوائے وقت" "نوائے ملت" ثابت ہو۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام صدق جائسی رائے بریلی

دریاباد

بسم اللہ ۱۳ر جنوری ۱۹۶۰ء

تازہ قسط ساقی[1] میں پڑھ کر۔

"طلاق" لکھنؤ کی عام زبان میں تو (جیسا آپ نے لکھا) مونث ہی ہے لیکن مرزا محمد ہادی رسوا فرماتے تھے کہ میری زبان پر تو مذکر ہے اور سند میں اس ضرب المثل کو پیش کرتے تھے کہ جمعہ کا نکاح اور ہفتہ کا طلاق۔ نور اللغات میں ایک شعر بھی دبیر کا خلاف جمہور درج کیا ہے۔ دوسرا مصرعہ ہے۔

دنیا کو طلاق اپنے بزرگوں نے دیا ہے

ناظم[2] رامپوری کی وہ مشہور غزل عجب نہیں کہ غالب کی ہو تخیل و زبان دونوں پر رنگ غالب ہی غالب ہے۔ مولانا شبلی فرماتے تھے کہ کلام ناظم کا خاصہ غالب ہی کا کہا ہوا ہے تضمین بھی غزل ہی کی فکر ہے۔

والسلام

عبدالماجد

[1] مراد وہ قسطیں ہیں جو پرنس معظم جاہ جونیئر پرنس حیدرآباد کے درباری حالات کے بارے میں ساقی، کراچی میں شائع ہو رہی تھیں اور جنھیں مولانا مرحوم بڑی دلچسپی سے پڑھتے

تھے ان ہی قسطوں کو "دربار دُربار" کے نام سے حصّہ اول کی صورت میں لکھنؤ سے پروفیسر مسعود حسن رضوی صاحب نے شائع کیا اور دوسرا حصّہ پاکستان سے شائع ہوا۔

ع۲ مراد نواب صاحب یوسف علی خاں والیٔ رام پور۔

بنام شاہد احمد سب ایڈیٹر ماہ نامہ ساقی کراچی[۱]

دریاباد

۱۷ر جولائی ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

برادرم!

وعلیکم السلام

یہ کیا غضب ہوا کہ وہ نشریہ آپ ہی تک نہ پہونچا! کوئی سنتا نہ سنتا ایک آپ ہی تو سن لیتے۔ داغ نے تو آرزو کی تھی۔

میری فریاد دوسرا نہ سنے
تم سنو اے بتو خدا نہ سنے

(اور دوسرے مصرع کی گستاخی اللہ معاف کرے) یہاں اس کے بالکل الٹا ہوا چھاپتے میں وہ بات آدھی بھی نہیں رہ سکتی۔ اس کا تعلق سننے سے تھا پڑھنے سے نہیں میں ٹاک سنانے کے لئے تیار کرتا ہوں بہ طور مقالہ یا مضمون پڑھنے کے لیے نہیں

خیراب تو جو ہونا تھا ہو چکا سوچ رہا ہوں کہ صاف کرو اکے وہاں کی کسی رسالہ کے حوالہ کر دوں۔

اتفاق سے تازہ ساقی ابھی ابھی ملا۔ ہر مضمون اور ہر رسالہ پڑھنے کی ہمت کہاں سے لاسکتا ہوں لیکن ساقی ان چند رسالوں میں سے جس پر ایک نظر ضرور ڈال لیتا ہوں۔ گستاخی معاف ہو تو اپنے سن کی بڑائی سے فائدہ اٹھا کر کچھ عرض کر دینا چاہتا ہوں

(۱) فسانہ آزاد پر مضمون بہ حیثیت مجموعی بہت اچھا ہے قابل داد ہے لیکن احکام کے

بجائے یہ" احکامات "کیا؟ اور محل مدح پر خامہ فرسائی کیسی؟ اس طرح "کو" کا استعمال ایسے فقروں میں کہ دل کو ہلایا۔ ایڈیٹر کو ذہنی مروت زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔

(۲) جوش اپنے فن کے اُستاد سہی اور زبان کے ماہر لیکن لغزش استادوں اور ماہروں سے بھی ہو جاتی ہے پہلی رباعی کے پہلے مصرع میں "گویا" کا محل استعمال سمجھ میں نہ آیا۔

(۳) صفحہ ۳۱ کے متعدد مصرعے میری فہم سے بالاتر نکلے اور پھر مصرعہ ثانی میں تو ایک کھلا ہوا کرشمہ ایڈیٹری مروت کا ہے۔ کسی شعر میں کوئی بات قابل داد نہ معلوم ہوئی۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) ڈپٹی نذیر احمد کی مشہور و معروف تصنیف توبۃ النصوح پر مولانا مرحوم کی ۴ر جولائی ۱۹۵۶ء کو لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے ٹاک نشر ہوئی تھی اس کو سننے کے لیے مولانا مرحوم نے مکتوب الیہ کو جو ڈپٹی صاحب کے پوتے تھے لکھا تھا ان کا جواب آیا کہ افسوس ہے کہ ان کے سیٹ پر لکھنؤ اسٹیشن صاف نہیں آیا جس کی وجہ سے وہ تقریر نہ سن سکے۔

(۲) مولانا مرحوم کی غیرت ایمانی اور خشیت الٰہی کا نمونہ (۳) مولانا کے نشریوں یا ٹاک کی امتیازی خصوصیت تھی کہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ بے تکلف بات چیت کر رہے ہیں نہ کہ کسی قسم کا مقالہ پڑھ رہے ہیں (۴) یہاں سے مراد ہندوستان (۵) وہاں سے مراد پاکستان (۶) مولانا کو صحت زبان کا بہت خیال رہتا تھا یہ گرفت اسی نقطۂ نظر سے ہے (۷) مراد جوش ملیح آبادی۔

مکتوب بنام خلیل الرحمن اعظمی

لکچرر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی، بسم اللہ محل علی گڑھ

دریاباد

۲۵ مارچ ۱۹۵۷ء بسم اللہ

"بسم اللہ محل" سے خط "بسم اللہ کے گنبد" میں پہونچا۔

یہ تبصرہ دفتر سے ناشر کے نام اسی وقت روانہ کر دیا جا چکا ہے، اب اس وقت دفتر لکھے بھیجتا ہوں کہ ایک تراشہ آپ کو بھی بھیج دیا جائے۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ اس وقت شعبہ اردو میں لکچرر تھے بعد میں ریڈر ہو گئے تھے ان کا انتقال یکم جون ۱۹۷۸ء کو ہوا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ میری کتاب پر صدق کے جس پرچے میں تبصرہ نکلے بھجوا دیا جائے۔

بنام احمد جمال پاشا صاحب ایڈیٹر اودھ پنچ لکھنؤ

مکتوب الیہ نے اودھ پنچ کے لیے پیام مانگا تھا۔

دریاباد

۱۴ اگست ۱۹۵۹ء بسم اللہ

پیام

آپ کا پرچہ اگر تصوف کی تبلیغ کرنے والا ہوتا تو بس مثنوی کے دفتر سوم کا پہلا شعر اس کے لئے کافی تھا۔

اے ضیاالحق حسام الدین بہار — دفتر سولکہ نیست شد سے بار

لیکن آپ کی راہ دوسری ہے۔ اس لیے اس شعر کا کوئی محل نہیں۔

اردو پنج نے اپنے دور اول میں زبان و ادب کی بڑی خدمت کی ہے اس کا اعتراف و احترام ہم سب پر واجب ہے اور اس کی پیروی ہم سب کے لیے قابل فخر۔ لیکن دور اول و دوم کی خدمتوں کے ساتھ بدقسمتی سے اس کی بدخدمتی کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ سرسید حالی، شرر اور اقبال کی اندھا دھند مخالفت کو کوئی کیسے بھلادے۔

خدا کرے آپ کانٹوں سے بچ کر پھول ہی پھول کھلاتے رہیں۔ اور اردو کو گل و گلزار بنا کر دم لیں۔

عبدالماجد

مکتوب بنام جناب غلام رسول مہر[1] صاحب ماڈل ٹاؤن لاہور

دریاباد

۱۰ ستمبر ۱۹۵۹ء — بسم اللہ

کرم گسترا! السلام علیکم

"نقش آزاد"[2] کے تبصرے اور تذکرے فلاں اور فلاں پرچے میں دیکھ کر صدق کی زبان سے ع

ہم سے پردہ رہا غیروں سے ملاقات رہی

والسلام، دعاگو، دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مشہور صحافی و ادیب، مولانا مرحوم کے خصوصی عقیدت مند۔

(۲) مہر صاحب کی تصنیف ہے۔

مکتوب بنام ایم۔ اے فاطمی صاحب

صدر اردو فارسی سوسائٹی لکھنؤ یونیورسٹی

مکتوب الیہ نے ایک پیام سوسائٹی کے لیے مانگا تھا۔

دریاباد

۲۲ ستمبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

پیام

اردو کی خدمت تو ہر دور میں واجب تھی اب واجب تر ہو گئی ہے اور پھر لکھنؤ کے طلبہ کے لیے تو یہ فرض عین کا درجہ رکھتی ہے۔

ضرور کام کیجیے اور پورے عزم کے ساتھ ٹھوس خدمات کی طرف متوجہ ہو جائیے محض کاغذی کارروائیوں سے کام نہ چلے گا۔

نوائے طلبا کا صحیح املا نوائے طلبہ ہے۔

اسکولوں اور کالجوں میں اردو طلبہ کا داخلہ اگر اپنا مقصد عمل بنالیجیے تو ایک بڑا کام ہو جائے میں خود بھی کیننگ کالج[1] کا گریجویٹ ہوں اس زمانہ میں اردو داخل نصاب تھی۔

والسلام

عبدالماجد

[1] ۱۹۲۳ء میں اسی کالج کو لکھنؤ یونیورسٹی کے نام سے یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا۔

مکتوب بنام جوشؔ ملیح آبادی

بذریعہ مولوی عبدالحق صاحب انجمن ترقی اردو، کراچی

دریاباد
۲۷ ستمبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

کیا بتاؤں کتنی مسرت "قومی زبان" میں ترک بادہ نوشی[1] کی خبر پڑھ کر ہوئی
مخلصانہ مبارکباد صدق دل سے پیش ہے۔

ایسی شئے جو مزیل عقل ہو ہر گز کسی صاحب فہم و ادراک کے شایان شان نہیں ہے
اب دوسری خوشخبری سننے کے لیے بھی مشتاق و منتظر ہی نہیں دعا گو ہوں۔ آپ کی شرافت
پر مجھے ہمیشہ اعتماد رہا ہے اور میرا وجدان یقین کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ جس قلم سے وہ زبردست
ولولہ انگیز و وجد آفریں نعت[2] نکل چکی ہے۔

ناممکن ہے کہ وہ اپنے مالک دمولی کے حضور میں منکر و مکذب. باغی و طاغی کی حیثیت
سے حاضری دے۔

وہ سعدیؔ، حافظؔ، جامیؔ، خسروؔ، ڈاکٹر اقبالؔ و حسرتؔ ہی کی صف میں محشور ہوگا۔

پتہ معلوم نہ تھا خدا کرے اس پتے سے پہونچ جائے۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

[1] یہ خبر افسوس ہے کہ غلط نکلی۔
[2] جوشؔ صاحب نے دور الحاد سے پہلے ایک زبردست نعت کہی تھی۔ اور مولانا مرحوم کو سنائی تھی۔

مکتوب بنام شورش کاشمیری ایڈیٹر چٹان میکلوڈ روڈ لاہور

شورش صاحب نے رئیس احمد جعفری کی تازہ کتاب آزادیٔ ہند پر اس کے خلاف تبصرہ لکھا تھا اس میں مولانا مرحوم کا بھی ذکر کیا تھا یہ خط اسی کے متعلق ہے۔

دریاباد

۱۳ / اکتوبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

کیوں حضرت یہ کیا می نماید کجائی زند کی مشق اپنے اس نیازمند پر۔ میں تو "آزادیٔ ہند" کی شکل تک دیکھنے کا گنہ گار نہیں پھر گرم گرم بحث کی لپیٹ میں میرا ذکر خیر کیسا میں اس کا محل سمجھ سکا نہ مجمل۔

بای ذنب قتلت

ظاہر ہے کہ چٹان ۱۴/ ستمبر ہشت کے وسط کا ہے۔

منیجر صدق حکیم عبدالقوی سلمہٗ ابھی کھڑی سواری لاہور گئے تھے آپ کے ہاں بھی حاضر ہوئے تھے اتفاق سے آپ موجود نہ ملے۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

ے۱ جعفری صاحب مشہور صحافی مولانا مرحوم کے مخصوص ارادت مندوں اور مخلصوں میں سے تھے۔ خالص مسلم لیگی اور پاکستانی نقطہ نگاہ سے مولانا آزاد مرحوم کی مشہور و معروف انگریزی کتاب INDIA WINS FREEDOM کی تردید میں ایک کتاب "آزادیٔ ہند" کے نام سے لکھی۔

مکتوب بنام خفائی صاحب بذریعہ ایڈیٹر ہماری زبان علی گڑھ

دریاباد

۱۷/اکتوبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

کرم گستر!

السّلام علیکم

آپ "خفائی" ہوں یا شدتِ ظہور سے "ظہوری"، بہرحال اردو پر لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ مدت کے بعد اردو کے حق میں اتنا گہرا، پرمغز اور حقیقت پسندانہ مضمون دیکھنے میں آیا اور قلم بے ساختہ داد دینے پر مجبور ہو گیا۔

آپ شاگرد "رشید" جس کسی کے بھی ہوں ہیں ماشاء اللہ اپنے فن میں استاد ہیں۔

والسّلام

عبدالماجد

مکتوبِ بنام محمد ثانی حسنی صاحب ایڈیٹر ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ

انہوں نے "رضوان" کے "خاتون" نمبر کے لیے پیام مانگا تھا۔

دریاباد

۱۸/اکتوبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

عزیزم!

علیکم السّلام

آپ کے "رضوان" کا کیا کہنا۔ کاغذ کے صفحات پر روضہ رضوان کا نقشہ، بیویوں، بچیوں کو رضوانا من اللہ۔ کی بشارت پہونچانے والا۔

اتنے ناموافق حالات ایسے ناسا عد حال میں دین توحید اور اسلامی معیشت و معاشرت کی نمائندگی کرتے رہنا آپ ہی کی ہمت کا حصہ ہے۔ ورنہ جو احساس صحیح رکھتے ہیں انھیں

بھی دم مارنے کا یارا اور زبان کھولنے کا حوصلہ کہاں اور خود یہ احساس ہی کتنوں کو ہے سب کے سب آپ ہی دجالیت کے سیلاب عظیم میں بہتے چلے جا رہے ہیں۔ خیر انجام جو کچھ بھی ہو بس اپنا کام کئے چلے جائیے۔

من طریق سعی می آدم بجالیس للانسان الا ما سعیٰ

والسلام دعاگو
عبدالماجد

مکتوب بنام سید ہاشمی فرید آبادی
سکریٹری عبدالحق جوبلی کمیٹی کراچی

مکتوب الیہ نے بابائے اردو جوبلی کے لیے پیام مانگا تھا۔

دریاباد
۱۵ر دسمبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

پیام

بابائے اردو کی خدمات زبان و ادب پر کچھ لکھنا لکھانا ۔
سورج کو چراغ ہے دکھانا

جو چیز خود ہی آفتاب کی طرح روشن ہو اس پر کوئی روشنی کہاں سے لا کر ڈالے گا۔ یہ عظیم الشان تناور درخت جس کا نام انجمن ترقی اردو ہے اور جس کی شاخیں ہندوستان و پاکستان دونوں مملکتوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ خوب یاد ہے کہ ایک زمانہ میں کچھ بھی نہ تھا اور یہ سارا فیض ایک ہی ذات کی ان تھک آبیاری کا ہے۔ یہ انجمن ابتداً محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے صرف ایک شعبہ کی حیثیت سے شعبۂ علمیہ کا نام رکھتی تھی۔ غالباً ۱۹۰۳ء میں قائم ہوا تھا پھر ۱۹۱۱ء میں مولوی عزیز مرزا مرحوم کی وفات سے بالکل مردہ ہو گیا تھا ۱۹۱۲ء میں

صاحب زادہ آفتاب احمد خاں مرحوم کی مردم شناس نگاہ نے اس کا سکتر مولوی عبدالحق صاحب کو منتخب کیا اور اسی گھڑی سے قالب بے جان میں جان پڑ گئی بلکہ قالب تک نیا ہو گیا۔ موصوف حیدر آباد، اورنگ آباد، دہلی جہاں کہیں بھی رہے ہوں بس وہی اردو تحریک کا مرکز بن گیا اور اب قیام کراچی کے وقت سے جو کچھ کر رہے ہیں سب پر روشن اور آشکارا ہے۔ انجمن کو ایک مستقل قائم بالذات خود مختار ادارہ کس کی مسیحا نفسی نے بنایا۔ سیاسی، علمی، لسانی ہر محاذ پر یہی اردو کے لئے لڑائیاں لڑے اور شدید مخالف قوتوں کے باوجود میدان پر میدان مار لیے۔

بس ایک دھن ہے خدمت اردو کی جو ان کی زندگی کی رگ رگ میں بسی ہوئی ان کے عقیدے میں عبادت کا درجہ حاصل کئے ہوئے ہے۔

اللہ ان کی عمر میں برکت زیادہ سے زیادہ عطا فرمائے اور ان کی ہمت کو جو جوانوں کو شرمائے ہوئے ہے ہمیشہ جوان ہی رکھے! ان کی سرگرمیاں قابل رشک ہیں اور ان کی بلند ہمتی قابل صد تقلید و ہزار آفریں۔

والسّلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام سیّد مصباح الدین صاحب لکھنؤ

انہوں نے اپنی لڑکی کی شادی میں مولانا مرحوم کو بلایا تھا اس کا حسبِ ذیل جواب گیا۔

دریاباد

۲۹ دسمبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

کرم گستر! السّلام علیکم

"نورِ نظر" کی رخصتی خدا کرے "مصباح" کی نظر میں نور مزید پیدا کرے

اور ذہن کی انجلا دہی والدین کے دل میں سرور اور آنکھوں میں نور کا باعث ہو۔
اللہم الف بینہما کی دعا ہیں سے پڑھے دیتا ہوں۔

دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب روزنامہ رہنمائے دکن حیدرآباد (دکن)

دریاباد

یکم فروری ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

جناب من! السلام علیکم

آپ کے روزنامے میں حال میں ایک صاحب نے لکھا ہے کہ بہن کو ہمشیرہ کہنا از روے لغت غلط ہے۔ لیکن فارسی میں خود ایک قاعدہ آخر میں ہائے زائد بڑھا دینے کا ہے جس کی ایک مثال "بخوابہ" اسے مؤید الفضلاؔ اور غیاث وغیرہ نے درج کیا ہے اسی پر قیاس ہمشیرہ کا کیا جائے اسے اردو اہل لغت نے بے تکلف استعمال کیا ہے۔

ہمشیر۔ ہمشیرہ = بہن (لغات سعیدی ص ۱۱۳)

ہمشیرہ (ف) مؤنث = خواہر۔ بہن (نور اللغات جلد ص ۹۹)

فرہنگ آصفیہ کی جلد ۴ اس وقت سامنے نہیں ہے لیکن جلد اول ص ۴۴۲ پر جہاں لفظ "بہن" درج ہے۔ وہاں اس کے آگے دیا ہے "ماجائی"۔ "ہمشیرہ"۔ اسی طرح اس کی جلد ۲ ص ۲۱۵ میں خواہر کا ایک مترادف ہمشیرہ بھی دیا ہے۔ فارسی لغت بہار عجم میں ایک مستقل لفظ ہمشیرہ انکو دیا ہے اور سند میں ایک شعر بھی لکھا ہے ص ۲۹۲

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب صداقت، حیدرآباد

انہوں نے اپنے پرچہ کے لیے پیام مانگا تھا جو حسب ذیل ہے۔

دریاباد
۵ر فروری ۱۹۶۰ء بسم اللہ
جناب من! وعلیکم السلام

"صداقت" کو جو مناسبت "صدق" سے ہے اس کے بعد صداقت کی داد صدق کے لیے تو کہنا چاہیے کہ خودستائی کے مترادف ہے۔

لیکن اس اتحاد و اشتراک لفظی سے قطع نظر معنوی اعتبار سے بھی مذہبی رنگ کا روزنامہ نکالنا اس دور میں ایک مجاہدہ سے کم نہیں چہ جائیکہ جب وہ صحافتی خصوصیات و لوازم میں اپنے کسی معاصر سے پیچھے نہ ہو۔ سنّو باتوں کی ایک بات یہ کہ وہ ابتک فلمی اشتہارات کی لعنت سے بچا ہوا ہے۔ اللہ اسے ہر طرح ترقی نصیب کرے۔

والسّلام۔ دعاگو
عبدالماجد

مکتوب بنام ڈاکٹر انعام احسن صاحب آئی کلینک، آرام باغ روڈ کراچی

دریاباد
۱۸ر فروری ۱۹۶۰ء بسم اللہ

مارہرہ کا خطّہ یوں بھی مردم خیز ہے۔ احسن مرحوم اس عموم میں ایک مرتبہ خصوصی رکھتے تھے۔

داغؔ کے شاگرد رشید ہی نہیں زبان میں ان کے ہم زبان۔ غزل گوئی کے میدان میں فرد اور ادب کے صاحب نظر استاد۔

ان کا یہ مقطع کبھی کا کان میں پڑا ہوا بھلانے سے بھی نہیں بھولتا ۔

اپنی تصویر کی تقدیر پہ کیوں رشک نہ آئے
وہ منگائی گئی احسنؔ کو بلایا نہ گیا

والسّلام

عبدالماجد

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں صاحب شروانی، علی گڑھ

دریاباد

۲۴ فروری ۱۹۶۰ء بسم اللہ

مخدوم و مقتدا! وعلیکم السّلام

آپ کے اشہبِ قلم نے ضلع کے سبزہ زار میں ماشاء اللہ وہ جولانیاں دکھائی ہیں وہ وہ کلیلیں بھری ہیں وہ وہ کاوے کاٹے ہیں، وہ وہ طرار سے بھرے ہیں کہ میری ہمت تو تقلید کی بن نہیں پڑتی ۔ اس میدان کے غازی مرد تو آپ ہی ٹھہرے ۔ میرا ابلق خامہ اگر دادکی منہ زوری کا حوصلہ کرے تو پہلے ہی قدم پر ٹھوکر کھائے ۔ داغ پر داغ اٹھائے ۔ ایک ہی گردنی میں درست ہو جائے نعل در آتش ہو کر زبان بند کرتا ہوں ۔ قافیہ تنگ ہے ۔ زنہار آگے قدم بڑھانے کی ہمت نہیں کرنا ۔ اللہ آپ کا کارساز ہے ۔

والسّلام

عبدالماجد

مکتوب بنام مولوی حاجی مقتدا خاں صاحب شروانی

بسم اللہ

دریاباد۔

۱۱ر اپریل سنہ ۱۹۶۰ء

کرم گستر! السلام علیکم

نظم نے مولوی نذیر احمد[1] مرحوم کی یاد تازہ کردی۔ وہی رنگت وہی ڈھنگ وہی ساز وہی آہنگ، تیسرے شعر کے پہلے مصرع میں ٹیک کے معًا بعد "لینا" کیا خوب۔ ایک نئی صنعت "ضلع ذولسانین"

والسّلام

عبدالماجد

(۱) اردو کے صاحب طرز انشا پرداز و ادیب شہیر شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلوی

TAKE (۲)

مکتوب بنام ایڈیٹر صداقت، حیدرآباد

مکتوب الیہ نے اپنے اخبار کے بابائے اردو نمبر کے لیے مضمون مانگا تھا جو حسب ذیل ہے۔

دریاباد

۶ر مئی سنہ ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

بابائے اردو

ہمارے مخدوم و مکرم مرزا محمد ہادی مرزا لکھنوی (رسوا نہیں مرزا، رسوا تو انہوں نے بدنامی سے بچنے کے لیے ایک نقاب ناول نویسی کے لیے تیار کرلیا تھا ورنہ شاعری کی دنیا میں محض مرزا تھے) شعر بڑے مزے کے کہتے تھے ان کی ایک غزل کا شعر ہے ؎

ہو کوئی حوروں پہ فدا کوئی بتوں پہ شہید
ڈھونڈھ ہی لیتا ہے انسان خدا ایک نہ ایک

سو ہمارے بزرگ بابائے اردو نے اپنا خدا اردو ڈھونڈھ نکالا ہے۔ وہی ان کا مرجع، وہی ان کا ملجا، وہی ان کا مقصود، وہی ان کا مسجود، وہی ان کی عبادت وہی ان کی ریاضت وہی ان کا معبد، وہی ان کا مصلیٰ۔ نہ بیوی نہ بچے۔ ساری خانگی الفتوں دلچسپیوں کا وہی ایک مرکز و محور۔ ۱۹۱۲ء سے جب انجمن ترقی اردو اس کس مپرسی میں پڑی ہوئی ان کے حوالے ہوئی ہے بس دیکھئے کیسی نکھر گئی ہے۔

اورنگ آباد ہو کہ حیدر آباد، دہلی ہو کہ کراچی۔ جہاں کہیں بھی رہے سوتے جاگتے بس ایک دھن ان پر سوار۔ جوان سے ادھیڑ ہوئے اور ادھیڑ سے بوڑھے اسی ایک عشق میں۔ عجب نہیں کہ جب کبھی گنگناتے ہیں تو اپنے اسی محبوب کو مخاطب کرکے۔

اے تو افلاطون و جالینوس ما

دولت لٹائی تو اسی کی خاطر دست گدائی پھیلایا تو اسی کے لیے۔ آج اس سے لڑے کل اس سے ملے۔ سب اسی پر جفا و پر وفا کے لیے۔ اتنے مجاہدے دین و مذہب کی خاطر کرتے تو عجب کیا کہ جنیدؒ و بایزیدؒ کی صف میں شمار ہوتے۔

آندھیاں اٹھیں اور گزر گئیں۔ انقلاب آئے اور ختم ہو گئے، وہ بدستور اسی بساط اردو سے چمٹے ہوئے۔

ان کے کارناموں کو گنانا، ان کی تفصیل لکھنا دوسروں کا کام ہے۔ یہاں تو داد محض ان کی استقامت بلکہ کرامت کی دینا ہے۔ جس کسی نے انھیں بابائے اردو کہا بہت خوب کہا۔ کچھ خیال ایسا پڑتا ہے سب سے پہلے شاید میر نیرنگ مرحوم کی زبان سے نکلا تھا یا شاید اس کے موجد خواجہ حسن نظامی ہوں۔

اللہ ان کی عمر و توانائی میں زیادہ سے زیادہ برکت دے اور خدمت اردو

کے لیے ان کی جسمانی اور دماغی قوتوں کو سدا جوان رکھے۔

عبدالماجد

۱؎ انبالہ کے مشہور مسلم لیڈر اور وکیل میر غلام بھیک نیرنگ مرحوم جو تبلیغ اسلام کے لیے خاص طور سے ساعی رہتے تھے۔

مکتوب بنام مولانا صبغت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی لکھنؤ

دریاباد
۱۸ر جولائی ۱۹۶۰ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

ضلع کے اس پورے ملیح آباد کا جواب میرے قلم کی دسترس سے باہر ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

۱؎ مولانا شہید نے اپنے خط میں آموں کا ذکر خالص لکھنوی زبان میں رعایت لفظی کی مناسبتوں کے ساتھ کیا تھا۔

مکتوب بنام ظفر الحسن صاحب نشاط، نشاط فارمیسی مئوناتھ بھنجن اعظم گڈھ

مکتوب الیہ نے بعض الفاظ کے بارے میں پوچھا تھا۔ مکتوب ذیل اسی کا جواب ہے

دریاباد
۲ر ستمبر ۱۹۶۰ء بسم اللہ

وعلیکم السلام

"سشریف زادہ" شریف کی اولاد کے معنی میں صحیح ہے۔ مجازاً "شریف لڑکا" پر بھی اطلاق ہوسکتا ہے۔ (۲) "تقریب" خوشی کا موقع اور ملکا جشن کو شامل ہے۔ (۳) "بلاشرط خدمت" نوکری کی پابندی کے معنی میں صحیح ہے۔ وظیفہ (بہ اصطلاح حیدرآباد) یا پنشن کے معنی لیے جاسکتے ہیں۔ "تعمیر شدہ" صحیح ہے۔ "تعمیر کردہ" بھی ترکیب اضافی میں صحیح ہوسکتا ہے۔ مثلاً تعمیر کردۂ فلاں۔

والسلام
عبدالماجد

مکتوب بنام ڈاکٹر رام کرشن راؤ، گورنر اترپردیش

دریاباد
۱۲ ستمبر ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

والا مناقب!

غالب اگرچہ فرما گئے ہیں ؎

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے
یار کا دروازہ پاویں گر کھلا

لیکن بزرگوں سے یہ بھی سننے میں آیا ہے ؎

بلبل زادب پا نہ نہد در صف گلزار
تا بہ گل بہ طلب گاری او لب نہ کشاید

میرے حقیقی بھائی پنشنر ڈپٹی کلکٹر دلکھنؤ میں رہتے ہیں۔ گورنمنٹ ہاؤس کی کسی تازہ پارٹی میں باریابی ان کی بھی ہوئی تھی۔ اس ہفتہ دریاباد آئے تو محترم میزبان کے لطف و کرم کے گن گاتے ہوئے انھیں کی زبانی معلوم ہوا کہ اس موقع پر یاد فرمائی اس گمنام گوشہ نشین

کی بھی ہوئی تھی ۔ آگے حد ادب

نیاز کیش

عبدالماجد

مکتوب بنام ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی ایم اے، پی ایچ ڈی
صدر شعبۂ اردو ڈھاکہ یونیورسٹی

دریاباد ــــــ

۱۰ر نومبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

عزیز مکرم! وعلیکم السلام

"مہر نیمروز"، نومبر نمبر اس ذرہ بے مقدار کی نظر سے بھی گزرا۔ پورا پڑھنے کی فرصت کہاں پھر بھی ایک نظر "ایک شعر" پر تو کر ہی گیا۔ خوب خوب گاؤ زوربان، موافقت و مخالفت دونوں میں دیکھیں۔ ناگاہ نگاہ ص۲۱ کے وسط پر پہونچ کر رک گئی گویا من وعن اپنی تحریر سامنے تھی۔ وہی تشبیب وہی گریز!

نظر جم گئی ایک ایک لفظ رک رک کر پڑھا عقل نے لاحول پڑھی کہ بھلا یہ بھی کوئی پہلو داد تحسین کا ہے۔

دل اندر ہی اندر کھل گیا کہ بری یا بھلی اپنی چیز اپنی ہی ہوتی ہے۔ اور اپنی چیز سے خوش کون نہیں ہوتا ــــــ

دعا گو

عبدالماجد

مکتوب ناظم صاحب انجمن اردو پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

دریاباد ——

۲۹ دسمبر ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

پیام [1]

اکبر کی عزت کرنا خود اپنی عزت بڑھانا ہے ع مادح خورشید مداح خود است دل خوش ہوا کہ آپ نے اکبر شناسی کا ثبوت دے کر اپنے عرفان نفس کے بھی مدارج طے کر لیے۔ اکبر کا پیام صحیح، لطیف، ذوق ادب کے ساتھ اسلام اور اسلامیت کے پیام کے سوا کچھ نہیں۔ مآل سخن و حاصل کلام کے لحاظ سے اکبر و اقبال بالکل ہم زبان ہیں گو راستے دونوں کے الگ الگ ہیں۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) یوم اکبر کے لیے پیام بھیجا گیا تھا۔

پیام بنام ایڈیٹر صاحب مسیحا بمبئی

دریاباد ——

۶ رجنوری ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

آپ کا مسیحا اپنے اوپر حق شاید صرف طبیبوں اور تندرستوں کا نہیں بلکہ ناتواں اور مریضوں کا بھی سمجھتا ہے جب ہی تو اس نے یوم جمہوریت کے موقع پر ایک زار اور ناتوں کو بھی یاد فرمالیا۔

جمہوریت کی جدوجہد میں ایک بڑا حصہ طبیب اعظم اجمل خاں کا تو تھا ہی باقی چھوٹے

بڑے اور بہت سے طبیب بھی اس کے لشکریوں میں رہے ہیں۔
مسیحا کا ایک کام قتل دجال بھی ہے۔ خدا کرے "جمہوریت" فی الواقع "جمہوریت" بن جائے اور جتنے دجالان وقت اس راہ میں حائل ہوئے ہیں سب کا قلع قمع ہو کر رہے۔

والسلام
عبدالماجد

پیام بنام انوار ظہوری صاحب، ایڈیٹر ماہ نامہ نیا راہی
۱۱۲ بہادر شاہ مارکیٹ کراچی۔

دریاباد ــــــ
۲۱ جنوری ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

پیام

" سلیمان نمبر کے لیے سلیمان کے شایان شان یہ "مور ضعیف" "پر و بال" کہاں سے لائے۔ مرحوم سے اس نیاز مند کے تعلقات، ۴۰، ۴۵ برس تک رہے، گھرے بے تکلفانہ، عزیزانہ، طالب علمی سے لے کر سن کہولت تک، عمر کے ہر دور میں، شروع شروع میں ایک حد تک حریفانہ۔ معارضانہ، اخلاص نے ساتھ ہر دور میں دیا۔
اتنے طویل تجربے اور ساتھ میں ایسا شریف، ایسا متین، ایسا سنجیدہ کم تر ہی کوئی نظر آیا۔ صحیح معنی میں طالب علم ساری عمر رہے۔ علم کے پتلے کتاب کے کیڑے۔ علم و تحقیق کا ذوق، ہر دوسرے ذوق پر غالب۔ سیرت نبوی سے عشق ساری عمر رہا اور آخر عمر میں فنا فی الشیخ ہو کر رہ گئے تھے۔ ایک پیکر تواضع و خشوع علمی معاملات میں اپنے چھوٹے سے بھی اپنے کو چھوٹا سمجھنے والے۔

والسلام
عبدالماجد

مکتوب بنام جوشؔ صاحب ملیح آبادی ملیح آباد لکھنؤ

دریاباد
۱۱؍فروری ۱۹۶۱ء بسم اللہ

حضرت جوشؔ سراپا ہوش
درود لکھنؤ کی خبر اور وہاں کی بزم آرائی لکھنؤ کے اخباروں سے معلوم ہوئی ؎
ہم سے پردہ رہا غیروں سے ملاقات رہی
اگر یہ معلوم ہوتا کہ ابھی قیام لکھنؤ میں رہے گا تو ضرور ملاقات کے لیے وقت نکال کر سفر اختیار کرتا۔ یہ بھی علم نہیں کہ لکھنؤ میں قیام ہے کہاں۔
اندازے سے یہ کارڈ بھیج رہا ہوں۔
سعدی کا مصرعہ اگر ذہن سے نکل گیا ہو تو تازہ کر لیجیے۔
قدیمان خود را بیفزائے بے قدر

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام خورشید احمد صاحب، ایڈیٹر مشعل راہ کراچی

دریاباد
۲۷؍اگست ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم سلمہ تعالیٰ! وعلیکم السلام
"چراغ" کا بدل "مشعل" آپ کو خوب ہاتھ آگیا۔ بدل کیوں نعم البدل، کہیے اور آپ خود ٹھہرے مطلع انوارِ بہرہ خورشید"۔ ع۔

ع   ایں خانہ تمام آفتاب است

مشعل کی روشنی تو ابھی یہاں پہونچی نہیں صرف آپ کے خط سے اطلاع پاکر یہ ایک لفظی "پھلجھڑی" تیار ہو گئی۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

مکتوبؒ بنام پروفیسر مسعود حسن رضوی دین دیال روڈ لکھنؤ

بسم اللہ

دریاباد
۸/ستمبر ۱۹۶۲ء

محترم! السلام علیکم

خدا خدا کرکے اس طوفان کا زور گھٹا۔

اے سبحان اللہ۔ یہ "طوفان"، کی مناسبت سے "گھٹا" کیا خوب! دیکھیے اس داد پر مجھ غریب پر نہ برس پڑیے گا۔

دعاگو
عبدالماجد

(۱) مصنف صدق جائسی بہ حالات۔ پرنس معظم جاہ حیدرآباد۔

بمکتوب بنام خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی ٹمپل روڈ لاہور

دریاباد

۱۶/اپریل ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

یہ لطیفہ بلکہ المیہ ہے[1] کہ آپ ۳۱/مارچ کو دہلی میں موجود اور میں جاکر پھر محروم دید واپس آیا — سکندر کو بھی آب حیات تک پہونچ کر مایوس ہی واپس ہونا پڑا۔

مجھے خیال بھی نہ تھا آپ دہلی میں موجود ہوں گے آپ کا نام تو واپس آکر اخبارات میں بسلسلۂ مشاعرہ پڑھا۔

میرا ابھی دہلی جانا برسوں کے بعد ہوا تھا ایک ہی دن ٹھہر کر چلا آیا۔ دہلی کے تاثرات خواجہ دہلوی کے قلم سے پڑھنے کے قابل ہوں گے۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

۱؎ آخر مارچ ۱۹۶۱ء میں دہلی میں انڈو پاک کلچرل کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس کے روح رواں ڈاکٹر تاراچند تھے انھیں کی دعوت پر مولانا مرحوم دہلی تشریف لے گئے تھے اور خواجہ صاحب جن سے مولانا مرحوم کے مخلصانہ تعلقات تھے اس کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے مکتوب میں اسی سفر کا ذکر ہے اور ملاقات نہ ہونے پر افسوس ہے۔

مکتوب بنام حیات اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ

دریاباد ـــــ

۲۰ مئی سنہ ۱۹۶۱ء بسم اللہ

جناب من! تسلیم

گنڈا اور غنڈہ کی بحث اگرچہ آپ کے ہاں ختم ہو چکی ہے لیکن اگر مناسب سمجھئے تو کسی موقع پر یہ اطلاع بھی اپنے ناظرین کے سامنے لے آیئے کہ ابھی لاہور میں اردو کا ایک تازہ اور مستند لغت ایک لکھنوی، اور ایک نیم لکھنوی اور ایک دہلوی تین صاحبوں کا مرتب کیا ہوا اور ڈبل کالم ۱۰۴۸ صفحہ کی ضخامت کا جدید نسیم اللغات اردو کے نام سے نکلا ہے اس کے صفحہ ۸۰۳ پر کالم دوم میں نہ صرف گنڈا بہ معنی لچا، بدمعاش، بدچلن درج ہے بلکہ گنڈی بھی بہ معنی آوارہ عورت۔

اس کے ساتھ صدق کے ایک معتبر مراسلہ نگار نے سنہ ۱۹۱۱ء کی چھپی ہوئی کسی اردو انگریزی ڈکشنری کا حوالہ لکھ کر بھیجا ہے جس میں گنڈا ہی درج ہے۔

والسلام
عبدالماجد

مکتوب بنام حیات اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ

دریاباد ـــــ

۱۵ اگست سنہ ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

"بازار حسن" تو خدا کے لیے اپنے کالموں سے فوراً ہٹوا دیجئے، چکلہ، قحبہ خانہ، بازار

عصمت فروشی یا بازار، بدسلوکی بھی آپ کے ہاں برابر چل رہا ہے۔ "دست درازی" "بدفعلی" "حرام کاری"، "منھ کالا کرنا"، سب کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ اب مجھے کمیٹی کے سامنے شہادت کے لیے نہ بلوائیے گا۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) "قومی آواز" میں زنان بازاری یا طوائفوں کے اڈوں کے لیے بازارِ حسن کے لفظ کا استعمال کیا جاتا تھا مولانا نے اس غلطی پر ٹوکا ہے۔ اسی طرح دوسرے جملے میں بعض دوسری غلطیوں کے متعلق بھی ایڈیٹر صاحب کو ٹوکا تھا اس سے پہلے بھی اسی طرح توجہ دلا چکے تھے۔

(۲) اشارہ ہے اس سرکاری کمیٹی کی طرف جو اچاریہ کرپلانی کی صدارت میں مسٹر سی۔ بی گپتا چیف منسٹر یوپی نے اتر پردیش میں اردو کا جائزہ لینے کے لیے مقرر کی تھی۔ مولانا مرحوم کو بھی اس کا ممبر مقرر کر دیا گیا تھا لیکن پھر اپنی مشغولیتوں کے باعث اور اس قسم کے کاموں سے طبعاً عدم مناسبت کی وجہ سے موصوف کمیٹی سے مستعفی ہو چکے تھے۔

مکتوب بنام نادم سیتاپوری

دریاباد

۱۳ر اکتوبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

پیام

جگر اپنی غزل گوئی میں تو فرد تھے ہی، شخصیت بھی محبوب و دل آویز رکھتے تھے۔

اور یہ ادا تو ان کی کبھی بھولنے والی نہیں کہ سالہا سال کا زمانہ رندی میں گزرا اور بدمست اس مدت میں ایک بار بھی نہ ہوئے۔ شرافت کے حدود بہرحال قائم رکھے اور اسی

وصف نے انھیں بہت بڑا انسان بنا دیا۔

اردو والوں پر فرض ہے کہ ان کی یاد کے ساتھ اپنی محبت اور عقیدت کا تعلق زیادہ سے زیادہ قائم رکھیں۔

والسلام
عبدالماجد

بنام جوش صاحب ملیح آبادی، ترقی اردو بورڈ شاہراہ قائد اعظم کراچی

دریاباد
۱۳؍ اکتوبر ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

والا نامہ ملا ساتھ ہی نمونہ لغت اردو بھی پہنچا انشاء اللہ جلد ہی پڑھ کر کچھ نہ کچھ عرض کروں گا۔ بعض پاکستانی تنقیدیں پڑھ کر ایسا معلوم ہوا ہے کہ جیسے نقادوں کا زاویہ نظر۔

تصور ڈھونڈھ کے پیدا کیے جفا کے لیے

کاہے خوردبین سے دیکھئے تو حسین سے حسین چہرہ بھی داغ دار نظر آسکتا ہے علالت کے ذکر سے تشویش خاطر ہوئی۔ لیکن نثر میں "خدا کرے" اور نظم میں "معبود" تو بڑی ہی امید افزا علامتیں ہیں۔

دنیا سے اٹھنا تو سب ہی کا برحق ہے لیکن دعا ہے کہ جوش کا بلاوا جب ادھر سے آئے وہ کسی "صہبا گسار" "ستار ادار نار" کا نہیں بلکہ رومی، خسرو اور اقبال کی صف میں شامل ہونے اور کسی کے ذکر جمیل میں رطب اللسان رہنے والے کا ہو اور اس دعا کے مقبول ہوتے سے مایوس ہرگز نہیں۔

والسّلام
عبدالماجد

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں شروانی ادارہ علم و ادب
چھتاری کمپاؤنڈ رسل گنج علی گڑھ

دریاباد
۵ر دسمبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

بندہ نواز! وعلیکم السّلام

اس دورِ ظلمت میں آپ کو النور کی خوب سوجھی۔ میں نے اس وقت پڑھی ضرور ہوگی لیکن اتنے عرصے کے بعد کہاں یاد ــــ

والسّلام
عبدالماجد

مراد مولوی سلیمان اشرف صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی پرانی تصنیف جو تحریک ترک موالات کی مخالفت میں تھی مکتوب الیہ نے یہ کتاب مولانا مرحوم کو بھیجی تھی۔

مکتوب بنام جوش صاحب ملیح آبادی، ترقی اردو بورڈ کراچی

دریاباد
۹ر دسمبر ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

اردو نامہ پہنچتا رہتا ہے اور اس سے آپ کی مطبوعات کا بھی پتہ چلتا رہتا ہے

"مراۃ العروس" "منتخب الحکایات" کے نئے ایڈیشن وغیرہ۔ نمبر ۶ پہونچا اور اس کو معمول سے بہتر پایا۔ ذوالفقار صاحب نے حضرت اکبر پر تو خوب لکھ ڈالا قابل داد ہی نہیں۔ میرے لیے قابل رشک بھی۔ یہ سب تو مجھے لکھنا تھا۔ نہ ہوا کہیں کا بادشاہ نہیں تو ان کا منھ موتیوں سے بھر دیتا ۔

بعض دوسرے مضامین بھی بہت خوب ہیں۔ دلچسپ بھی معلومات افزا بھی۔ لغت کے باب میں آپ لوگوں کو کیا مشورے دے سکتا ہوں۔ تاہم اپنے سن سے فائدہ اٹھا کر کچھ نہ کچھ نوعرض کئے ہی دیتا ہوں۔

اہل لغات نے بہت سے مستعمل الفاظ خواہ مخواہ چھوڑ دیے ہیں۔ آپ کے جامع لغت میں ان سب کو جگہ ملنا چاہیے۔ مثلاً رکوع (رکن نماز نہیں بلکہ آیت اور پارے کی طرح تقسیم قرآن کے معنی میں۔)

محاذ جنگی FRONT کے معنی میں اخباروں میں کثرت سے چل گیا ہے۔ موجد غالباً سید جالب مرحوم ایڈیٹر ہمدم تھے۔

سُبیتا (SOOBITA) نصابی زبان میں سبھاؤ کے مترادف ہے۔

بیڑن ادنا درجہ کی ہندو بیواؤں کی ایک ذات

حالیہ CURRENT کے معنوں میں

سنسنی خیز زبان میں داخل ہو چکا ہے موجد غالباً ظفر علی خاں۔

چشمہ سار، پارچہ، تلنگا، رامشگر — یہ سب سرشار وغیرہ کے ہاں استعمال میں آچکے ہیں۔ اب البتہ کچھ متروک سے ہو گئے ہیں۔

ہئی ہے (ہے ہی کے بجائے زبان پر برابر مستعمل ہے)

تلفظ بھی جہاں جہاں دو دو مستعمل ہوں دونوں دیئے جائیں مثلاً(۱) اور اا کا تلفظ میں نے لکھنؤ اور دہلی دونوں جگہ باراں اور گیاراں (نون غنہ کے ساتھ) بھی سنا ہے اسے نظر انداز کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

بولنا حیدرآباد میں کہنے کے معنی میں ہے یہ بھی ضرور درج ہونا چاہیئے۔

پھپے میں لقمان کو حکمت سکھانے لگا ___ لکھنؤ میں یہ لفظ بار بار سنا ہے۔ ہاں ایک لفظ اور خیال آیا اہل لغت نے خدا معلوم کیوں چھوڑ دیا ہے۔

رنڈی کا لفظ پہلے اپنے عموم میں عورت کے مترادف تھا اب صرف بیوہ کے معنی میں رہ گیا ہے اس طرح کے بکثرت الفاظ ملیں گے۔ بعض کے مفہوم کہیں وسیع سے محدود ہو گئے ہیں اور کہیں محدود سے وسیع یقیناً آپ کے جامع اور محققانہ لغت میں اس سب کی تصریح ہوگی یہ خط ڈاک سے جا ہی رہا تھا کہ حقی[1] صاحب کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ تعمیل ارشاد کی صورت آسان نہیں بہرحال اپنی دالی کوشش کروں گا۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مراد شان الحق حقی صاحب سکریٹری ترقی اردو بورڈ کراچی ہیں۔

مکتوب بنام عبدالقوی صاحب دسنوی

شعبہ اردو، سیفیہ کالج بھوپال کے رسالہ سفینہ کے لیے پیام

دریاباد

۱۴ر دسمبر ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

پیام

اردو کی خدمت یوں بھی ہر اردو بولنے والے پر واجب تھی اور اب اس دور

میں تو یہ خدمت میرے نزدیک عبادت کے درجے میں داخل ہے جس سے جو خدمت بھی بن پڑے، بھوپال کو ابھی کل تک اردو نوازی سے گہرا تعلق رہ چکا ہے اور چمن اردو کی آبیاری میں خصوصی ہاتھ سرکار بھوپال کا شامل رہا ہے۔ اس سلسلہ کو جاری رکھنا سرکار کے جانشینوں یعنی آپ لوگوں پر دگنے درجے میں فرض ہے۔

مقامی ضروریات حالات اور اپنی قوت اور توانائی کا اندازہ تو آپ ہی لوگ بہتر کر سکتے ہیں، بہرحال جو بھی خدمت ہو سنجیدہ، تعمیری ٹھوس نوعیت کی ہو۔

زبان اپنے امکان بھر سادہ اور سلیس رکھیے۔

آپ تو خود اردو کے نامور ادیب سید سلیمان ندوی کے ہم وطن ہیں اور ان کی روشن مثال کو برابر سامنے رکھیے۔

والسّلام
عبدالماجد

مکتوب بنام جوشؔ صاحب ملیح آبادی کراچی

دریاباد
۱۲ر جنوری ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

بے شک وہ غلط فقرہ زبانِ قلم پر آگیا تھا، جوشؔ صاحب ملیح آبادی ہی ہونا چاہیے تھا کہ جوشؔ ملیح آبادی صاحب۔ اصلاح کا دلی شکریہ اور اصلاًیہ خط اسی کے لیے ہے ورنہ اور کوئی خاص ضرورت اتنی جلد جواب کی داعی نہ تھی۔

اور اس پر ایک واقعہ بھی سن لیجیے۔ میرا بچپن تھا کہ داغ کی وہ غزل شائع ہوئی جس کا مطلع تھا ؎

دلبر سے جدا ہونا یا دل کو جدا کرنا
اس سوچ میں بیٹھا ہوں کہ آخر مجھے کیا کرنا

ریاض الاخبار اس وقت دھوم دھام سے نکل رہا تھا۔ ریاض نے اعتراض کیا کہ "زبان؟ کیا کرنا" نہیں "کیا کرنا ہے"۔ داغ نے نج کے خط میں جواب دیا کہ مطلع میر اکہا ہوا ہے اور یہ جاننے کے بعد آپ کوئی مزید سند ضروری سمجھتے ہیں ہے؟ ریاض نے جواب الجواب میں لکھا کہ یہی تو میری عرض ہے کہ یہ زبان آپ کی نہیں۔ اگر آپ کی ہے تو اپنے ہزارہا اشعار میں کہیں سے اس کی نظیر دے دیجیے، بس میں قائل ہو جاؤں گا۔ یہ آپ کی زبان ہی نہیں ہے۔ دکھنیوں کی بولی سنتے سنتے بس یہ غلط محاورہ بھی آپ کی زبان پر چڑھ گیا اور بے خیالی میں قلم سے نکل گیا ــــــ اس پر داغ کو خاموش ہو جانا پڑا، تو برادرم جب یہ صورت داغ جیسے مستند اہل زبان کو پیش آسکتی ہے تو مجھ سے دیہقانی کا بھلا کیا ذکر ہے خدا جانے کتنی غلطیاں دانستہ و نادانستہ کرتا رہتا ہوں اور آج کل کی اخباری زبان سے تو بس اللہ ہی اپنے حفظ و امان میں رکھے۔
کراچی تک کی رسائی یوں بھی آسان نہ تھی اور اب تو دشوار تر ہو گئی ہے۔

راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں

ایک ممکن صورت یہی ذہن میں آتی ہے کہ آپ کی مجلس اگر کبھی یہاں کے دو چار مستند ادیبوں (مثلاً حضرت اخر لکھنوی) کو ہفتہ دو ہفتہ کے لیے بغرض مشورہ مدعو فرمائیے تو گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح یہ نیاز مند بھی اڑتا پڑتا کسی طرح وہاں پہنچ جائے۔
ہاں صاحب اگر کتاب شوکت آرا بیگم آپ کی مجلس از سر نو شائع کر رہی ہو تو اس کے صلہ یا معاوضہ کے ذمہ دار و مستحق عبد الرؤف کا کوری کو نہ بھول جائیے گا۔

والسلام
عبد الماجد

اس سے مولانا مرحوم کے خاص طالب علمانہ ذہن کا پتہ چلتا ہے وہ آخر تک طالب علم رہے۔

اور تحقیق کے طالب۔ جب وقت کوئی آپ کی کسی غلطی کی طرف متوجہ کرتا تو آپ بڑی خوشدلی سے اسے تسلیم کر لیتے اور ٹوکنے والے کے انتہائی شکرگزار ہوتے تھے اور اس کا برملا اعتراف کرتے تھے اس باب میں اپنے خوردوں تک کے شکرگزار ہوتے تھے۔

مکتوب بنام ضیا علی خاں صاحب نئی سرائے بدایوں

دریاباد

۱۳ جنوری ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

کرم گسترا وعلیکم السلام

(۱) "رہائش" عوام میں چل گیا ہے۔ فصحا اب تک احتیاط کرتے ہیں (۲) "جائے پیدائش" فصحا کے نزدیک تو البتہ عوام لکھنؤ کے نزدیک تو نہیں بلکہ دم لیے ہوئے ہے (۳) "آج کل" کا استعمال بالکل صحیح ہے۔ (۴) دونوں مختلف فیہ ہیں میں "غدر" کی تذکیر کو صحیح سمجھتا ہوں ——

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے بعض الفاظ کی صحت کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ مولانا اس قسم کے سوالوں سے خوش ہوتے تھے اور باوجود مصروفیت کے پہلی ڈاک سے جواب روانہ کرتے تھے۔

مکتوب بنام جوش صاحب ملیح آبادی ترقی اردو بورڈ کراچی

دریاباد
۱۹؍جنوری سنہ ۱۹۶۲ء　　　بسم اللہ

برادرم!　　　السّلام علیکم

یہ ۱۱؍جنوری کے مفصل نیازنامہ کا ضمیمہ ہے۔
اس خط میں داغ کے شعر کا دوسرا مصرعہ قلم سے غلط نکل گیا۔ صحیح یہ ہے
ع۔　اس سوچ میں بیٹھا ہوں آخر مجھے کیا کرنا
کہ اس میں ز ائد لکھ گیا۔

والسّلام
عبدالماجد

مکتوب بنام فراق صاحب گورکھپوری بینک روڈ، الہ آباد

دریاباد
۲۰؍جنوری سنہ ۱۹۶۲ء　　　بسم اللہ

کرم گستر!　　　تسلیم

بڑی عنایت ہوگی اگر وہ دو شعر اپنے تحریر فرمادیں
ایک تو وہ ..... نگاہ اوڑھیں نکلی، والا
دوسرا — .... حسن اداس اداس سا، والا

نیازکیش
عبدالماجد

مکتوب بنام نثار احمد فاروقی صاحب

دلی یونیورسٹی لائبریرین نے اردو میگزین کے میر نمبر کے لیے پیام مانگا تھا، اس کے جواب میں پیام ذیل بھیجا گیا۔

دریاباد

۲۴ر جنوری ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

پیام

میگزین کا "میر" نمبر آں عزیز کی رہبری میں نکلے گا۔ انشاءاللہ سب میگزینوں کا "میر" ہوگا، مضامین تحقیقی ہوں گے لیکن خشک نہیں، عمیق ہوں گے لیکن دقیق نہیں لطیف و شگفتہ ہوں گے لیکن سپاٹ و بے مغز نہیں۔ ندرت رکھیں گے لیکن غرابت نہیں یہ سب باتیں بہ طور ایمان بالغیب پہلے ہی سے فرض کیے ہوں۔

اور خدا نخواستہ یہ سب نہ سہی جب بھی یہ جراءت کیا کچھ کم قابل داد اور مستحق آفریں ہے کہ میر تقی میر جیسے پرانے شاعر کی یاد آپ اس دور جدت پرستی میں منانے نکلے ہیں!

ایسے باکمال کی یاد منانی خود اپنے حسن ذوق کا ثبوت پیش کرنا ہے۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار لکھنؤ

مکتوب الیہ کے بدم ہوش سلنے کی خبر پڑھ کر۔

دریاباد

۲۲؍ جنوری ۱۹۶۲ء بسم اللہ

خطاب کی خبر پڑھ کر

" نیاز " مقام " ناز " میں ___ خیر کسی اردو والے کی تو قدر ہوئی۔

والسلام تہنیت گزار

عبدالماجد

مکتوب بنام پروفیسر احتشام حسین صدر شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی الٰہ آباد

دریاباد

۲۶؍ جنوری ۱۹۶۲ء بسم اللہ

برادرم سلمہ! السّلام علیکم

تازہ "ہماری زبان" میں خالق باری کے شعر پر مضمون پڑھ کر بڑی ہی حیرت ہوئی۔ شیرانی جیسا محقق اور صاحب نظر فاضل اور ایک معمولی سا شعر سمجھنے میں ایسی فاحش غلطی! مجھ جیسا بھی دنگ رہ گیا۔ سچ ہے نوق کل ذی علم علیم انسان اپنے کس ہنر پر ناز کرے کل اس کی بساط ہے۔

والسّلام

عبدالماجد

۔۔(۱) ترقی اردو ہند کا ترجمان (۲) امیر خسرو کی مشہور و معروف نظم (۳) مراد اردو کے فاضل محقق حافظ محمود خاں شیرانی سے ہے۔

مکتوب بنام مولوی صبغت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی لکھنؤ

دریاباد
۲۶ر فروری ۱۹۶۲ء   بسم اللہ

برادرم ! السّلام علیکم

مع الخیر مراجعت وطن(۱) پر دلی مسرت محسوس ہوئی اور مبارک بادیوں بھی پیش کرتا اس حقیر کے تحفہ نے اب لازم کو الزم اور واجب کو واجب تر کر دیا جزاک اللہ وہاں تو انشاء اللہ سب خیریت ہی ہوگی۔

ملاقات آپ سے مہینوں نہ سہی لیکن احساس قرب اور امکان ملاقات خود کچھ تھوڑی نعمت ہے۔؟

بازاریت کی صحت میں شبہ میں اپنے قصور فہم سے نہ سمجھ سکا، لاحقہ "یت" تو ہر اردو لفظ لگا کر حاصل مصدر بنایا جا سکتا ہے ــــ خواہ اصلاً وہ کسی زبان کا بھی لفظ ہو۔ جیسے انگریزیت، عیسائیت۔ شہریت وغیرہا۔

عید سے ایک ہفتہ بعد انشاء اللہ لکھنؤ آنے کا پروگرام ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مولوی صاحب موصوف اپنے صاحبزادے مولوی حبیب فرنگی محلی سے ملنے ڈھاکہ تشریف لے گئے تھے اور وہاں سے کئی ہفتے بعد واپس ہوئے تھے۔

(۱۷) موصوف نے مولانا مرحوم کی خدمت میں پنیر کا تحفہ بھیجا تھا یہ شکریہ اسی بارے میں ہے۔ پنیر مولانا کو بہت مرغوب تھا۔

مکتوب بنام ڈاکٹر وارث علی شاہ، سیالکوٹ

دریاباد

۱۰ ارمارچ ۱۹۶۳ء بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السلام

• چھان پھٹک، بے شک تعلیل الاستعمال ہے مگر ایسا بھی نہیں کہ اس پر اطلاق الفاظ کالمعدوم کا ہو۔ مولوی سید احمد دہلوی کی لغات النساء میں بھی نہ ملا۔

یہ چھان بین ہی کی ایک شکل ہو یا خود کوئی مستقل محاورہ۔ یہ تو محض ایک ظن و تخمین کی چیز ہے عمل و استعمال پر اس کا کیا اثر ہوگا گو میں ذاتی طور پر ترجیح اس کو دوں گا کہ یہ مستقل محاورہ ہے۔

والسلام، دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام صدق جائسی رائے بریلی

دریاباد

۱۲ رمارچ ۱۹۶۳ء بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السلام

مسعود صاحب کا خط تو خود اس وقت پہونچ چکا ہوگا۔ انھوں نے کئی دن ہوئے تحریر فرمایا تھا کہ براہ راست لکھ رہے ہیں، کتاب اس وقت ان کے دعوے کے مطابق

تیار ہوگئی ہوگی۔

صدق تحیر رنگ خیال کے تبادلے میں جاری ہو چکا ہے۔

اس لفظ کا املا مدت سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ جلالؔ، فرہنگ آصفیہ۔ نوراللغات مد اشن اشن کی تائید میں ہیں (ان کے نزدیک یہ لفظ اشاش بروزن تلاش کا متوازی) لیکن میں نے اکثر ادیبوں کے قلم سے "عش عش" دیکھا ہے اور صاحب فرہنگ اثر پوری طرح اسی کی تائید میں ہیں۔

میری زبان و قلم پر بھی یہی املا ہے۔

قول فیصل یہ ہے کہ دونوں صورتیں پوری طرح جائز ہیں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مراد پروفیسر مسعود حسن رضوی، اردو کے نامور ادیب لکھنؤ یونیورسٹی کے سابق صدر شعبہ اردو و فارسی سے ہے جو مکتوب الیہ کی کتاب "دربار دُربار" کا حصہ اول اپنے مکتبہ سے شائع کروا رہے ہیں۔

(۲) اردو زبان کے نامور محقق جناب جلال لکھنوی۔

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب اردو نامہ ترقی اردو بورڈ، کراچی

دریاباد

۱۹ر مارچ ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

صاحب من! السلام علیکم

نمبرے پہنچا اب تو ہر پرچہ پڑھنے کے قابل ہونے لگا ہے۔ یہ نمبر بھی خوب ہے کیفیت و کمیت دونوں کے اعتبار سے۔

"جیسا" کی بحث تو آپ ختم ہی کر چکے لیکن اتنا عرض کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ میرے بچپن تک فصحاء عموماً اس موقع پر "سا" یا "سی" ہی لاتے تھے اور اس حد تک جوشؔ صاحب کا خیال صحیح ہے پھر بھی یہ نہ تھا کہ "جیسا" کا استعمال سرے سے معدوم ہو آخر سبزواری صاحب[1] نے اس کی بھی سندیں ڈھونڈھ نکالی ہیں۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے درجہ کے ادیبوں (خصوصاً اخبار نویسوں) نے "جیسا" اور "جیسی" کی بھرمار کر دی اور اس سے صف اول کے بعض ادیبوں کو متاثر ہونا ہی پڑا۔

اجازت ہو تو اپنے استفادہ کے لیے دو سوال بھی عرض کر دوں۔

(۱) صـ۹۳ کی ۲ وسطر کے بعد "خامہ فرسائی" کیا ایسے محل پر صحیح استعمال ہوا ہے؟ میں سمجھتا تھا کہ اس میں ذم اور تحقیر کا پہلو شامل رہتا ہے۔

(۲) صـ۷۶ لفظ "املا" کیا مؤنث ہے؟

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مراد اردو کے نامور محقق شوکت سبزواری ہیں۔

مکتوب بنام عابد نظامی صاحب صدر حلقہ ادب پاکستان

رضوی اسٹریٹ لاہور

دریاباد

۱۲ مئی ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

بیٹا

خواجہ صاحب کی دوسری حیثیتوں سے متعلق جو بھی رائے قائم کی جائے بحیثیت ادیب و انشا پرداز ان کا مرتبہ بالکل مسلم ہے۔ سلاست، گھلاوٹ، شگفتگی کے وہ بادشاہ

تھے ایک مخصوص طرزِ انشا کے وہ مالک تھے۔ اس کے موجد بھی وہی اس کے خاتم بھی وہی۔ فن بلاغت میں جسے سہل ممتنع کہا گیا ہے یہ انھیں کی انشا تھی۔

میں نے اپنے ابتدائی دور میں ان کے قلم سے خاصا کسب فیض کیا ہے۔ حال میں جن لوگوں نے اردو ادب کی تاریخیں لکھی ہیں انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے کہ خواجہ صاحب کا ذکر ہی سرے سے اُڑا گئے ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ کوئی عشق و عاشقی کی تاریخ لکھے اور اس میں نام قیس عامری کا نہ آنے پائے۔

میں نے حال ہی میں ایک مضمون لکھا ہے عنوان ہے "اردو کے چند مظلوم ادیب" ان مظلوموں کی فہرست میں مولانا آزاد[۲] کے بعد ہی نام خواجہ صاحب کا رکھا ہے۔

ان کا قلم جامع تھا، "آہ" اور "واہ" کا لیکن مسکراہٹوں سے بھی کہیں بڑھ کر آنسوؤں کے لیے موزوں تھا۔

ان کی ادبیت کی یاد مناکر آپ لوگ خود اپنے حسن ذوق کا ثبوت دے رہے ہیں۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) یہ پیام خواجہ حسن نظامی کے یوم کے لیے بھیجا گیا تھا۔

(۲) مولانا مرحوم زبانی بھی اکثر اس کا ذکر کیا کرتے تھے کہ بعض ادیبوں کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا ہے اور اردو ادب میں ان کا نام بھی نہیں آتا ان میں وہ مولانا آزاد خواجہ حسن نظامی، سید سلیمان ندوی، راشد الخیری۔ قاضی عبدالغفار، صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمان خان شروانی کا نام لیتے تھے اور اسے ظلم سے تعبیر کرتے تھے۔

مکتوب بنام حیات اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ

دریاباد

۱۳ جون ۱۹۶۲ء　　　بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

آپ کے ہاں CRIMINAL ASSAULT، MISBEHAVIOUR وغیرہ کی طرح CANCER کا ترجمہ سرطان بھی برابر غلط آرہا ہے۔ یہ سرطان تو اس " کینسر " کا ترجمہ ہے جو فلکیات اور جغرافیہ کی اصطلاح ہے مثلاً برج سرطان یا خط سرطان نہ کہ مرض کینسر کا۔ امراض میں سرطان مرادف کار بنکل کا، کینسر بہ اصطلاح طب کا ترجمہ ہے " آکلہ "۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مراد قومی آواز ہے۔

(۲) قومی آواز میں ان دونوں انگریزی لفظوں کا ترجمہ بدسلوکی سے کیا جارہا تھا، مولانا مرحوم نے اس غلطی کے بارے میں انصاری صاحب کو توجہ دلائی تھی مکتوب بالا میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

مکتوب بنام مرزا سعید الظفر چغتائی لکچرر فزکس گورکھپور یونیورسٹی

دریاباد

۱۹ اگست ۱۹۶۲ء　　　بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السّلام

جی ہاں خدمت " مصحف " کے بعد اللہ کی ذرہ نوازی سے اب خود اپنے

ظرف وبساط کے مطابق "مصحفی" ہورہا ہوں۔ "مصحفی" شاعر بے چارہ کی طرف اب کیا توجہ کروں۔

قافیہ اندیشم و دلدار من
گویدم مندیش جز دیدار من

البتہ ڈاکٹر محمود الہیٰ صاحب جو کچھ بھی عنایت فرمائیں ان کا عین کرم سمجھوں گا اللہ انھیں بھی لفظ و عبارت کی منزلوں سے گزار کر جلد عالم معانی تک پہنچا دے۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ اس زمانہ میں گورکھپور یونیورسٹی میں فزکس کے اسسٹنٹ پروفیسر یالکچرر تھے اور انھوں نے مولانا مرحوم سے "مصحفی" پر لکھنے کی فرمائش کی تھی بہت پہلے مولانا مرحوم ان کی ایک مثنوی "بحرالمحبت" کو ایڈیٹ کر چکے تھے۔

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں شروانی چھتاری کمپاؤنڈ رسل گنج، علی گڑھ

دریاباد
۲۸ ستمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السّلام

عرض سے طول کے عمق کا کیا کہنا۔ سطح بلند پر زاویہ نظر ہے۔ نقطہ رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ خط ختم کئے دیتا ہوں کہ کہیں معاملہ اقلیدس کی شکل نہ اختیار کرلے۔

دعاگو

عبدالماجد

مولوی محمد ساجد ندوی

محمود آباد ضلع سیتاپور کی کتاب "انوار" پر پیش لفظ

دریاباد

۲۷ نومبر ۱۹۶۲ء

کتاب کا نام "انوار" اور کتاب کا موضوع و مضمون محبت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر کتاب کا ایک ایک صفحہ کیسے مطلع انوار نہ بن جائے۔

محبت کا موضوع یوں بھی نازک ہوتا ہے چہ جائیکہ محبوب ترین خلائق کی محبت پر قلم اٹھانا۔ کتنے ہی یہ ارادہ لے کر اٹھے لیکن کامیاب کم تر ہی ہوئے۔ عقل پر جذبہ، ہوش پر دارفتگی ایسی غالب آئی کہ کہیں سے کہیں پہونچ گئے۔ مقصود و مطلوب اتباع رسول ہے۔ اطاعت رسول ہے۔ آپکے احکام کی دل و جان سے پیروی کرنا آپ کے نقش قدم پر چلنا آپ کی زندگی کو ہر شعبہ میں مشعل راہ بنانا ہے۔ محبت اس راہ کو آسان بنا دینے والی ہے بغیر محبت کے یہ منزل طے کرنا آسان نہیں۔

ابوبکرؓ، وعمرؓ و امثالہم جو آپ کے بہترین پیرو اور متبع ہوئے ہیں ― وہ وہی ہیں جو آپ کے صادق ترین عاشقوں میں تھے۔ مصنف سلمہ اللہ یہی چاہتے ہیں کہ اسی محبت کا تخم ہر مومن کے قلب میں پڑ جائے بلکہ ہر امتی کے سنو میں جم جائے جڑ پکڑ جائے اور پورا شجر بار آور شاداب بن جائے۔ مصنف کوئی خانقاہ نشین قسم کے صوفی صافی نہیں۔ صاحب علم ہیں۔ ندوی ہیں اور بڑی بات یہ ہے کہ وقت کے مشہور عارفوں اور اللہ والوں جیسے شیخ التبلیغ مولانا محمد الیاس دہلوی اور شیخ عبد القادر رائے پوری کی آنکھیں دیکھے ہوئے اور ان سے فیض اٹھائے ہوئے ہیں ان کی کتابوں کا مسودہ اس بے علم و بے عمل نے جا بجا سے دیکھا اور جی خوش ہو گیا ذوق و شوق کے ساتھ ماشاء اللہ علم کی باتیں اور دین کی ہدایتیں پوری طرح ملحوظ رکھی ہیں۔ اور

رسول کو رسول ہی بنا کر پیش کیا ہے کہیں سے "دیوتا" یا "اوتار" کی جھلک نہیں آنے دی۔ یقین ہے کہ یہی رنگ ساری کتاب کا ہوگا۔

اللہ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور انھیں ان کی جزائے کامل یہاں اور وہاں دونوں جہان میں عطا فرمائے۔

والسلام
عبدالماجد

مکتوب بنام حاجی اصطفا خاں صاحب لکھنوی
۲۵ گل ولاعا مل کالونی، کراچی ۵

دریاباد
۲۸ر نومبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

کرم گسترا! وعلیکم السلام

آپ کا خیریت نامہ خوب آگیا۔ اس عرصہ میں آپ کئی بار یاد آئے، اور دل نے اس کو حسرت کے ساتھ محسوس کیا کہ لکھنؤ میں آپ سے ملاقات کی صورت ایک مدت سے پیدا نہ ہوئی۔

آپ کا تازہ مجموعہ کلام کچھ روز ہوئے مل گیا تھا۔ شکریہ۔ شہید صاحبؒ کا دیباچہ خوب ہی ہے۔ گو صنا میری زبان قلم پر ہمیشہ سے ہے اور اپنے اکابر کو میں نے یہی بولتے سنا اور یہی لکھتے دیکھا ہے۔ گھڑنا اور گھڑت صرف پنجابی حضرات کا تلفظ اور املا ہے۔ اللہ آپ کو شفائے کامل دے کہ آپ جلد ہی سفر لکھنؤ کے قابل ہو جائیں۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ لکھنؤ کے مشہور کارخانہ عطر و تمباکو اصغر علی محمد علی کے مالک تھے۔ اور مولانا مرحوم کے مخلص خصوصی۔

(۲) مراد مولوی صبغت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی جو مولانا مرحوم اور مکتوب الیہ دونوں کے بے تکلف احباب میں تھے مولوی صاحب ضلع جگت میں بھی کمال رکھتے تھے اور مولانا مرحوم سے زبانی اور تحریر میں اسی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ بنیز مراسلت بھی۔

مکتوب بنام جوش صاحب ملیح آبادی صدر اردو بورڈ پاکستان کراچی

دریاباد
۸ دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

حضرت سلامت! تسلیم

اردو نامہ تازہ پرچہ نمبر ۱۰ موصول ہوا۔ نمونہ لغت میں صفحہ ۵۴ میں اکابرد مشاہیر ادب کے ساتھ ایک عامی کا حوالہ دیکھ کر حیرت اور ندامت دونوں سے گڑ گیا یہ کیا کیا آپ لوگوں نے۔ خواہ مخواہ اپنی کتاب کا معیار اتنا گرا دیا۔

اب - تو گرجمد سے تھوڑا سا آگے بھی سن لے

صفحہ ۲۲ یا ۲۴ ابلیس ..... آدم کی پیدائش سے پہلے عبادت کی بدولت فرشتوں کے زمرے میں شامل اور ان کا معلم ہو گیا تھا۔ یہ ساری عبارت بالکل بے سند اور محض عوام کے عامیانہ عقیدہ کی ترجمان ہے۔ ابلیس حسب تصریح قرآن جن تھا (کان من الجن) اور جن ہی آخر تک رہا اس کا فرشتہ و مغضوب ہونا تمام تر مسیحی عقیدہ ہے۔

صفحہ ۴۵ کی "ابے تبے" کے ذیل میں پہلو اچھوٹ تو نہیں گیا؟

ابے تبے کرنا، تو تکار کرنا، بد زبانی کرنا، ڈانٹ ڈپٹ کرنا؟

فقرہ: آپ تو گالم گلوچ پر اتر آئے اور لگے ابے تبے کرنے۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) اردو نامہ میں اردو بورڈ کی مجوزہ لغت اردو کے سلسلے میں مولانا مرحوم کا ذکر مشاہیر ادب کے ساتھ سند میں پیش کیا تھا اس پر مولانا مرحوم کی طرف سے شرمندگی کا اظہار ہے۔

(۲) کتاب سے مراد اردو بورڈ کی طرف کی تصنیف کردہ لغت اردو ہے جو شائع ہو رہی ہے۔

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں شروانی چھتاری کمپاونڈ علی گڑھ

دریاباد

۱۴ دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

کلام سن[۱] کر ع

قیامت ڈھائے گا جنت میں یہ بوڑھا جوان ہو کر

تل شکری[۲] کھا کر

نیشکر اس کے کیا مقابل ہو

آم بھی اس گزک کے آگے ہیچ

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم کو مکتوب الیہ نے علی گڑھ میں عندالملاقات اپنی ایک نظم سنائی تھی یہ اس کی داد ہے۔

(۲) مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم کے ساتھ علی گڑھ کی مشہور گزک ساتھ کی تھی جسے لکھنؤ

کی زبان میں تل سنکری کہا جاتا تھا۔

مکتوب بنام حیات اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ

دریاباد

۱۲ دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

صاحب! سلام

سنیے صاحب اب ہمارے آپ کے بیچ سخت جنگ چھڑنے والی ہے۔ چین و مہابین کی جنگ سے بھی شدید تر۔

بنائے مخاصمت آپ کے روزنامہ کا وہ سہ ایڈیشن ہے جو ہفتہ میں ایک بار لازمی طور پر بے گناہ و بے قصور ہمارے سروں پر نازل ہوتا رہتا ہے۔

طبیعت ہر بار جھنجلا کر رہتی ہے خصوصاً اس احساس کے بعد کہ اب اس کا کوئی علاج ہی نہیں۔ یہ عجیب دو عجیب اپنے پچھلے ڈاک ایڈیشن کا تمام تر مفنیٔ یا چربہ ہوتا ہے اسے ناظرین پر مسلط کر دینا تمام تر دھاندلی ہے۔ ظلم ہے، ستم گری ہے Fraud ہے۔

تمام دنیا سے داد و فریاد خود اپنے دفتر میں بے داد۔

ع کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

پیرہن کاغذی اس کارڈ سے بڑھ کر غالب کو بھی نہ ملا ہوگا۔

فریادی

عبدالماجد

(۱) قومی آواز کا یہ ایڈیشن تمام تر باسی خبروں پر مشتمل ہوتا تھا خط میں اسی کا ذکر ہے۔

مکتوب بنام خیر بہوروی، غالب اکیڈمی، مدنپورہ بنارس

دریاباد
۲۳ دسمبر ۱۹۶۲ء
بسم اللہ

پیام

غالب کی قدر کرنا خود اپنی سخن شناسی اور حسن ذوق کا ثبوت دینا ہے
اہل بنارس قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس "کارخیر" کو یاد رکھا۔

عبدالماجد

یہ پیام یوم غالب کے موقع پر خیر بہوروی کو جو اردو کے زبردست کارکن اور غالب کے پرستاروں میں تھے بھیجا گیا تھا۔

مکتوب بنام مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی
ندوۃ العلماء لکھنؤ

دریاباد
یکم جنوری ۱۹۶۳ء
بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

۱۔ سو کھے دھانوں پانی پڑا بالکل صحیح ۔

۲۔ میرے قلم پر تو "اکتفا کیا" ہی ہے لیکن دوسروں کے ہاں "اکتفا کی" بھی پڑھا ہے لغت میں غالباً مؤنث لکھا ہے۔ بہرحال صحیح دونوں ہیں۔

۳۔ مور کی آواز کے لیے جھنگار (نون غنہ کے ساتھ بر وزن نگار آتا ہے) ہندی تلفظ میں غنہ نہیں نون کا اعلان ہے ۔

ندیا کنارے مورا جھنکارے

جھنکار کے علاوہ "کوک" بھی کہہ سکتے ہیں۔

والسّلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مولانا ندوی نے بعض لفظوں اور محاوروں کے بارے میں استفسار کیا تھا یہ خط اسی کے جواب میں ہے۔

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں صاحب شروانی چھتاری کمپاؤنڈ رسل گنج علی گڑھ

دریاباد

۱۱ جنوری ۱۹۶۳ء بسم اللہ

۱۷ دسمبر ۱۹۶۲ء کی شام ایک خوشگوار شام تھی جب چھتاری کمپاؤنڈ علی گڑھ میں ایک مقتدا کے چلائے ہوئے شبینہ اسکول کو ایک مقتدی نے دیکھا اور دیکھا کیا یہ کہیے کہ چند منٹ کی سرسری سیر میں اس کی چند جھلکیاں دیکھ لیں! مسلمان بچوں اور بچیوں کا یہ منظر کہ بجائے سینما دیکھنے یا تاش و شطرنج وغیرہ میں وقت کی دولت لٹانے کے دینی تعلیم اور درس قرآن میں مشغول بس آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا کرنے کو کافی تھا۔

علی گڑھ جس کا ترجمہ غالباً سید محمودؒ مرحوم نے حصار مرتضوی کیا تھا آخر علی گڑھ ہے اور اس کا فیض حدود یونیورسٹی تک محدود نہیں شہر بھر اسی اجالے میں ہے اور دینی تعلیم کی نورانیت تو دوسرے مادی علوم سے کچھ بڑھی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواں ہمت کارکن کو عمر خضر عطا فرمائے۔

نیکیوں کے سر پہ یارب بیر سجانہ رہے

والسلام

عبدالماجد

(۱) یہ پیام مولانا مرحوم نے مکتوب الیہ کے قائم کردہ شبینہ اسکول کے معائنہ کے بعد تحریر کیا تھا۔

(۲) مراد سید احمد خاں کے نامور فرزند جسٹس محمود ہیں جو حیثیت دین میں اپنے والد سے بڑھے ہوئے تھے۔

(۳) مراد حاجی مقتدا خاں شروانی ہیں۔

پیام بنام فرمان فتح پوری

ایڈیٹر نگار کراچی جنہوں نے نگار کے "نیاز نمبر" کے لیے پیام یا مقالہ مانگا تھا اس کے جواب میں مندرجہ ذیل پیام بھیجا گیا۔

دریاباد

۹ مارچ ۱۹۶۳ء بسم اللہ

ایک نیاز مند، کی فرمائش مدیر صدق، سے کہ وہ مناقب "نگار دنیاز" پر کچھ لکھے۔ ستم ظریفی کا شاہکار!

عشق ومزدوری، عشرت گہ خسرو کیا خوب!

"فرمان" کی تعمیل میں بس اتنا ہی عرض کرسکتا ہوں کہ نیاز صاحب سخن سنج اچھے ہیں شعر کی پرکھ خوب رکھتے ہیں اور صاحب طرز ادیب ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام قادر جاوید صاحب

۲۰۶ اے چاندنگر، حیدرآباد

دریاباد
۱۱ر مارچ ۱۹۶۳ء بسم اللہ
برادرم! وعلیکم السلام
صحیح تلفظ جاوید Javaid بروزن بید، بھید
" " شہلا shahla بروزن کملا، حلہ
اردو میں صحیح و مستند تلفظ وہی ہوگا جو اردو زبانوں پر چڑھا ہوا ہے اور اس
بان کے تلفظ سے مطلق بحث نہ ہوگی جس زبان سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے لالٹین کو
ردو میں لالٹین ہی کہیں گے لین ٹرن کہنا غلط ہوگا۔
ٹکٹ کو اردو میں ٹکٹ (بہ فتحہ کاف) کہیں گے ٹکٹ (بہ کسرہ کاف) کہنا غلط ہوگا۔
والسلام
عبدالماجد

مکتوب بنام نادم سیتاپوری

بذریعہ سلطان حسن صاحب، تاجر کتب، بندر روڈ کراچی

لکھنؤ
۱۷ر اپریل ۱۹۶۳ء بسم اللہ
برادرم! وعلیکم السلام
اب خدا خدا کر کے اس قابل ہوا کہ کچھ لکھ پڑھ سکوں۔ آپ کی کتاب پر چند

سطریں لکھ دیں، "غالب نام آورم" کے مرتب نے خود "نام آوری" کے زینے کی طرف پہلا قدم تو اٹھا ہی لیا ہے۔

ان کی یہ چھوٹی موٹی کتاب "ہرچہ بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر" کا نمونہ اس قابل ہے کہ اسے درس غالبیات کی پہلی کتاب قرار دیا جائے ـ

ثقل و اغلاق سے خالی، غلو و اغراق سے بری، تنقید، تحقیق، اور آجکل کی اصطلاح میں تخلیق تینوں کا ایک ہلکا خوشگوار مجموعہ ـ

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم اس زمانہ میں تپ و نزلہ میں مبتلا ہو کر لکھنؤ گئے تھے۔

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب "اردو نامہ" اردو منزل کراچی

دریاباد
۴ر مئی ۱۹۶۳ء   بسم اللہ

کرم گستر!   السلام علیکم

تازہ "اردو نامہ" ملا حسب معمول سب سے زیادہ دلچسپی اور شوق سے نمونہ لغت پڑھا۔ نظر کی وسعت و عمق دونوں کا کیا کہنا۔ البتہ یہ کھٹک کئی بار محسوس ہوئی کہ معانی کی تعداد میں خواہ مخواہ کے تکلف سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً اس قسط میں ایا ہج کے چھ معنی الگ الگ دیئے گئے ہیں اور عملاً تکرار کو کام میں لیا گیا ہے۔ یہ چھ کل کے اندر بخوبی سمٹ کر آسکتے تھے۔ "حشو" نظم کی طرح نثر میں بھی تو بچنے کی چیز ہے۔

لفظ اپ ٹو ڈیٹ اردو میں طنز کے بھی تو آتا ہے۔ جنٹلمین کی طرح اور جنٹلمین اب پوری طرح اردو بن چکا کیا اس طرح کی کوئی عبارت بڑھا دینا مناسب ہوگا۔

طنزیہ موقع پر جنٹل مین طنز کے مترادف ہے۔ اس فقرے میں سوٹ بوٹ سے لیس ہو رہے جنٹلمین بہ طرح اپ ٹو ڈیٹ ـ

(ور اس طنزیہ مفہوم میں ہر جگہ تو نہیں لیکن کہیں کہیں چھیلا سے بھی اس کا ربط بہت قریب کا ہو جائے گا جیسے اس فقرے میں "وہ گبھرو جوان چھیلا بنا ہوا، انداز دل ربائی ہو، ہر طرح اپ ٹو ڈیٹ"۔

افسانے پڑھنے کی اب کہاں فرصت۔

والسّلام

عبدالماجد

مکتوب بنام ڈاکٹر شجاعت علی صاحب سندیلوی

شعبہ اردو، لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ

دریاباد۔

۱۲ مئی ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السّلام علیکم

اردو زبان و ادب کے سلسلہ میں بعض عنوان مدت ہوئے ذہن میں آئے تھے لیکن ان پر لکھنے لکھانے کے لیے وقت کہاں سے لاؤں۔ کوئی ہونہار جونیر توجہ کرے تو البتہ شاید ہو ہو جائے۔

(۱) ایک عنوان "اردو میں تابع مہمل" ہے کچھ تابع مہمل سماعی ہیں اُن کی فہرست تیار زیادہ تر قیاسی ہیں ان کے قاعدے ضابطے۔

(۲) دوسرا عنوان اردو کے "مردہ و نیم مردہ" الفاظ ہو سکتا ہے ایسے لفظ جو استعمال میں تھے مگر دیکھتے دیکھتے متروک ہو گئے مثلاً برقنداز"، "تلنگا"، "رامنگر"، "نارگی"، "بوچا"، "اصیل"، (ماما کے معنی میں)، "رتونا (خدمت گار کے مفہوم میں)"، "مردہا (چراسی کے معنی میں) کلنک"، (اب مستقل صرف کلنک کا ٹیکا ہے)۔ "آنچل" (بمعنی پستان) وغیرہا

سیکڑوں لفظ ایسے مل جائیں گے۔ نیم مردہ سے مراد وہ لفظ ہیں جو اب شاذ و نادر ہی استعمال میں آتے ہیں۔

اس ضمن میں وہ غلط الفاظ اور ترکیبیں بھی آسکتی ہیں جو عموماً ناقص مترجمین کی بدولت اردو میں گھس آئی ہیں مثلاً "معافی مانگنا" APOLOGY کا ترجمہ ہر جگہ معذرت سے کرنا حالانکہ بہت سے موقعوں پر اس کا اردو مفہوم "دفاع" یا "نصرت" سے ادا ہوتا ہے۔ MISBEHAVIOUR اور MISCONDUCT کا ترجمہ ہر جگہ "بدسلوکی" سے کرنا، حالانکہ بہت جگہ صحیح مفہوم "بدفعلی" سے ادا ہوگا۔ COMMUNALISM کا ترجمہ فرقہ پرستی سے کرنا حالانکہ یہ ترجمہ SECTARIANISM کا ہے۔ کیونلزم کے لیے ہمارے یہاں جانا ہوا لفظ مذہبی تعصب ہے۔

FREE FIGHT کا ترجمہ آزادانہ لڑائی سے کرنا وغیرہ

۳۔ یہ عنوان تو خالص ادبی و لسانی ہوئے باقی ایک عنوان نیم مذہبی و ادبی ہے۔ "نذیر احمد کا ترجمہ قرآن — اردو ادب کی حیثیت سے" اس پر خود ہی لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں مگر دیکھئے کہ مہلت ملے بھی[1]

عزیزی نور الحسن ہاشمی[2] بھی اگر یہ خط پڑھ لیں تو بہتر ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) افسوس ہے کہ مولانا مرحوم کا اندیشہ صحیح نکلا اور اس موضوع پر چند سطریں بھی لکھنے کی نوبت نہ آسکی۔

(۲) مراد ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی جو اس زمانہ میں صدر شعبہ تھے۔

مکتوب بنام نواب جعفر علی خاں آثرؔ لکھنوی کشمیری محلہ، لکھنؤ

دریاباد۔

۳ رجون ۱۹۶۳ء   بسم اللہ

مخدوم و مکرم!   السّلام علیکم

آپ کی زبان پر جُرمانہ (میم کے ساتھ) یا جریانہ (ب کے ساتھ ہے)؟
آپ کی زبان پر تلفظ باہر (بروزن ساغر) ہے یا باہر (بروزن ماہر)
خدا کرے آپ ہر طرح بخیر و عافیت ہوں۔

والسّلام

عبدالماجد

اس خط سے مولانا کے خالص طالب علمانہ ذوق و تحقیق کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا مرحوم تلفظ تک کا التزام رکھتے تھے۔

مکتوب بنام سید عبدالرحمن صاحب ٹھیکہ دار محلہ بزہری آباد

دریاباد

۲۷ رجون ۱۹۶۳ء   بسم اللہ

مہربان بندہ!   وعلیکم السّلام

میں اپنے لیے زیرنگیں، دم واپسیں، رنگ خزاں میں اعلان نون جائز نہیں سمجھتا جنبیت ویقین میں جائز سمجھتا ہوں۔

" زیر کمان " کی ترکیب عام قاعدے سے الگ اور مستقل گفتگو کی محتاج ہے۔
" رنگ و روپ " سے " و " حذف کر کے میں محض " رنگ روپ " استعمال کرتا ہوں۔

باقی میں کیا اور میری رائے ہی کیا۔

والسّلام دعاگو

عبد الماجد

مکتوب الیہ نے بعض لفظوں کے تلفظ اور بعض ترکیبوں کی صحت کے بارے میں پوچھا تھا یہ خط اسی کے جواب میں ہے۔

مکتوب بنام خلیق الرحمٰن صاحب قدوائی بڑاگاؤں ضلع بارہ بنکی

انہوں نے یاقوتی آم کے دو ظلم بھیجے تھے اس کے جواب میں یہ شکریہ کا خط بھیجا گیا

دریاباد

۲۶ جولائی سنہ ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السّلام

قلموں کی خبر نے دل باغ باغ کر دیا جزاک اللہ وماشاء اللہ — آم کا تحفہ یوں بھی کیا لذیذ اور رسیلا ہوتا ہے چہ جائیکہ جب اخلاص کی تہ میں ڈوبا ہوا ہو۔ سہ پہر کو کارڈ ملا اور شام کو میاں قیوم[1] نے قلمیں پہنچا بھی دیں۔ تحفہ چونکہ بے شان و گمان نصیب ہوا اس لیے نعمت غیر مترقبہ کا پورا مصداق۔

دعاگو

عبد الماجد

---

[1] مولانا مرحوم کے ماموں زاد بھائی کے لڑکے۔

مکتوب بنام صہبا لکھنوی رسالہ افکار کراچی

دریاباد
۳۰ جولائی ۱۹۶۳ء بسم اللہ

پیام

جوش نمبر کے بعد حفیظ جالندھری نمبر۔ آتش سیال کے بعد درماء اللحم کا اور شربت روح افزا کا! الحاد کو شہ دینے کے بعد تحسین اور پیشوائی اسلام کی! حسن تلافی کا حسین و قابل دید نمونہ۔

شاہ نامہ اسلام کا مصنف اور "سر سبز الماتم" کا خالق۔ آپکے ملک میں اندھیرے گھر کا چراغ۔ اکبر و اقبال دونوں کا جانشین۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) مولانا محمد علی کے انتقال پر حفیظ صاحب نے ایک تعزیتی نظم اس عنوان سے کہی تھی۔

مکتوب بنام حبیب انصاری صاحب

پلاٹ ۵۸، بلاک نمبر ۳، گلشن ماڈل ٹاؤن ڈھاکہ

دریاباد
۱۶ اگست ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیز مکرم!

شاعر نے تو "جہاں" سے بے نیاز ہو کر صرف "جان جہان" کی مانگی تھی اور

کہہ ڈالا تھا ؎

مکیں کی خیر ہو یارب مکاں رہے نہ رہے

میں یہ بے نیازی کہاں سے لا سکتا ہوں۔ مکان کی مبارک باد مکین کو دیتا ہوں اور خیر مکین و مکان دونوں کی "لامکان" سے مانگتا ہوں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے بے تکلف اور پرانے دوست صبغت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی کے منجھلے لڑکے ہیں۔ مکتوب الیہ کی اس اطلاع پر کہ انھوں نے اپنا ذاتی مکان بنوالیا ہے مکتوب بالا بھیجا۔

مکتوب بنام سید محمد مسلم رضوی ناظم آباد، کراچی

دریاباد

۴ر ستمبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

پیام

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مرحوم اکبر کے زمانہ میں تو رپٹ اللہ کا نام لینے پر لکھائی جاتی تھی، مگر اب تو وہ وقت آگیا ہے کہ خود حضرت اکبر کا نام لینا بھی رپٹ لکھانے کے قابل نظر آتا ہے۔ چہ جائیکہ ان کی یاد منانا اور یوم اکبر کی طرح منانا!

اکبر کا پیام اور تھا بھی کیا۔ بجز اسلام اور اسلامیت اور درس خودداری کے دل روتا جاتا اور چہرے پر بجائے آنسوؤں کے تبسم کے آثار طاری رکھنے۔ مرثیہ کا مضمون

نغمۂ طرب کی لے میں ادا کرتے۔
آفریں ہے آپ کی ہمت پر کہ آپ نے اس دور میں بھی ان کا پیام سنانے کی ٹھان لی۔

دعاگو
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حضرت اکبر الٰہ آبادی کے پوتے تھے انھوں نے یوم اکبر کے لیے پیام مانگا تھا۔

(۲) مراد لسان العصر حضرت اکبر الٰہ آبادی ہیں، خاص کر ترقی پسندوں کے پروپیگنڈے کی وجہ سے وہ جس ناقدری کا شکار ہوئے ہیں اس کی طرف مولانا مرحوم نے اشارہ کیا ہے

مکتوب بنام شیخ نصیر الرحمٰن قدوائی بڑا گاؤں بارہ بنکی

دریاباد
۱۳ ستمبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

برادرم سلمہٗ السّلام علیکم

آں عزیز کے صدر ضلع شکر کمیٹی ہونے کی خبر ابھی معلوم ہوئی ــــ اخلاص و اخلاق کی شیرینی پر اس رسیلی کمیٹی کی صدارت کا اضافہ مبارک ہو اور اللہ دنیا و آخرت میں شیریں کام ہی رکھے۔

اس خط کے حامل جھبر لال دریاباد کے قریب ہی کے رہنے والے کا بیان ہے کہ وہ ایک مدت دراز یعنی دس سال سے یہاں کی کنایونین میں موسمی عہدے دار ہیں۔ اور موسم کے ختم پر انھیں جواب مل جاتا ہے۔ آرزومند ہیں کہ خدمت کا موقع انھیں مسلسل ملتا رہے خدا معلوم محکمہ میں ملازمت کے قاعدے کیا ہیں۔ بہرحال اگر قاعدہ میں کوئی گنجائش نکلتی ہو

تو کیا عجب کہ نعم المولیٰ ونعم النصیر کا ورد کرتے ہوئے وہ اپنی آرزو میں کامیاب ہوجائیں۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا کے خصوصی تعلقات تھے یہ خط اس لحاظ سے بھی قابل غور ہے کہ اس سے مولانا مرحوم کے سفارش کرنے کے انداز کا پتہ چلتا ہے۔ مرحوم کبھی بھی ناجائز سفارش نہیں کرتے تھے اور نہ جس سے سفارش کرتے اس پر کوئی دباؤ ڈالتے تھے، جائز حدود کا لحاظ کرکے سفارش کرتے تھے۔

مکتوب بنام حاجی مقتدا خاں شروانی رسل گنج علی گڑھ

دریاباد۔

۷ر نومبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

حضرت سلامت! السّلام علیکم

"خیر مقدم"[1] پڑھا۔ قلم اٹھلاتا ہوا، گنگناتا ہوا انھیں صاف رقص کرتا ہوا نظر آیا۔ کیا قلم کی حد تک رقاصی آپ کے مذہب میں جائز ہے۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی نظم۔

مکتوب بنام مولوی محمد ہاشم انصاری فرنگی محلی لکھنؤ

موصوف نے مولانا مرحوم کو پنیر بھیجا تھا۔ دو سطری مکتوب ذیل اسی کے بارے میں ہے

دریاباد

۱۲ر نومبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السّلام علیکم

سبحان اللہ کیا چیز (CHEESE) آپ اس ناچیز کے لیے لے آئے۔ جزاک اللہ

والسّلام

عبدالماجد

(۱) یعنی پنیر۔

مکتوب بنام مولوی رئیس احمد جعفری ندوی ۸۹ ٹیگور پارک لاہور

دریاباد

۱۳ر جنوری ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

کل نفیس اکیڈیمی سے ایک بڑا سا پارسل وصول ہوا کھولا تو ترجمہ زاد المعاد کی چار جلدوں پر نظر پڑی ابھی کتاب کو کھولا تک نہیں پڑھنے کا کیا ذکر مگر نام ہی سے طبیعت بحال ہو گئی۔ دل شگفتہ ہو گیا ـــــ ناول نویسی کے بعد زاد المعاد ـــ کسب دنیا کے بعد توشۂ آخرت! فکر معاش کے بعد فکر معاد! ـــ صنم کدے منزل راہ اور کعبہ منزل مقصود۔

رند پارسا کا لخت جگر خود ایک رند پارسا۔

مطبوعات ثقافت میں انتظار ان کتابوں کا رہے گا۔

الغزنی، اسلام اور رواداری، ملفوظات رومی، پیغمبر انسانیت، سلاجقہ، سیاست نامہ ـــــ

دعاگو و دعا خواہ ـــــ

عبدالماجد

(۱) مراد حضرت ریاض خیرآبادی جو مکتوب الیہ کے نانا ہوتے تھے اور جن کی شاعری میں خمریات کا ذکر کثرت سے ہوتا تھا لیکن جنھیں بادہ نوشی سے کبھی تعلق نہیں رہا۔

پیام بنام ایڈیٹر صاحب مسیحا بمبئی

دریاباد

۱۳ر جنوری ۱۹۶۴ء بسم اللہ

طب یونانی تو مریضوں کے حق میں مسیحائی کا دعویٰ یوں بھی رکھتی ہے

اور اب آپ تو خود اسی طب کے لیے مسیحا بنے ہوئے ہیں! نورٌعلیٰ نور ۔

اللہ آپ کے قم باذن اللہ کی لاج رکھ لے۔

والسّلام

عبدالماجد

مکتوب بنام زوار حسین زیدی صاحب لاہور

دریاباد

۱۷ر مئی ۱۹۶۴ء بسم اللہ

مہربان بندہ! السّلام علیکم

مجھ سے بدخط سے جس کی بدخطی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہے۔ قلمی تحریر کی فرمائش کی خوب رہی، یہ آخر آپ کو میری رسوائی کی سوجھی کیا۔
مومن خاں فن نجوم یا جوتش میں بھی دخل رکھتے تھے فرما گئے ہیں۔

سو ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

اس، "قلم خود" کا حکم دینے کے بعد آپ بھی ستم ظریفی میں آسمان سے کچھ کم نہ رہے!
اب اپنے آئینہ خانہ کو بنائیے یا بگاڑیئے اس کی ذمہ داری آپ ہی پر ہے۔
بندے نے تعمیل ارشاد کر دی۔

دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا سے قلمی تحریر بھیجنے کی فرمائش کی تھی یہ خط اس کے جواب میں ہے

مکتوب بنام مولانا عبدالرؤف جھنڈے نگری رام دت گنج ضلع بستی

دریاباد
۱۱ر جولائی ۱۹۶۴ء

بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

آم "ڈھیر کے ڈھیر" آپ کے بھیجے ہوئے کھانے میں اب آئے جزاک اللہ۔ ننھے میٹھے اور رسیلے کہ حد تعریف سے باہر سبحان اللہ! — کہیں آپ نے اخلاص کا رس تو ان میں نہیں گھول دیا تھا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا کے مخلصوں میں ہیں۔

مکتوب بنام جناب بشیشور پرشاد منورؔ لکھنوی، دہلی

دریاباد
۱۱ر جولائی ۱۹۶۴ء

بسم اللہ

یوم افق

افقؔ صاحب کا نام نامی کان میں اس وقت پڑا جب میں اسکول کے ساتویں آٹھویں درجے کا طالب علم تھا ان کی ایک نظم اردو کورس میں داخل تھی غالباً کوئی "مسدس، "شہر آشوب"، قسم کا تھا دو ایک مصرعے اب بھی حافظہ میں رہ گئے ہیں۔

دو سال اوڑھ کر چلے ہیں فصل گرما میں
ہے شربتی کا انگرکھا بدن پہ گرما میں

جب ذرا اور بڑا ہوا تو اودھ اخبار میں کہ وہی اپنے دور میں اردو کا سب سے زیادہ سربرآوردہ اخبار تھا۔ ان کے مضمون پر مضمون دیکھنے میں آئے۔ شاعر کا نام بھی جبھی معلوم ہوا۔ ملک الشعراء کا لقب بھی ان کے نام کے ساتھ پڑھنے میں آیا۔ ان کی قدرت کلام کا اندازہ بھی اسی وقت ہوا۔ اس وقت وہ اخبار کے ایڈیٹر تھے اور یہ بجائے خود ایک اعزاز تھا۔

مشہور یہ تھا کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے اس کلیہ کی تردید میں ایک ہجوم جس طرح ایک طرف کشمیری پنڈتوں (نسیم، سرشار وغیرہ) کا تھا اسی طرح دوسری طرف کائستھوں کا تھا اور کائستھ برادری کے صف اول میں ایک جوالا پرشاد برقؔ تھے۔ اور دوسرے یہی دوارکا پرشاد افقؔ۔ اور حضرت افقؔ کی خوش نصیبی تھی کہ اپنا جانشین اپنے فرزند سعید اور شاگرد رشید کو چھوڑ گئے جو ہر طرح ان کے کام کو ترقی و تکمیل تک پہنچانے اور ان کے نام اور یاد کو "منور" رکھنے والے ہیں۔ ایسی خوش نصیبی کم ہی کسی کے حصہ میں آتی ہے۔

والسّلام

عبدالماجد

مکتوب بنام شان الحق صاحب حقی اڈیٹر اردو نامہ کراچی

دریاباد

۱۹ر نومبر ۱۹۶۴ء بسم اللہ

عزیز مکرم! السّلام علیکم

آپ کے ہاں "املا" کو برابر مونث لکھا جا رہا ہے۔ یہ تانیث ذرا کھٹک رہی ہے۔ حصہ لغت میں "اترانا" کی تحقیق آپ نے خوب ہی تفصیل سے درج کی ہے مگر "اترا آنے" کا ایک استعمال مجھے نظر نہ پڑا مثلاً اس فقرے میں کہ "آپ تو ذاتیات پر اتر آئے" "اترنا" عوامی زبان میں ایک فحش معنی میں بھی آتا ہے "چڑھنے" ہی کی طرح۔

والسّلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام مولانا قاری طیب صاحب دیوبندی، گاندھی آئی ہاسپٹل، علی گڑھ

دریاباد

۱۵ر دسمبر ۱۹۶۴ء بسم اللہ

حضرت محترم! السّلام علیکم

"آنکھ کی کہانی" آں محترم کا عطیہ یہاں آتے ہی پڑھ ڈالی۔ سبحان اللہ و ماشاء اللہ مجھے علم نہ تھا کہ آپ کو شعر و نظم پر بھی اس درجہ قدرت حاصل ہے۔ ذالک فضل اللہ

کیا کیا قافیے نکالے ہیں! کیسے کیسے مضمون باندھے ہیں! بیشہ ور شاعروں کے بھی چھکے چھوٹ جائیں — نہ کہیں سے جھول اتنی طویل نظم میں کہیں سے آورد نہیں بس آمد ہی آمد۔ خوش دماغ تو بہ حیثیت ایک بچے قاسم زادہ کے آپ تھے ہی اب معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ خوش فکر بھی اس درجہ میں ہیں۔ ماشاء اللہ

والسّلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم کو مکتوب الیہ سے خاص تعلق تھا۔
(۲) حضرت مولانا موصوف آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں علی گڑھ تشریف لے گئے تھے۔
(۳) اس آپریشن کے "بارے میں آنکھ کی کہانی" کے عنوان سے ایک طویل نظم حضرت مولانا دیوبندی نے لکھی تھی اور مولانا مرحوم کو بھیجی تھی۔ مکتوب بالا میں اسی پر تبصرہ ہے۔

مکتوب بنام پنڈت آنند نرائن مُلّا، لکھنؤ

دریاباد
۲۳ر دسمبر ۱۹۶۲ء بسم اللہ

کرم فرمائے بے کراں! تسلیم
۱۹ر کو لکھنؤ گورنمنٹ ہاؤس میں پریس کا سمیتی کی میٹنگ تھی اردو کے ممبر صرف ہم تھے صدر صاحب (لاٹ صاحب راجستھان) عین وقت پر بے چارے بیمار ہو گئے، جلسہ میں نہ آسکے۔ صدارت کا بار مجھ دیہاتی کے دوش ناتواں کو اٹھانا پڑا۔ آپ کی "حدیث عمر گریزاں" "ہم چار درویش" کی ٹولی کے لیے "باغ و بہار" ثابت ہوئی۔ انعام اول پر ہم سب متفق رہے اور اس فیصلہ نے شاعر کی نہیں فیصلہ کرنے والوں کی عزت میں اضافہ کیا۔

سرکاری اطلاع خدا معلوم آپ کو کب پہونچے۔ مبارک باد میں سبقت کرنے کی مسرت سے میں اپنے کو کیوں محروم رکھوں ـــــــ

نیاز کیش

عبدالماجد

(۱) مراد یوپی گورنمنٹ کی وہ انعامی کمیٹی جو اردو ہندی سنسکرت کی کتابوں پر انعام دیتی تھی ـــ

(۲) اس کمیٹی کے صدر اس زمانہ میں ڈاکٹر سمپورنانند گورنر راجستھان تھے۔

(۳) مولانا مرحوم کی زبان پر گورنر کے بجائے لاٹ صاحب کا لفظ تھا۔

(۴) مجموعہ کلام مکتوب الیہ۔

(۵) کمیٹی کے ممبر چار تھے۔ (۶) باغ و بہار میر امن کی مشہور تصنیف جس میں چار درویشوں کا قصہ ہے

مکتوب بنام خیر بہوروی غالب اکیڈمی بنارس

دریاباد

۲۳ر جنوری ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السّلام

مجموعۂ کلام کا نام "کارخیر" اے سبحان اللہ! یہ آپ نے میرے دل کی بات کہاں سے اڑالی! رشک آگیا یہ نام رکھتا تو میں رکھتا! کتاب کے اندر جو کچھ بھی ہو بہر حال اس "کارخیر" کا جواب ہو نہیں سکتا!

والسّلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے مجموعۂ کلام کا نام۔

مکتوب بنام حاجی محمد مقتدا خاں صاحب شروانی
رسل گنج علی گڑھ

دریاباد
۲۹ مارچ ۱۹۶۵ء بسم اللہ

کرم گستر ہنر پرورا وعلیکم السلام

یہ بے ہنر تو اپنے ہنر کی ہر تحسین کو بہ حکم عقل تحسین ناشناس ہی کے حکم میں رکھتا ہے پھر بھی نفس کا تقاضا ہے کہ کچھ قدر افزاؤں کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے اور اس مستثنیٰ جماعت کا "مقتدا" آپ سے بڑھ کر کون ملے گا۔

دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

مکتوب بنام عابد نظامی صاحب

حلقہ ادب پاکستان لاہور نے خواجہ حسن نظامی پر پیام نکالا تھا مکتوب ذیل اسی کا جواب ہے ـــــــ

دریاباد
یکم اپریل ۱۹۶۵ء بسم اللہ

البیلا ادیب

تاریخ زبان اردو کے پرچہ میں اگر یہ سوال آیا کہ البیلا ادیب کون گزرا ہے تو جواب صرف ایک ہی ہوگا ــــــ خواجہ حسن نظامی
وہ مستوں کا مست، سرشاروں کا سرشار، دیوانہ بکار خویش ہوشیار، ادب کا خادم

ادیبوں کا مخدوم سب سے نرالا، اپنی اداؤں میں البیلا، زبان والوں کا پیارا، ادب و انشا کی آنکھوں کا تارا ـــــ

والسّلام
عبدالماجد

مکتوب بنام حاجی معتدا خاں صاحب شروانی
رسل گنج، علی گڑھ

دریاباد
۱۷/اپریل ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

ہم سب کے امام و مقتدا! السّلام علیکم

خط پر خط پہونچ رہے ہیں۔ اور ہر دفعہ لطف عبارت سے محظوظ ہی کر رہے ہیں جواب میں کوئی بات عرض کرنے کی نہ سوجھی۔ کیوں خواہ مخواہ طول دوں ـــــ

والسّلام
عبدالماجد

مکتوب بنام مولانا اسد القادری صدر پاکستان اردو اکیڈمی کراچی

دریاباد
۲۳/جون ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

"توم شبلی" کی تحریک مولانا "اسد" کی طرف سے! بہت ہی خوب!

مرے شیر شاباش، رحمت خدا کی

پروگرام کی دفعات بکھری ہوئی مگر بڑی ہی نکھری ہوئی نظر آئیں۔ دلکش من موہنی

وجد آفریں، اہلِ قال سے بڑھ کر اہلِ حال کے قابل۔ یہ نیاز نامہ انھیں کی خاطر ہے۔

والسّلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب "چراغ راہ" کراچی

دریاباد

۵ر جولائی ۱۹۶۵ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

"چراغ راہ" کی روشنی آج پہلی بار اس "ظلمت کدہ" تک پہنچی بہ واسطہ "خورشید"۔

والسّلام

دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام پروفیسر معینُ الرحمٰن، گورنمنٹ ڈگری کالج بھاول نگر، پاکستان

دریاباد

۷ر جولائی ۱۹۶۵ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

بڑی ہی حیرت ہوئی کہ اس مضمون پر اظہار خیال رہ کیسے گیا، ایسا کبھی ہوتا نہیں خدا معلوم کیا چوک پڑ گیا اور حیرت سے بڑھ کر ندامت اور ندامت سے بڑھ کر معذرت واجب ہو گئی۔

"نقوش" کے آخری نمبر میں ذکر عبدالحق پڑھا۔ میں ہوتا تو عنوان رکھتا "عبدالحق بہ زبان عبدالحق" ـــــ یہ خلاق تو اللہ میاں کی سنی تھی کہ حشر میں جسم کے ایک ایک ٹکڑے ریزے کو جوڑ کر جسم کو پھر سے پیدا کر دیں گے اور نیست کو ہست بنا دیں گے ـــــ بندے کے لئے یہ صناعی بھی کچھ کم نہیں کہ اس نے چابک دستی سے صیغۂ غائب کو صیغۂ متکلم میں تبدیل دکو تبدیل کر دیا۔ حضرت خاک نے آخر کچھ تو حق احسن الخالقین کی نیابت کا ادا ہی کر دیا۔ نہ ہوا مشاعرہ ہر طرف سے صدائیں مرحبا سبحان اللہ کی آنے لگتیں۔

بہر حال میں تو قائل آپ کی دیدہ ریزی، ذہانت، ذوق مجمع غرض ایک لفظ میں آپ کی صنعت گری کا ہو ہی گیا۔

والسلام
عبدالماجد

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب "نشان منزل" بھوپال

دریاباد
۱۰ اگست ۱۹۶۵ء

بسم اللہ
پیام

منزل مقصود تو ہر کلمہ گو کی ایک ہی ہے اور الحمدللہ کہ آپ کا "نشان منزل" اس کی نشان دہی ہر ہر منزل پر کرتا جاتا ہے۔

مبارک ہے اس سفر کی منزل اور مسافر کو ہر قدم پر اس کی نشان دہی بندے کے ہاتھ میں کوشش کے سوا اور ہے کیا؟ نتیجہ حاصل اس کے بس کا نہیں لیکن ثمرۂ آجل بہر حال کہیں گیا نہیں اور ہمارے آپ کے لیے یہی سب کچھ ہے۔

والسلام
عبدالماجد

مکتوب بنام مہر صاحب سالک روڈ مسلم ٹاؤن، لاہور

دریاباد۔

۱۶/ اگست ۱۹۶۵ء بسم اللہ

برادرم و مہر عالم! وعلیکم السّلام

مولاناؒ کے کسی مقالے متعلق "مریم زمانی" کا علم مجھے آج پہلی بار آپ سے ہوا۔ یہ میرے ذہن میں بالکل نہ تھا۔ عزیز کا دیوان "گل کدہ" اسی زمانے میں نکلا۔ مولاناؒ نے اس کے دو لفظوں "مستی" اور "تحریک" پر گرفت کی تھی کہ ان میں پہلوئے ذم نکلتا ہے (یہ پہلوئے ذم کی بحث خالص لکھنوی مذاق کی تھی) اور حیرت ہے کہ مولانا نے صرف چند ماہ کے قیام لکھنؤ میں ان باریکیوں پر بھی عبور حاصل کر لیا تھا۔ عزیز خود مستند اہل زبان تھے ان غریب کو بھی وہ نکتے نہ سوجھے جو مولانا کو سوجھ گئے تھے۔ بحث میں حصہ معشوق حسن صاحب اطہر ہاپوڑی (شاگرد داغ) اور شاعروں اور ادیبوں نے بھی لیا تھا کچھ مضمون مخزن میں نکلے تھے اور کم سے کم ایک مضمون لکھنؤ کے رسالہ صبح امید (اڈیٹر چکبست لکھنوی) میں ادیب کے فرضی نام سے۔

اس رسالہ کی جلدیں لکھنؤ کی جس لائبریری میں ہیں اتفاق سے اس کی CHECKING اس وقت ہو رہی ہے اس لیے کتابیں فوراً نہیں نکل سکتی ہیں۔

کراچی کے ابو سلمان صاحبؒ تو ابوالکلامیات کے ماہر ہیں ان سے دریافت فرمایئے میرے خط کا تو شاید جواب نہ دیں معتوبؒ نہ ہوتا تو خود ہی لکھتا۔

مسودہ کی واپسی کا منتظر ہوں۔

والسّلام
عبدالماجد

(۱) مراد مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔
(۲) ابوسلمان شاہجہاں پوری جو مولانا آزاد کے خاص معتقد ہیں اور ان پر سند کا درجہ رکھتے ہیں۔
(۳) اس زمانہ میں مولانا اور ابوسلمان صاحب میں کچھ بے تعلقی تھی جو بعد میں جاتی رہی
(۴) مسودہ تفسیر قرآن جس کے پبلشر کو طے کرنے کی کوشش مہر صاحب نے بھی کی تھی۔

مکتوب بنام طالب چکوالی لاجپت نگر نئی دہلی

دریاباد
۲۲ راگست ۱۹۶۵ء بسم اللہ
کرم گستر! تسلیم
"برگِ سبز" موصول ہو گئی تھی۔ وقت نکال کر ادھر ادھر سے سیر کر لی۔ "برگ" کا ہے کو ہے چمن ہے گلزار و شاداب اور آپ طالب نہیں اردو کے حق میں تو عین مطلوب ہیں۔
دعاگو
عبدالماجد

مکتوب بنام درشن سنگھ دگل صاحب، ۲۱۹ لکشمی نگر، نئی دہلی

دریاباد
۱۱ ستمبر ۱۹۶۵ء بسم اللہ
مہربان بندہ! تسلیم
آپ کے کلام پر جو سرسری نظر ڈالی تو آپ اس شہد کی مکھی کی طرح نظر آئے

جو بلاتفریق و امتیاز ہر شیریں و شاداب پھول سے رس چوستی پھرتی اور اس سے لذیذ نفیس حیات بخش شہد یا امرت تیار کرتی رہتی ہے۔

یا پھر اس عاشق صادق کی طرح جو رسوم ظاہری ہی ایمان سے بیگانہ لیکن محبت و معرفت کی منزلوں میں دیر و حرم دونوں کا یگانہ، ہر طرف تلاش نور کا مستانہ گھومتا پھرتا ہے۔ اور جہاں کہیں اسے کوئی کرن نظر آتی ہے بس اپنی جبین عقیدت سے وہیں سجدہ ریز ہوجاتا ہے مبارک ہے ایسا شاعر اور ایسی شاعری خصوصاً اس شر و فساد کے دور میں اس آپا دھاپی میں اس نفسا نفسی کی بھاگ دوڑ میں۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام حیات اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ

دریاباد

۱۴ ستمبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

قومی آواز کے بعض لفظ اور ترکیبیں اور ترجمے ایک مدت سے کھٹک رہے ہیں چند بطور نمونہ اس وقت پیش کئے دیتا ہوں جو برجستہ یاد پڑ گئے۔

۱۔ ANY کا ترجمہ بجائے ہر کے "کسی" سے مثلاً اس سرخی میں کہ یوتھانٹ کی کسی بھی تجویز پر غور ہو سکتا ہے۔

۲۔ "غرضیکہ" بجائے "غرضکہ"

۳۔ "علاوہ" بجائے "سوا" کے مثلاً یہ فقرہ کہ "صدر کے علاوہ اور سب کھڑے ہوئے

۴۔ "توجہ دی" بجائے "توجہ کی" (توجہ دینا تو ایک خاص اصطلاح نقشبندیہ کی ہے۔)

۵۔ "رسمی" بجائے باضابطے کے معنی میں (عربی کا رسم اردو کے رسم سے بالکل مختلف ہے اردو میں رسمی کے مقابل ہے ——— ؟ اور مترادف ہے لفظی یا ظاہری کا)

۶۔ "کافی" بجائے "بہت" "یا بڑا" کے مقدار یا تعداد کی زیادتی کے اظہار کے لیے۔

۷۔ "آزادانہ" FREE کے بجائے خوب خوب یا سخت وغیرہ خوب خوب لکچربازی ہوئی۔ بڑی مار پڑی۔

۸۔ جراءت مندانہ یا دلیرانہ ڈکیتی کے بجائے بے دردانہ، بے رحمانہ۔ سفاکانہ۔

۹۔ ممکن ہو سکا بجائے ممکن ہوا یا محض ہو سکا کے۔

۱۰۔ بدسلوکی کے بجائے "بدکاری" بدفعلی، بداطواری کے لیے۔

والسّلام

عبدالماجد

بنام حکیم مولوی محمد زمان حسینی قاسمی دواخانہ کولوٹولہ کلکتہ

دریاباد

۲ر نومبر ۱۹۶۳ء کرم گستر! وعلیکم السّلام

تقریب عقد[1] اور وہ بھی خاندان "نامی" میں اللہ ہر طرح مبارک و مسعود کرے اَللّٰھُمَّ الف بینھما الخ یہیں سے پڑھے دیتا ہوں اسی کو جسمانی حاضری کا بدل سمجھا جائے۔ والسّلام

عبدالماجد

(۱) یہ عقد مولانا محفوظ الرحمٰن نامی مرحوم (بہرائچ) کی تیسری صاحبزادی سے حکیم محمد زماں صاحب کے فرزند حکیم مولوی محمد عرفان الحسینی سے ۲۲ر نومبر ۱۹۶۳ء کو ہوا تھا۔

مکتوبُ بنام حاجی مقتدا خاں صاحب شروانی رسل گنج، علی گڑھ

دریاباد۔
۱۵ر نومبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

مقتدی کا سلام مقتدا کو

ارذل کا خطاب افضل سے۔

لکھنؤ میں صوبہ جج کیمٹی میں آپ کی ذات برادری کے ایک صاحب سے ملاقات ہوئی آپ کا ذکر خیر چھڑ کر اکبرؔ کا مصرعہ آپ کی شان میں بلکہ آپ کی آن میں انھیں سنایا۔

ع قیامت ڈھائے گا جنّت میں یہ بوڑھا جواں ہو کر

سُن کر پھڑک گئے، اور کیسے نہ پھڑکتے اللہ نے تخلیق ہی آپ کی ایسی کی ہے بڑھے لکھوں کی زبان میں ایک عجوبہ عام اور نخاس والوں کی بولی ٹھولی میں بوڑھے بالم۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوبُ بنام حیاتُ اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر، قومی آواز، لکھنؤ

"ان کی بیگم پر لکھنؤ میں رات کو رکشے پر ایک رہزن نے حملہ کیا تھا اور انصاری صاحب نے اسے مقابلہ کر کے بھگا دیا تھا یہ خبر قومی آواز میں شائع ہوئی اسے پڑھ کر مکتوب ذیل بھیجا گیا"۔

دریاباد۔
۳ر دسمبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

نئی ILIAD پڑھ کر

اہل قلم تو تھے ہی اہل سیف ہوناتھا اور اپنی ہیلن HELEN کے بچاؤ میں معرکہ سرکر کے "ویرچکر" کا تحفہ و اعزاز پاناتھا۔

میرے شیر شاباش رحمت خدا کی

عبدالماجد

مکتوب بنام حیات اللہ انصاری صاحب

* مکتوب الیہ دریاباد آئے تھے لیکن بجائے مولانا مرحوم کے قیام دوسری جگہ کیا اس پر یہ شکایت آمیز مکتوب بھیجا۔

دریاباد۔

۱۳/دسمبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

آمد دریاباد کی افواہی روایت کی تصدیق وتحقیق کہیں کل شام کو جاکر ہوئی!

ناطقہ سربہ گریباں کہ اسے کیا کہئے

میری مشرقیت اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی کہ میں موجود اور میزبانی کسی دوسرے کے حصہ میں جائے۔

ہم سے پردہ رہا غیروں سے ملاقات رہی

امینؒ مرحوم کا قریب ترین بزرگ میں ہی تھا اور مجھ ہی سے یہ بیگانہ وشی و بے التفاتی

شبلی کا گھر بھی خانہ دشمن کے پاس ہے

محشر خرام اور بھی دو اک قدم سہی

بیگانہ وشی کا ریکارڈ قائم کرنا اسی کو کہتے ہیں!

بھول جانا ہمارا یاد رہے

والسّلام۔ عبدالماجد

(۱) مراد حکیم ڈاکٹر امین دریابادی جو مولانا مرحوم کے بھانجے ہوتے تھے اور جن کا اس زمانہ میں انتقال ہوا تھا۔

مکتوب بنام مولوی سراج الحق مچھلی شہری حسن منزل الٰہ آباد

دریاباد۔
۱۴؍دسمبر ۱۹۶۵ء بسم اللہ

دو حرف
از عبدالماجد

وہ مدح کا غذی ہی سہی اس عالم ناسوت میں جاری کرنے والے کو جنت کی بشارت مبارک ہو ـــ یاران نبی کا مدح خواں بھی اگر جنتی نہ ہوگا تو اور کون ہوگا؟

مدح جو سر تا سر شرعی حقیقتوں پر ہو اس کا امتزاج شاعرانہ نازک خیالوں اور مضمون آفرینیوں کے ساتھ تقریباً محال ہے اچھے اچھے اکابر عطار و جامی کے پائے کے لغزش سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکے ہیں تو اپنے دور کے سراج بیچارے سے یہ توقع کیوں کیجئے کہ ان کا قلم ادبی بیچ پر کبھی پڑے ہی گا نہیں لیکن پھر بھی یہ ایک ٹھوس واقعیت ہے کہ ان کا قلم سراج وہاج ثابت ہوا ہے! کیا بہ لحاظ مضمون کیا بہ لحاظ صناعی حسن معنی و حسن صورت کا مجموعہ۔ اجر و ثواب کمانے والوں اور لطف و لذت کا چٹخارہ لینے والوں دونوں کے لیے یکساں جاذب نظر۔ اندھیرے گھر کا چراغ۔

(۱) مکتوب الیہ کے کلام پر۔

(۲) مکتوب الیہ کے کلام کا مجموعہ جو مدح صحابہ میں تھا۔

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب "اردو نامہ" ترقی اردو بورڈ کراچی

دریاباد۔
۲۷ مارچ ۱۹۶۶ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

مدت دراز کے بعد بحمداللہ "اردو نامہ" پھر دیکھنے کو ملا ۲۱ و ۲۲ ایک ساتھ۔ پیاسے کو پانی نصیب ہوا۔ شوکت سبزواری صاحب اشتقاقیات پر جب اور جو کچھ لکھتے ہیں اچھا ہی لکھتے ہیں۔

ممتاز حسن کا مضمون مرتضیٰ ادیب پر بھی اچھا ہے۔

بھاگڑ می بولی پر ایک دہلوی خاتون نے خوب لکھ دیا ایک چھوٹا سا لغت اس نمونہ پر اودھ کی بھی دیہاتی بولی کا تیار کیا جا سکتا ہے اور اس کے لیے خود جوش صاحب بالکل کافی ہیں

صحت الفاظ کے معیار پر جن صاحب نے قلم اٹھایا ہے وہ قابل مبارک باد ہیں۔ معیار صحت ظاہر ہے کہ صرف اہل زبان کا استعمال و تصرف ہے انگریزی اصطلاح میں USAGE قاموس الاغلاط (اللہ اس کے مرحوم مصنف کو غریق رحمت فرمائے) بجائے خود مجموعۃ الاغلاط ہے۔ ایسے ملائے مکتبی کو اردو پر توجہ فرمانے کی ضرورت کیا تھی خواہ مخواہ اردو بول چال کے سیکڑوں الفاظ کو عربی قواعد کی چھری سے ذبح کر ڈالا ہے۔

حصہ لغت حسب معمول بڑے شوق سے پڑھا اور مستفید ہوا۔ صرف دو لفظوں سے متعلق ہلکی سی کھٹک رہی۔ اجازہ کے تحت میں اگر بعض علوم کا اجازت نامہ اور بڑھا دیا جائے تو کیا ہے؟ مثلاً فن طب میں اجازہ مسیح الملک سے حاصل کیا۔ فن حدیث میں علمائے حرمین سے جا کر لائے۔ جلیل کا ایک مصرعہ ہے۔

دین اللہ کی ہے اس میں اجارہ کیا ہے

اس اجارہ کو آپ واضح طور پر کس معنی کے تحت لائیں گے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام نادم سیتاپوری بذریعہ عبدالرشید واچ میکر طلاق محل کانپور

دریاباد۔

۱۷/اپریل ۱۹۶۶ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

جی نہیں بھوشن یدم بھوشن وغیرہ کا کوئی خطرہ نہیں۔ رقم سے متعلق بھی بڑا دھوکا پبلک کو دیا گیا ہے[۱]

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

مفصل روداد خود اپنے قلم سے آئندہ ہفتے "صدق" میں دوں گا۔ آپ کا پنوڑ خوب ہیجئے سیاست وغیرہ سے تعلق ہو جائے تو بہت خوب ہے۔

لیکن یہ قیام "طلاق محل" میں کیا معنی لاحول ولا قوۃ ایسا منحوس نام! "وصال منزل" ہوتا تو ایک بات بھی تھی۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) یوپی گورنمنٹ کی اردو ہندی مشترک انعامی کمیٹی نے مولانا مرحوم کو ان کو اردو ادب کی خدمت کے سلسلے میں ۵ ہزار کا انعام دیا تھا یہی اردو مصنفین کے لیے سب سے بڑا انعام تھا اس خط میں اسی کا ذکر ہے۔

(۲) اس زمانہ میں مکتوب الیہ کا قیام کانپور میں تھا۔

مکتوب بنام سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب ایم اے شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

دریاباد۔

۲۱/اپریل ۱۹۶۶ء بسم اللہ

عزیز! وعلیکم السلام

جون میں یہ مشورہ ڈاکٹر صاحب میٹنگ ضرور ہو۔ شاہ صاحب کا پروگرام معلوم ہوگیا

اب کی معارف میں نوٹ کرنے کے قابل کئی باتیں نظر آئیں اور بڑی بات یہ کہ اس کے لیے وقت مل گیا۔

۱۔ مناقب الاصفیاء پر بحث خواہ مخواہ بڑھتی جا رہی ہے۔ موضوع سے دلچسپی رکھنے والا گروہ بہت ہی محدود ہوگا۔

۲۔ ص ۲۴۵ شروع کی سطر ۳ اعراف اس معنی میں اردو کے لیے بالکل نامانوس ہے عرف ہی جمع کا کام بھی دیتا ہے۔

۳۔ املا بہت سی جگہ اس طرح کا نظر آیا۔ کیلئے کیجاتی ہے ملکر۔ لیکر یہ سب بدلنے کے قابل ہے۔

۴۔ ص ۲۴۴ خامہ فرسائی غلط موقع پر استعمال ہوا ہے۔

"وہ رند بلانوش بھی تھے اور زاہد باصفا بھی"، اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی وقت میں تھیں اور آخر وقت تک رہیں اسے یوں لکھا جاسکتا ہے "اگرچہ اب ان کا شمار زاہدان باصفا میں تھا لیکن کبھی رند بلانوش بھی رہ چکے تھے"

اس کے بعد والا فقرہ بھی ایسا ہی ہے۔

یہ خط جوابی نہیں صرف اطلاعی ہے ۔ والسلام

دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب "ہماری زبان" علی گڑھ

دریاباد۔

۲۸ر اپریل ۱۹۶۶ء بسم اللہ

مکرم بندہ!

آپ کا ۲۲ر کا پرچہ پیش نظر ہے اس کے ایک مراسلے میں سابق کے ایک مکتوب نگار سید فضل الحسن کے مکتوب ۲۲ر مارچ کی چار عبارتوں پر گرفت کی گئی ہے عبارتیں یہ ہیں۔
۱۔ ابھی حال میں، ۲۔ کوئی اعلیٰ پایہ کا خوش خط۔ ۳۔ ایک اہم ترین۔ ۴۔ موئے قلم کی کاوش۔

مجھ کم سواد کو ان چاروں میں زبان کی کوئی بھی غلطی نظر نہ آسکی۔ "حال" میں تاکید زور کا اضافہ محاورہ روزمرہ میں بالکل جائز ہے اور "موئے قلم کی کاوش" کی غلطی تو اور بھی سمجھ میں نہ آئی فصحاء کا استعمال لغت صرف ونحو کے قاعدہ پر حاکم ہے محکوم نہیں "اہم" اردو میں لازمی طور پر افعل التفضیل نہیں "اہم تر" اور "اہم ترین" دونوں بالکل درست ہیں۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام مفتی محمد رضا صاحب فرنگی محلی لکھنؤ

دریاباد۔

۱۱ر جون ۱۹۶۶ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السّلام علیکم

مولوی سید امین الحسن بسمل موہانی مرحوم میرے عزیز ترین دوستوں میں تھے اور فرنگی محل کے مرید ان کے بجائے سید ظہور الحسن موہانی شرکت عرس فرنگی محل کے لیے آج ہی کل میں حیدر آباد سے لکھنؤ پہنچ رہے ہوں گے (میرے خط میں تھا کہ ۱۳ کو پہنچ جائیں گے)۔ بس دوسرا ورق کاٹ کر ان کے حوالہ کر دیا جائے۔

"علاوہ" کا استعمال موقع نفی پر ذرا نازک ہے۔ اچھے اچھے اس میں چوک جاتے ہیں، علاوہ ایک سبیل کے اور کوئی سبیل موجود نہ تھی یہ موقع علاوہ کا نہیں بجز یا سوائے کا ہے۔ علاوہ کے معنی بشمول کے ہیں۔ حذف کے نہیں۔

"قومی آواز"[1] نے بدسلوکی کی ادبی بدعت جاری کر کے اب اس سے بھی بڑھ کر غضب ہم جنسی کی شروع کی ہے۔ اردو میں چلے ہوئے لفظ اس گندے مفہوم کے لیے ہیں اگر انھیں چھوڑنا ہی ہے تو "تلذذ بالمثل" سے کام لینا تھا۔ "ہم جنسی" تو اس موقع کے لیے سو فی صدی مہمل ہے۔ والسلام

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا تعلق قومی آواز سے بحیثیت رپورٹر تھا۔

(۲) انگریزی لفظ HOMOSEXUALITY یا اغلام کا ترجمہ قومی آواز نے ہم جنسی سے کیا تھا اسی پر ٹوکا ہے۔

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب "اردو نامہ" کراچی

دریاباد

۳۰ جون ۱۹۶۶ء بسم اللہ

کرم فرما! السّلام علیکم

آپ کا نمبر ۴۴ پہنچا اپنا مراسلہ اس میں پڑھ کر سر پیٹ لیا "اجازہ" "ز" کے نقطہ اڑا کر اسے "اجارہ" بنا دینا آپ کے کاتب صاحب کا کمال فن ہے کیا انھوں نے مجھے بے "نقط" سنانے کی ٹھان لی ہے میں نے "اجازہ" اور "اجارہ" دونوں پر الگ الگ عرض خیال کیا تھا انھوں نے دوئی کو مٹا کر دونوں لفظ ایک کر دیئے۔ پڑھنے والوں نے میرے متعلق کیا رائے قائم کی ہوگی۔

اپنی بدخطی کا میں خود بہت قائل ہوں لیکن اس سے اس درجہ رسوائی کم ہی میرے نصیب میں آئی ہوگی۔

ص۶۵ ک ۱ کے اخیر اور ک ۲ کی پہلی سطر میں اجازہ زائے منقوط کے ساتھ پڑھیئے بمعنی اجازت نامہ اس کے بعد ک۲ سطر س ۴ میں اجارہ ہے۔ دیکھئے یہ تصحیح بھی کس صورت میں چھپ کر آتی ہے۔

اب کی قسط لغت میں بعض لفظ بہت نامانوس سے نظر آئے مثلاً اجنون۔ اجوین۔ اجدت، اجھنوں۔ اجھوں۔ آج کیوں نہ ان سب کے آگے متروک بڑھا دیا جائے جیسا کہ اجیرن کے آگے آپ نے خود بڑھا دیا ہے۔

اس نمبر میں ہاشمی فرید آبادی مرحوم کے خطوط بہت خوب ہیں پر لطف بھی اور پر معلومات بھی اور جوسش صاحب کے مضمون کا تو کیا ہی کہنا "برات"، انھوں نے خوب ہی سجا کر نکالی ہے اس کا سہرا انھیں کے سر اور رہی اس برات کے نوشہ!

عطیہ خلیل صاحبہ کے مراسلے کے سلسلہ میں ایک شعر اور یاد پڑ گیا اس مشہور غزل کا مطلع ہے ؎

از مذہب من گبر و مسلمان گلہ دارد
وز پنجۂ من چاک گریبان گلہ دارد

یہ اس لیے لکھ دیا کہ شاید شاعر کے نام کی تلاش میں اس سے کچھ مدد مل جائے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام حیات اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر "قومی آواز" لکھنؤ

دریاباد۔

۲۲ جولائی بسم اللہ

کرم گستر! السّلام علیکم

قینچی معماروں کی اصطلاح میں لوہے کی ان آڑی سلاخوں کو کہتے ہیں جو بہ طور چنگلے کے کسی عمارت پہ حفاظت کے لیے لگادی جاتی ہے۔ کبھی بل کا ٹھاٹھر جس پر رکھا جاتا ہے اسے بھی کہتے ہیں لیکن لکھنوی شاعر نے اسے پہلے معنی میں استعمال کیا ہے اور چونکہ رعایت لفظی کا مارا ہوا ہے قدرةً اس کا ذہن لفظ قینچی سے مقراض کی طرف منتقل ہوا اور اس سے اس نے کبوتر کے پر قینچ کر دیئے اللہ اس غریب کو غریق رحمت کرے کہ اس نے بے پر کی نہیں اڑائی۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) قومی آواز میں گلوریوں کے کالم میں ایک لکھنوی شاعر کا مذاق اڑایا گیا تھا کہ انھوں نے شعری قینچی سے کبوتر کے پر کاٹے ہیں مولانا مرحوم نے اس بارے میں مکتوب بلا بھیجا۔

مکتوب بنام پروفیسر آل احمد سرور صاحب
جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

دریاباد۔
۱۲ اگست ۱۹۶۶ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

آپ ادھر پٹنے گئے اُدھر یہ نیاز مند پٹنے کے قریب پہنچ گیا ۳۲ دانتوں میں ایک زبان سہنی تھی۔ ۳۱ جولائی کو الٰہ آباد⁽¹⁾ میں دیکھنے میں آئی۔ اردو کا تن تنہا نمائندہ یہ بے زبان۔ آپ نے شرکت نہ کر کے ظلم کیا اردو پر اکیڈمی پر اور خود اپنے پر، کون جانتا تھا کہ یہ غم سرور کے ہاتھوں اٹھانا پڑے گا۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) ہندوستانی اکیڈمی کا جلسہ تھا جس میں سرور صاحب مشغولیت کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔

مکتوب بنام مولوی حبیب ریحان خان ندوی ایڈیٹر نشان منزل "بھوپال،
(مندرجۂ ذیل پیام بھیجا گیا)

دریاباد۔
۱۳ اگست ۱۹۶۶ء بسم اللہ

پیام

دین کا نشان "علم"، تو نشان منزل، مدت سے اٹھائے ہوئے ہے اور منزل مقصود

کی نشاندہی بھی اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے ہے اور اس سے زیادہ چاہیئے کیا بس اللہ اس کے کارکنوں کے اخلاص اور بصیرت میں بھی دن دونی اور رات چوگنی ترقی اور برکت دے۔

عبدالماجد

مکتوب بنام طاہر محسن کاکوروی، دفتر نور اللغات کاکوری لکھنؤ

دریاباد۔
۲۰ ستمبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

۱۔ "فضل" کے لیے میں نے اپنی تفسیر میں کچھ لکھا ضرور ہے لیکن اب اسے دوہرانا آسان نہیں۔ باقی آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی صحیح ہے اور اپنی جگہ بالکل کافی۔

۲۔ "فروق" پر ضرور لکھیئے لیکن کل کتاب تو بڑی ضخیم ہو جائے گی۔ اسماء، صفات، افعال۔ سب ہی اس کے تحت آجائیں گے۔ اسماء مثلاً گلا، حلق، حلقوم، ٹیٹوا کا فرق صفات مثلاً سادہ دل، سادہ مزاج، سادہ لوح کا فرق۔ افعال مثلاً لکھ دیجئے، لکھ ڈالئے، لکھ مارنے کا فرق۔

مماثل الفاظ کا ذخیرہ تو بہت بڑا ہے۔

۳۔ اللہ۔ رب، خدا کا فرق ضرور لکھئے۔

۴۔ الف مقصورہ کا املا تو انجمن ترقی اردو نے عرصہ ہوا محض الف کر دیا مثلاً ادنیٰ کے بجائے ادنا۔ تعالیٰ کے بجائے تعالا۔ اعلیٰ کے بجائے اعلا مگر یہ رواج پوری طرح چل نہ سکا حروف کے بدلنے کی بحث دوسری ہے ص کے بجائے س، ح کے بجائے ہ اور ض کے بجائے ز کرنے میں بڑی ہی دقتیں پیش آئیں گی اور معنی اور مفہوم میں ایک بھونچال آجائے گا اس لیے اس رائے کا میں قطعی مخالف ہوں۔ لغت کا کام فرد واحد کے بس کا نہیں۔ انگریزی کے

بڑے لغت دس دس بیس بیس فاضلوں نے مل کر اور انگریزی ادب کی ہزار ہا ہزار کتابیں من وعن مطالعہ کرنے کے بعد لکھی ہیں۔ پاکستان میں اردو لغت کا کام اب اس بڑے پیمانہ پر حکومت کی سرپرستی میں شروع ہوا ہے۔

مولوی نورالحسن[1] مرحوم تن تنہا لغت لکھ کر بڑا ہی مجاہدہ کر گئے۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مصنف نوراللغات اور مکتوب الیہ کے دادا۔

مکتوب بنام حیات وارثی صاحب سکریٹری اردو ہندی سنگم باغ مولوی انوار لکھنؤ

دریاباد۔
۱۴ر دسمبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

پیام[1]

حسرت موہانی سچے مسلمان تھے۔

" صاحب ایمان وعرفان تھے۔

" محبت کی جان اور اخلاص وایثار کے مجسم نشان تھے۔

" قناعت اور توکل میں اپنی مثال آپ تھے۔

" ایک بہترین شاعر خصوصاً غزل گو تھے۔

" جرأت وہمت میں لاثانی تھے۔

" جاں بازی و بے خوفی میں فرد فرید تھے۔

" ایک بہترین ناقد وادیب تھے۔

اخلاق، کردار، عقل و ذہن کی خوبیوں کی جامعیت کے لحاظ سے ایک مکمل انسان تھے

عبدالماجد

(۱) یہ پیام حسرت موہانی کی وفات پر بھیجا تھا۔

مکتوب بنام مولانا محمد طیب صاحب دارالعلوم دیوبند

دریاباد۔

۱۷ جنوری ۱۹۶۷ء بسم اللہ

مخدوم و کرم! وعلیکم السلام

آپ کی آنکھ ماشاء اللہ کیا بنی کہ آپ نے بہتوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اور ہم بے بصروں کو بھی اپنی بساط کے مطابق کچھ نور کی شعاعیں نظر آنے لگیں۔

نور السموٰت والارض بصیرت و بصارت دونوں میں ترقی بخشے اور لفظ و معنی، ادب و معرفت دونوں پر آپ کی حکمرانی برقرار رکھے۔

"صدق" میں بھی انشاء اللہ ضرور ذکر آئے گا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے آنکھ کی آپریشن کے بارے میں ایک نظم "آنکھ کی کہانی" کہی تھی مولانا کو بھی بھیجی تھی خط میں اسی طرف اشارہ ہے۔

مکتوب بنام ایڈیٹر صاحب "ہماری زبان" علی گڑھ

لفظ چورنی

چوٹے کے لیے مونث چوٹی تو مستعمل ہے لیکن چور کا مونث کہیں نظر سے نہیں گزرا

البتہ شاہ رفیع الدین دہلوی قدیم مترجم قرآن کے ترجمہ قرآن مجید کے ایک ایڈیشن میں السارقۃ کے لیے لفظ چورنی نظر سے گزرا۔

شاہ صاحب کا شمار اہل زبان میں ہے اس لیے تنہا ان کی سند کافی ہے لیکن اگر ایک آدھ سند کہیں اور سے مل جاتی تو دل کو مزید اطمینان ہوجاتا۔ بہر یہ امر بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ شاہ صاحب کے ترجمہ کے میں نے پانچ مختلف ایڈیشن دیکھے مگر یہ لفظ صرف ایک ایڈیشن میں ملا اور یہ ایڈیشن تاج کمپنی (لاہور وکراچی) کا مطبوعہ چھوٹی حمائل کی صورت میں ۔۔۔۔۔

عبدالماجد
دریاباد۔ بارہ بنکی

مکتوب بنام حبیب احمد صدیقی صاحب ممبر یوپی پبلک سروس کمیشن الٰہ آباد

دریاباد۔
۱۳ر فروری ۱۹۶۷ء بسم اللہ

مخلص نواز! وعلیکم السلام

"حیرانگی" کا لفظ مجھے تو نہ کسی اردو لغت میں ملا نہ کسی اور ادیب کی تحریر میں، ہاں بعض عوام کو بولتے سنا ہے۔ مولانا آزاد نے اگر استعمال کیا تو بے خیالی میں ہی کر گئے ہوں گے بڑے سے بڑے ادیب سے بھی بے التفاتی اور بے توجہی ہو ہی جاتی ہے

والسلام دعاگو دعاخواہ
عبدالماجد

مکتوب بنام محمد عصمت خاں صاحب سکریٹری اردو فارسی سوسائٹی لکھنؤ

پیام بہ موقع یوم اکبر

دریاباد۔
۱۵؍مارچ ۱۹۶۷ء

کلام اکبر کی اگر آپ کو چاٹ پڑ گئی تو ایک ہی وقت میں۔
۱۔ آپ نے اپنی زبان بھی درست کرلی۔
۲۔ اردو کے ایک اچھوتے، لطیف، پیارے اسلوب بیان کے بھی رمز شناس ہو گئے۔
۳۔ اپنی سخن گوئی، سخن فہمی، سخن سنجی کی بھی نوک پلک درست کرلی۔
۴۔ توحید و معرفت کی بھی چاشنی چکھ لی۔
۵۔ اپنے اندر مشرقیت، اسلامیت، غیرت ملی اور خودداری کی روح بھی جذب کرلی۔
اکبر اور کلام اکبر پر سیکڑوں صفحے لکھ چکا ہوں اور پھر بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کچھ بھی نہیں لکھا اللہ تکملہ آپ لوگوں کے ہاتھ سے کردے۔

عبدالماجد

مکتوب بنام فرحت انوار صاحبہ

۵۲۔ایم سی ایچ ہاؤسنگ سوسائٹی بلاک کراچی

دریاباد۔
۲۰؍مارچ ۱۹۶۷ء بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! وعلیکم السلام
ہوم نرسنگ وغیرہ میں کامیابی خوب رہی اللہ ہر طرح مبارک کرے۔

فطرت کی اس شاعری پر دل کھول کر داد دینے کا جی چاہتا ہے۔ جو خود دائم المرض ہو اور بیماریوں میں غرق اس کو تیمارداری میں برق بنا دیا! ہائے مومن ؎

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

یہ بھی اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ اس تیمارداری کے طفیل میں اب خود تیماردار کی بیماری کھو دے اور اسے بیمار سے تندرست و توانا بنا دے "صدق" اگر کبھی یہ خبر دیتا تو لکھتا کہ ایک خاتون کی ہمت مردانہ نے بیس بیس جوان مردوں کے چھکے چھڑا دیے۔ مریم زمانی کہنا گستاخی ہو تو کنیز مریم کہنے میں شک کی گنجائش نہیں۔

جن ڈاکٹر صاحب نے یہ کہا کہ مرض الموت فلاں بیماری ہوگی انھوں نے (نذیر احمدی زبان) میں جھک ماری۔ موت کا حال کون جان سکتا ہے۔ ڈاکٹر کی رسائی تو مرض تک ہے زندگی و ختم زندگی کا سوال اس سے بالکل الگ ہے۔

دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

مکتوب بنام راج نارائن راز ۲۹/۳۰ پٹیل نگر نئی دہلی

دریاباد۔
۷/ اپریل ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

پیام

منوّر صاحبؒ ماشاء اللہ شاعر ابن شاعر ہیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ ان کا گھرانا ہی شعر و شاعری کا گھرانا ہے۔ اسی کو کہتے ہیں۔

ایں خانہ تمام آفتاب است

پہلے لکھنوی تھے اب تو دہلوی ہو گئے۔ آنکھیں کھولیں تو زبان وادب کے ایک مرکز میں، اب چل پھر رہے ہیں اُٹھ بیٹھ رہے ہیں ہنس بول رہے ہیں تو زبان وادب کے دوسرے مرکز میں، آغاز بھی مبارک اور انجام بھی مبارک۔

کلام نام روشن کیے ہوئے آخر منور(۳) جنہیں روشن بھی اور دوسروں کے لیے روشنی بخش بھی، ہونہار شروع ہی سے تھے سن کے ساتھ کلام میں بھی پختگی آتی گئی اور اب تو نامور شمار استادوں میں ہے۔

جیتے رہیں کہ ان کے دم سے خدمت اردو کی ایک روایت کہن زندہ وتازہ ہے

عبدالماجد

(۱) پیام بالا یوم منور کے بارے میں بھیجا گیا۔
(۲) مراد اردو کے خوش گو شاعر منشی بشیشور پرشاد منور ہیں۔
(۳) منور تخلص کی مناسبت سے۔

مکتوب بنام عبدالصمد صاحب تحصیل سہسوان ضلع بدایوں

دریاباد۔

۴ جولائی ۱۹۶۷ء بسم اللہ

مہربان بندہ! وعلیکم السلام

محاورہ واقعی سر پر احسان کرنے کا ہے۔ دل پر احسان خلاف محاورہ ہے۔ البتہ میں اسے غلط نہ قرار دوں گا صرف غیر فصیح کہوں گا۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام خواجہ غلام السیّدین صاحب نئی دہلی

دریاباد۔

۸ رجولائی ۱۹۶۷ء بسم اللہ

عزیز مکرم! وعلیکم السّلام

شاعر تو سخن شناس کی داد پر پھولا نہیں سماتا۔ اس بے ہنر کو ایک ہنر شناس کی داد وتحسین پر الٹی اور شرمندگی ہی ہوئی۔ اللہ نے کس غضب کا حسن ظن بعض دلوں اور دماغوں میں رکھ دیا ہے۔

آپ کو علم نہیں اپنی زندگی کے ایک دور میں آپ کے والد ماجد کا عملاً مرید رہ چکا ہوں۔ سیتاپور ہائی اسکول میں پڑھتا تھا غالباً آٹھویں درجے میں اور وہ لکھنؤ میں پریکٹس کیا کرتے تھے۔ عصر جدید[1] بھی نکالتے تھے خاص انھیں کی زیارت کے لیے سفر لکھنؤ کا کیا بعد کو تو اس افراط وغلو میں اعتدال پیدا ہو گیا پھر بھی خاصی گہری عقیدت ان کے دم آخر تک رہی اور جب ان کی وفات کی خبر اچانک لکھنؤ کے انگریزی روزنامہ DT[2] سے معلوم ہوئی تو ایسا محسوس ہوا کہ کوئی بزرگ خاندان وعزیز اٹھ گیا۔۔۔ تو اس رشتے سے تو آپ میرے مرشدزادے، پیرزادے۔ مخدوم زادے ہوئے۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں میری عقلیت RATIONALISM اور لاادریت کا دور شباب تھا اس وقت مرحوم کی کوئی خدمت دعا وایصال ثواب سے نہ کرسکا آپ کے بڑے چچا[3] کی بھی تحریروں کا بھی بڑا مداح اور شیدائی رہا پھر ان کی آخر عمر میں علی گڑھ میں ان سے نیاز حاصل رہا کورٹ کی ممبری[4] کے سلسلے میں آپ کے چھوٹے چچا[5] سے بھی دلی میں ملاقات رہی جب وہ ہندوستانی دواخانہ میں تھے۔

پچھلے دنوں سنا تھا کہ آپ شیعہ کانفرنس کے صدر ہو رہے ہیں بڑا اشتیاق رہا آپ

کے خطبۂ صدارت دیکھنے کا۔ اور حافظہ کے سامنے ۳۰ سال قبل کا منظر آگیا جب اس شیعہ کانفرنس سے آپ کے والد کو باہر نکل آنا پڑا تھا ابھی کئی دن ہوئے آپ کا "سفرار تقا" نظر سے گزرا ماشاء اللہ کچھ اور بھی لکھتا مگر وہ بات "من ترا حاجی بگویم" کی یاد پڑ گئی۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) خواجہ غلام الثقلین صاحب جو اپنے زمانے میں مسلمانوں کے لیڈر اور معاشرتی مصلح تھے اور شیعہ سنی اتحاد کے مبلغ۔

(۲) عصر جدید خواجہ صاحب کا ادبی اور اصلاحی رسالہ جو پہلے میرٹھ اور بعد میں لکھنؤ سے شائع ہونے لگا

(۳) T. D. G لکھنؤ کا مشہور و مقبول روزنامہ جو مہاراجہ محمود آباد کی ملکیت میں تھا۔

(۴) خواجہ غلام الثقلین صاحب کے بڑے بھائی۔

(۵) کورٹ سے مراد مسلم یونیورسٹی کورٹ کی ممبری۔

(۶) خواجہ غلام السبطین صاحب جو ہندوستانی دواخانہ کے منیجر تھے۔

(۷) شیعہ کانفرنس کے غلو سے خواجہ غلام الثقلین صاحب کو شدید اختلاف تھا۔

مکتوبات بنام محمد احسن خاں صاحب، ۱۴۹ امیور گلی دھرم پورہ لاہور ۱۵

دریاباد۔

۱۵ اگست ۱۹۶۷ء بسم اللہ

مہربان بندہ! وعلیکم السلام

جوابات حاضر ہیں۔

۱۔ "ڈگ ڈالنا" میرے علم میں نہیں، ڈگ بھرنا بولتے ہیں۔

۲۔ "پھیچڑ" عوام کی زبان ہے بوسیدہ، ناکارہ کے معنی میں۔

۳۔ "حاشیہ بردار" میرے علم میں نہیں ایک ملتا ہوا لفظ "غاشیہ بردار" ہے یعنی رکاب تھام کر چلنے والا، تابع، غلام۔

۴۔ "سخن گسترانہ" محض فن کے لحاظ سے نہ کہ شخصی، ذاتی مثلاً وہ سوال تو محض سخن گسترانہ زبان پر آگیا تھا کوئی شخصی توہین مقصود نہ تھی۔

(۵) "دفیات" دفات نامہ ـــ دفات کی جمع کے طور پر استعمال ہونے لگا ہے۔

(۶) "نکاس" اور "نکاسی" دونوں بجائے خود صحیح ہیں پانی کے لیے نکاس ہی آئے گا۔ مال، سامان تجارت کے لیے نکاسی دفروخت یا برآمد۔

(۷) "ناک لگی رہنا" سنا نہیں۔ ممکن ہے کہیں مستعمل ہو۔

(۸) "عامتہ الورود" کو تحسین ہی سمجھئے۔ ہمہ گیر مذاق علمی جو کسی مخصوص فن یا موضوع تک محدود نہیں۔

(۹) نفس مضمون یعنی اصل مضمون اس کے متعلقات یا ملحقات نہیں۔

آپ کے ملک میں کراچی میں اردو بورڈ کے ماتحت بڑا ضخیم دجامع مبسوط لغت مرتب ہو رہا ہے اردو میں اب تک اس کی نظیر نہیں وہاں سے آپ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں میری مصروفیت کا آپ کو اندازہ نہیں قریب آدھ گھنٹہ کا وقت اس جواب کی نذر ہو گیا ـــــ

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی، دار الافتاء لکھنؤ

دریاباد۔
یکم ستمبر ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

ایک رند خراباتی اور پھر کافر عشق (مسلمانی مراد در کار نیست) کے نعرہ زن[۱] کا تعارف و تذکرہ مفتی[۲] شہر کے قلم سے خوب اور بہت خوب رہا۔ داد قبول ہو۔

لیکن یہ کچھ نہ بتایا کہ وہ حضرت ہیں کہاں[۳]۔ ملنا چاہوں یا خط لکھوں تو کس پتے سے میں تو ملیح آباد تک جانے کو تیار ہوں ـــــ یہ جانئے کا ہمہ تن منتظر ہوں۔

تحریر میں وہ جو کچھ بھی غضب ڈھاتے ہوں میرے سامنے تو اپنی موثر نعتیہ نظم انھوں نے بڑے ادب کے ساتھ سنائی ہے اور ایک سے زائد بار[۴]۔

جی نہیں مولانا فرنگی محلی کا ذکر اگر کہیں آس پاس بھی اس کتاب[۵] میں ہوتا تو میں ضرور ظاہر کر دیتا کتاب میری پہلے کی دیکھی ہوئی ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبد الماجد

(۱) مراد جوش صاحب ملیح آبادی ہیں جو پاکستان سے آئے ہوئے تھے ان سے مولانا مرحوم کے بہت پرانے تعلقات تھے۔

(۲) مولانا کو آخر دم تک یہ خیال رہا کہ جوش صاحب اپنی طبعی شرافت کی وجہ سے بالآخر الحاد سے اسلام کی طرف آ جائیں گے، لیکن مرحوم کی یہ آرزو زندگی میں نہ پوری ہوئی خدا کرے یہ آرزو اب پوری ہو جائے۔

(۳) مفتی صاحب سے جوش کے غیر معمولی تعلقات تھے اسی طرف اشارہ ہے۔

(۴) مولانا فرنگی محلی سے مراد مولانا عبدالباری فرنگی محلی ہیں۔

(۵) افسوس ہے کہ اس کتاب کا نہ نام نہ پتہ چل سکا۔

مکتوب بنام حکیم چند نیر صاحب صدر شعبۂ اردو و فارسی بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس[1]

دریاباد۔
۱۲ ستمبر ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

بندہ نواز! تسلیم

آپ تو بڑی چیز نکلے ـــــ زندہ باش

اتنے بہتر اتنے مفصل، اتنے جان دار بلکہ جان بخش خط کی تو میں توقع ہی نہیں کرسکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ خیال کئے ہوئے تھا کہ چند سطری ضابطے کا جواب آجائے گا اس کا بیشتر حصہ چھپنے کے قابل ہے۔

بہت ہی خوشگوار حقیقتیں اس "شعاع نیر" سے روشن ہوجائیں گی۔

آپ اجازت دیتے ہیں نہ؟ اگر روکنا ہو تو لکھ دیجئے ورنہ آپ کی خاموشی کو نیم رضا نہیں بلکہ کامل رضا سمجھوں گا۔

نیاز کیش

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم کے پچھلے خط کے جواب میں لکھا تھا کہ ہندو یونیورسٹی میں اردو و فارسی کی تعلیم کا بڑا اچھا انتظام ہے اور اس کی تفصیل لکھی تھی مکتوب بالا اسی کا جواب ہے۔

مکتوب بنام مرزا جمیل احمد بیگ ایڈوکیٹ موتی مارکٹ حیدرآباد

دریاباد۔
۲۴ ستمبر ۱۹۶۷ء
بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

۱۔ مشکور بمعنی ممنون اصلاً یعنی عربی قاعدے سے غلط ہے لیکن اردو میں کثرت سے استعمال ہونے لگا ہے۔ اور عوام ہی نہیں بعض خواص بھی یہی بولنے اور لکھنے لگے ہیں اس لیے زیادہ سختی اب صحیح نہیں خاص کر جب اس کا عطف ممنون کے ساتھ ہو۔

اصلاً صحیح لفظ شاکر یا متشکر ہے اور سلیس اردو میں شکرگزار

۲۔ جی نہیں صحیح املا اقلیت ہی ہے بہ تشدید۔

جی ہاں افسوس ہے کہ لکھنؤ آپ کی راہ میں نہیں پڑتا ورنہ جو تاریخیں آپ نے لکھی تھیں وہ زمانہ میرے قیام لکھنؤ کا ہے اگر گاڑی ادھر سے گزرتی بھی ہوتی تو اترنے کی صورت ہی نہ تھی اسٹیشن ہی آکر آپ سے مل لیتا۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حیدرآباد سے دہلی آرہے تھے۔
(۲) کئی برس سے مولانا مرحوم کا معمول ۵، ۶ ہفتے لکھنؤ قیام کا ہوگیا تھا۔

مکتوب بنام نادم سیتاپوری سیتاپور

لکھنؤ۔
۱۴ اکتوبر ۱۹۶۷ء
بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

آج کل دریاباد سے باہر ہوں⁽¹⁾ اور یہ کارڈ لکھنؤ سے لکھ رہا ہوں۔
کوئی اور اگر یہ سوال میاں چرکین⁽²⁾ سے متعلق کرتا تو جواب میں صرف یہ لکھ بھیجتا چھی چھی
لیکن آپ کی نفاست طبع کو یہ کیا سوجھی کہ خاک کو پاک کرنے کا ارادہ کرلیا۔
اور کچھ مجھے ان بزرگ سے متعلق معلوم نہیں سوا اس کے کہ ردولی ان کا وطن تھا
دیوان کی سرسری زیارت صرف ایک بار ہوئی تھی دو ہی چار ورق الٹے تھے کہ متلی ہونے لگی
میرے علم میں تو دیوان بھر میں شاید بس ایک آدھ ہی صاف شعر ہے دوسروں کے سامنے
پڑھنے کے قابل اس سے تو کہیں بہتر تھا آپ اپنا وقت جان⁽³⁾ صاحب پر صرف کرتے
کئی سال ہوئے خواجہ محمد شفیع دہلوی⁽⁴⁾ ان کے کلام پر کنا ڈا میں کام کر رہے تھے اور مجھ سے
بھی الفاظ و محاورات کے بارے میں مراسلت جاری تھی۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) کئی برس سے معمول کے مطابق مولانا مرحوم آخر ستمبر سے ۵-۶ ہفتے لکھنؤ میں قیام رکھتے تھے۔
(۲) غلاظت اور گندگی نویس شاعر۔
(۳) مشہور ریختی گو شاعر۔
(۴) ادیب شہیر ان کی انشا پردازی اور زبان دانی کے مولانا مرحوم بہت قائل تھے
تقسیم کے بعد ہجرت کر کے لاہور چلے آئے اور اب وہیں مقیم ہیں بے چارے نے بہت مصیبتیں اٹھائیں
تنگدستی اور فقر و فاقہ سہا غلط CLAIM نہیں داخل کئے حالانکہ دہلی میں بڑے صاحب حیثیت
تھے۔

مکتوب بنام شفاء الملک حکیم عبداللطیف فلسفی لکھنوی، لکھنؤ

دریاباد۔
یکم اپریل ۱۹۶۸ء
بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

"العلم" کراچی والے سید الطاف علی کا عیادت نامہ آیا۔ خط کے آخر میں لکھتے ہیں "آپ کے معالج حکیم عبداللطیف سے مجھے بھی نیازمندی حاصل تھی میرا اسلام قبول فرمائیں وہ ضرور اپنے کمالات لطیف کا پورا زور آپ کے علاج میں صرف فرمائیں گے۔

جواب میں انھیں لکھ بھیجوں گا کہ "فن لطیف پر نظر اگر" الطاف" کی بھی نہ پڑے گی تو کس کی پڑے گی۔ والسّلام

دُعا گو و دعا خواہ
عبدالماجد

مکتوب بنام وفا ملک پوری ایڈیٹر "صبح نو" پٹنہ

دریاباد۔
۱۴ اپریل ۱۹۶۸ء
بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

شاعر تو یہاں تک کہہ گیا ہے۔

مکیں کی خیر ہو یارب مکاں رہے نہ رہے

اور، "کاشانۂ وفا" تو شاعری کی دنیا میں جلنے اور برباد ہونے کے لئے تعمیر ہوتا ہے۔

خیر ہم سوختہ دل تو یہاں تک نہیں جاسکتے بلکہ خیر مکین و مکان دونوں کی مناتے رہتے ہیں۔

تاہم اس پر تو شکر ہی بھیجنے کا جی چاہتا ہے کہ جانیں محفوظ رہیں اور مکان کا بھی ایک حصہ اور مذہب کی یہ آواز کان میں آکر تسکین دے جاتی ہے کہ کسی غیبی تصرف سے جو بھی مصیبت آئے اس سے بندے کے گناہ دھلتے اور مرتبے بلند ہوتے رہتے ہیں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے بڑے ارادت مند تھے۔

مکتوب بنام سید الطاف علی بریلوی۔ ایڈیٹر "العلم" کراچی

لکھنؤ۔

۳۰ اپریل ۱۹۶۸ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

یہ آپ کے پروفیسر عبدالمجید صاحب قریشی تو بڑے چھپے رستم نکلے اور آپ نے انھیں خوب ڈھونڈھ نکالا۔ تھوڑی بہت نیازمندی مجھے بھی ان سے حاصل تھی اور اسی واقفیت کی بناپر انھیں ایک مرد مسلمان اور علی گڑھ کا عاشق اور بڑا مخلص کارکن سمجھے ہوئے تھا ان کی ادبیت کے جوہر تو آج پہلی بار کھلے۔

"العلم" کے تازہ نمبر نے تو انھیں دنیا سے روشناس ایک ادیب اور ایک مشاق اہل قلم کی حیثیت سے کر دیا اور اس انکشاف کا سہرا "اخلص" کے "الطاف" کے سر رہا۔ ماشاءاللہ خوب لکھتے ہیں اور فارسی شعر و ادب سے تو ان کے اس ذوق لطیف کا میں ایک ریاضی داں سے تصور ہی نہیں کر سکتا تھا اللہ انھیں عمر نوح عطا کرے اور آپ اس طرح ان سے خزانے اگلواتے رہیں۔

ضمناً ایک بات میرے کام کی ان کے ہاں خوب مل گئی یعنی سید بذل الرحمٰن کا ٹوٹا پھوٹا

پتہ۔ اسکول کے زمانے کے ساتھیوں اور مخلصوں میں تھے۔(۵) آپ تو ان کی طرف سے بالکل مایوس ہوچکا تھا ۶۵۔۔۶ سال بعد آپ نے یہ خوشخبری سنائی۔

آپ کا اداراتی حصہ بھی خاصا دلچسپ اور سبق آموز ہے زود فنائی تو تاریخ، ادب فلسفہ، سائنس سارے ہی علوم کا جوہر ہے۔

یہ خط ختم ہوچکا تھا کہ عیادت نامہ پر نظر پڑی۔ جزاک اللہ اب تو کچھ اور مہلت زندگی کی مل گئی۔ حکیم صاحب کے "فن لطیف" پر نظر الطاف کی نہ پڑے گی تو اور کس کی پڑے گی ان کو بھی اس کی اطلاع کرا دوں گا۔

والسّلام دُعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ پرانے مخلص قومی کارکن تھے اور برسوں تک علی گڑھ میں بہ حیثیت پریسیڈنٹ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس قیام رہا ۱۹۵۰ء میں پاکستان ہجرت کر گئے۔ مکتوب الیہ کہنہ مشق مصنف بھی تھے اور تعلیمی معاملوں میں بھی بڑی دلچسپی رکھتے تھے چنانچہ پاکستان پہنچ کر آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔

(۲) "العلم" اس کانفرنس کا سہ ماہی علمی ادبی آرگن تھا۔

(۳) پروفیسر قریشی صاحب نعیم سے پہلے مسلم یونیورسٹی میں صدر شعبہ ریاضی تھے۔ پاکستان بنتے ہی وہاں منتقل ہوگئے۔ پروفیسر صاحب کو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے گہری دلچسپی تھی اور کئی برس تک اس کے جوائنٹ سکریٹری رہے۔

(۴) مراد مکتوب الیہ۔

(۵) اس سے مولانا مرحوم کے اس خلوص و محبت کا اندازہ ہوتا ہے جو انھیں اپنے مخلصوں اور دوستوں سے تھا اور اس کا کہ وہ پرانے تعلقات کا کس درجہ لحاظ کرتے تھے اور کس درجہ اپنے پرانے ساتھیوں سے محبت کرتے تھے۔

(۶) اس زمانے میں مولانا علیل تھے اور لکھنؤ لغرض علاج آئے تھے سید صاحب نے عیادت نامہ اسی لیے لکھا تھا۔

(۷) مولانا کے معالج شفاء الملک حکیم عبداللطیف صاحب سابق پرنسپل مسلم یونیورسٹی طبیہ کالج تھے۔" فن لطیف" بھی ان ہی کے نام کی طرف اشارہ ہے۔

مکتوب بنام مولانا شاہ سراج الحق صاحب مچھلی شہری[۱] حسن منزل، الہ آباد

دریاباد۔

۲۰ مئی ۱۹۶۸ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

وہ گم شدہ کارڈ بحمد اللہ مل گیا اور میری خجالت بڑی حد تک دور ہوگئی۔ میز ہی پر نکلا دوسرے خطوط وکاغذات میں دب گیا تھا۔

پانچوں رباعیاں ازسر نو پڑھ لیں۔ ماشاء اللہ وسبحان اللہ گویا قفل ابجد کی کلید! ایسے شاعر کا خود اپنے کو ابجد خواں سمجھنا خود ایک شاعری ہے۔ کاش ایسے ابجد خواں بہت سے ہوتے۔ تیسری رباعی کا کیا کہنا آنکھیں روشن کردیں۔

یہ مشق ضرور جاری رکھیے۔ بہت سی ہوجائیں تو مجموعہ انشاء اللہ بہت کارآمد نکلے گا اور حضرت سراج کا چراغ بعض پرانے رباعی گویوں کی طرح مدتوں انشاء اللہ روشن رہے گا۔ والسلام

دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حضرت تھانوی کے مرید تھے اور بعد میں حضرت شاہ وصی اللہ کے مرید ہوگئے۔ مولانا مرحوم سے شاہ صاحب کی ملاقات تھانہ بھون میں ہوئی جہاں مولانا مرحوم

حضرت تھانویؒ سے ملنے گئے تھے اور شاہ صاحب کا قیام وہیں خانقاہ میں تھا۔ میں ۱۹۳۲ء میں شاہ صاحب نے مولانا مرحوم کو انگریزی ترجمہ قرآن لکھنے کے لیے بہت زیادہ زور دیا یہ مخلصانہ تعلقات آخر دم تک قائم رہے اور دونوں کے مابین خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

مکتوب بنام شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب

مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور

لکھنؤ۔

۷ر اکتوبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

حضرت والا! السلام علیکم

مدینہ منورہ کا یہ تحفہ یوں ہی کیا کم قابل قدر تھا چہ جائیکہ شیخ الحدیث کے واسطہ کرم سے ادھر کھجوروں کی حلاوت اور مٹھاس ادھر آنجناب کا جذبہ اخلاص اب سراپا سپاس بن کر نہ رہ جاؤں تو اور کیا ہو۔

سرزمین حجاز سے مادی تحائف میں بھی دو بہترین نعمتیں ہیں بمنزلہ اول بہ آب زمزم اور پھر یہی خرمائے محترم۔

بہرحال یہ تبرک پاکر دل باغ باغ ہوگیا اور زبان ہی سے نہیں کہنا چاہئے کہ رو ئیں روئیں سے آپ کے حق میں دعائے خیر نکلی۔ والسلام

دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) حضرت شیخ سے مولانا مرحوم کے خصوصی تعلقات تھے۔ انھوں نے مدینہ منورہ کے کھجور بھیجے تھے اس کے جواب میں یہ خط گیا جو دونوں کے مخلصانہ تعلقات کا آئینہ دار ہے

جب مولانا مرحوم کے بڑے بھائی مولوی عبد المجید صاحب ڈپٹی کلکٹر سہارن پور میں تعینات تھے تو مولانا مرحوم کی تھانہ بھون اور دیوبند میں اکثر آمد ہوا کرتی تھی۔ تھانہ بھون میں تو قیام کئی کئی ہفتے کا ہوتا تھا۔ اور اس زمانے میں حضرت مولانا زکریا سے بھی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں اسی زمانے سے تعلقات بڑھے۔

مکتوب بنام ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ایڈیٹر میثاق، دار الاشاعت اسلامیہ اسلام پورہ لاہور

دریاباد۔

۱۱ر نومبر ۱۹۶۶ء بسم اللہ

صاحب من! السلام علیکم

"میثاق" بابت نومبر پیش نظر ہے ص ۱ سے ص ۱۴!

تحسین ناشناس کا ڈر نہ ہوتا تو دل نے بے اختیار یہ صلاح دی کہ اس ساری عبارت پر ایک خوب بڑا سا صاد کھینچ کر بھیج دیجئے۔ سبحان اللہ و ماشاء اللہ۔

دل نے یہ جانا کہ یہ سب کچھ بھی میرے دل میں تھا۔

حیرت ہوئی کہ شبلی، فراہی[1]۔ ابوالکلام تینوں کی بناتیں بعد زماں و بعد مکاں دونوں کے باوجود اتنی ہمیج کیوں کر کر لی۔

در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

ڈاکٹر رفیع الدین کا بھی مقالہ اس نمبر میں بڑا قابل داد ہے۔

والسلام۔ دعا گو و دعا خواہ

عبد الماجد

(۱) مراد مولانا حمید الدین فراہی جو مولانا شبلی کے عزیز قریب اور بڑے ہی متقی لوگوں

میں رہتے اور قرآن مجید کے خاص طالب علموں میں تھے۔

مکتوب بنام پنڈت سوامی دیال بسوانی مولف "رُوحِ سخن"
۵۲ کیتھی ٹولہ بسوان ضلع سیتاپور

دریاباد۔

۱۷ اپریل ۱۹۶۹ء بسم اللہ

دو لفظ

اردو شعر و ادب کی اتنی بڑی اور ایسی وسیع و جامع خدمت جیسی کہ "روح سخن" ہے بغیر اس کا نمونہ دیکھے سمجھ میں نہیں آسکتی، کوزہ میں دریا، سنتا چلا آیا تھا دیکھنے میں اب آیا۔ پنڈت جی کا ذوق ادب اگر قابل داد ہے تو ان کی وسعت مطالعہ قابل رشک، خدا جانے انھوں نے کیا کچھ پڑھ ڈالا ہے اور دریائے سخن کا ایک ایک گلی کوچہ چھان ڈالنے کا وقت کہاں سے نکال لیا ہے!

انھیں حق پہنچتا ہے کہ اپنی کتاب کو بطور چیلنج دنیائے اردو کے سامنے پیش کر کے دعوت دیں کہ ہیں کوئی صاحب اس غزل کا جواب لکھنے والے۔

ع۔ دیکھیں اس سہرے سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہرا

اللہ اللہ اردو کے کیسے کیسے دیوانے اس صدی میں بھی موجود ہیں اور اردو کے خزانے میں کیا کچھ موجود نہیں۔

اردو کی جتنی خدمت برہمنوں اور کائستھوں نے کر ڈالی ہے مسلمان اس سے زائد کیا کریں گے لیکن وہ زمانے دوسرے تھے۔ حیرت اس پر ہوتی ہے اور یقین مشکل سے آتا ہے کہ نسیم و سرشار، ساغر و دوشی، چکبست و ملاؔ کی صف کے لوگ اب بھی موجود ہیں بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ہمارے پنڈت جی اپنے قد و قامت میں ان سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں بلکہ گمنامی

میں پڑے ہوئے صلہ و مدح کی طرف سے بھی گویا بے پروا ہیں۔

"روح سخن" کو اسکولی اور کالجی نصاب میں تو جگہ یقیناً ملنا چاہیے۔ باقی ہماری ریاست میں جو سرکاری سرپرستی میں ہندی کمیٹی قائم ہے اس کے شعبۂ اردو کو بھی اپنی قدرشناسی کا پورا ثبوت دینا چاہیے۔

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی تالیف پر پیش لفظ۔

(۲) پنڈت دیا شنکر نسیم (۳) پنڈت رتن ناتھ سرشار (۴) پنڈت امرناتھ ساحر (۵) کرشن سہائے وحشی کانپوری (۶) پنڈت برج نارائن چکبست (۷) پنڈت آنند نرائن ملا۔

مکتوب بنام ایس اے احسن نقوی انجمن ارباب ادب، تھانہ وزیر گنج لکھنؤ

دریاباد۔
۱۳ دسمبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

پیغام[۱]

علی عباس حسینی کیا بہ حیثیت انسان اور کیا بہ حیثیت صاحب فن دونوں حیثیتوں سے بڑا ممتاز درجہ رکھتے تھے کہنے کو وہ "ترقی پسند" تھے لیکن میں کہا کرتا تھا کہ اگر ایسے ہی ترقی پسند سب ہو جائیں تو میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں اتنا صاف ستھرا قلم اتنا شستہ ذوق، اتنی صحیح اور سلیس زبان، گندگی و بد اطواری سے اتنا گریزاں[۲] ان کے طبقہ میں شاید ہی کسی کے نصیب میں آیا ہو۔ امریکہ کے گندے جنسی ناولوں کے مطالعہ میں غرق رہتے لیکن کیا مجال جو اپنے قلم پر ذرا بھی ان کا عکس پڑنے دیں۔ زندگی کی عکاسی اور مصوری میں انھیں ملکہ حاصل تھا اور زبان و بیان پر پوری قدرت۔

بہ حیثیت صاحب قلم اگر شریف تھے تو بہ حیثیت انسان شاید شریف تر۔

جب انٹرمیڈیٹ کے طالب علم تھے تو منطق (LOGIC) کے کچھ سبق مجھ سے پڑھ لیے تھے اس چند روزہ سرسری تعلق کا پاس آخر عمر تک کرتے رہے خود بوڑھے ہو چکے تھے مگر میرے سامنے اپنے کو طالب علم و شاگرد ہی سمجھتے رہے۔ یوں بھی منکسر، متواضع، صلح کل، خدمت گزار او مہمان نواز قسم کے آدمی تھے۔ آخر عمر میں عبادت و مذہبیت کا رنگ اللہ غالب آگیا گفتگو اکثر آیات قرآنی پر کرتے اور نماز کے لیے جو کی بستر علالت کے پاس لگی رہتی اتنی خوبیوں کے لوگ کمتر ہی نظر آتے ہیں۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) یہ پیام پروفیسر عباس حسینی کے یادگاری جلسہ کے موقع پر بھیجا گیا۔

(۲) ان تمام اوصاف سے ترقی پسند حضرات معرا ہوتے ہیں۔

(۳) منطق غالباً ۱۹۴۲ء تک انٹرمیڈیٹ کے نصاب میں داخل رہی اس کے بعد خارج کر دی گئی مولانا مرحوم طالب علمی کے زمانے میں بھی اور اس کے بعد بھی اس کے فاضل تھے۔

(۴) یہ حسینی مرحوم کا کمال شرافت تھا۔

مکتوب بنام شاہ معین الدین صاحب، ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ

دریاباد۔

۵ رجنوری ۱۹۷۰ء بسم اللہ

مکرم بندہ! وعلیکم السلام

ع۔ خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

ع۔ قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

شاہ گنج اسٹیشن پر جو حکم سفر سرائے میر کا ملا[۱۱] وہ حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا اسے ہر حال میں میرا دبھی ذہن اپنے حق میں ظلم سمجھتا چہ جائیکہ اس وقت تو بیماری کی ایک تکلیف میں مبتلا تھا[۱۲] اعظم گڑھ پہنچ کر عالم ہی دوسرا نظر آیا۔

ع رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر

رُدولی کی ضرب المثل مہمان نوازی اور اس سے بھی کہیں بڑھ کر دیسنہ کی میزبانی کا گوشہ چشم دوسروں کے لیے وقف[۱۳] اچانک سواران یک طرف مسکین گدایان یک طرف۔ فجر کی چائے جب اشراق تک نہ ملی تو قدرتی قبض شدید پیدا ہو گیا جس کی تکلیف کئی دن تک رہی۔

واپسی میں جب اسٹیشن گیا تو ٹکٹ تو سیدھے کہاں ملتا[۱۴] گاڑی آئی تو بجائے پلیٹ فارم کے زمین دوز پٹری پر رکی اب سوا زمین سے اچک کر سوار ہونے کی اور کیا صورت تھی۔ آدمی نے جو ساتھ تھا درجہ کے اندر سے دست گیری کی اور مولوی نعیم[۱۵] نے نیچے سے سہارا دیا جب جا کر مشکل آسان ہوئی[۱۶]

خیر جو نوشتہ تقدیر تھا ہو کر رہا اس "شکوہ" کے "جواب شکوہ" کی ہر گز ضرورت نہیں نہ گرم نہ نرم۔ درخواست[۱۷] صرف آئندہ کے بارے میں ہے۔

سید[۱۸] صاحب کے زمانے میں مہمان خانے کا کمرہ خصوصی میرے لیے مخصوص رہتا تھا اب اس کی بحالی پھر کر دی جائے سوا اس کے کہ ڈاکٹر محمود[۱۹] صاحب آجائیں۔

ملازم انشاء اللہ ساتھ لایا کروں گا اور ساتھ ہی تھرماس بھی چائے رات میں بند کر کے اس میں رکھ لیا کروں گا[۲۰]

ایسے اجتماع عام[۲۱] کے موقع پر حاضری سے بالکل ہی معافی چاہتا ہوں

لیجئے ایک معاملہ ذکر کرنے سے رہ ہی گیا۔ آپ تو رخصت ہو چکے تھے۔ میری روانگی سے کوئی پون گھنٹہ قبل مدرسہ بلریا گنج کے کوئی پچاس طلبہ کا گروہ ایک مدرس کی

قیادت میں حملہ آور ہوا فرداً فرداً دست بوسی، متعدد کابیوں پر دستخط، تقریر پر اصرار وغیرہ وغیرہ
ہر وہ فرمائش جو ہجوم اپنے لیڈروں سے کرتا رہتا ہے[۱]۔
دیے داغ نے امتحاں کیسے کیسے[۱۵]

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم دارالمصنفین کے جلسہ انتظامیہ میں شرکت کرنے اعظم گڑھ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں متعدد تکلیفیں اٹھانی پڑیں اس خط میں اس کا ذکر ہے دونوں مصرعوں میں اسی طرف اشارہ ہے۔

(۲) مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم سے مدرسہ اصلاح سرائے میر جانے کے لیے اصرار کیا۔

(۳) اس وقت سفر میں ہلکے زخم کی تکلیف تھی۔

(۴) مراد شاہ معین الدین احمد صاحب ناظم دارالمصنفین۔

(۵) مراد سید صباح الدین عبدالرحمٰن اس وقت دارالمصنفین کے ناظم مالیات تھے۔

(۶) مولانا مرحوم بڑے ہی حساس تھے اس جلسہ میں انھوں نے محسوس کیا کہ ہر دو ناظم صاحبان شاہ معین الدین اور سید صباح الدین صاحب کی طرف سے التفات میں کمی ہے —

(۷) مراد اعظم گڑھ اسٹیشن۔

(۸) دریاباد سے شاہ گنج تک بڑی لائن یعنی نادرن ریلوے کی تھی اور شاہ گنج سے اعظم گڑھ چھوٹی لائن یعنی نارتھ ایسٹرن ریلوے اور یہی صورت واپسی میں بھی ہوتی تھی

(۹) مولانا مرحوم آخر عمر میں تنہا سفر نہیں کر سکتے تھے اسی خط میں بعض معذوریوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ مولانا مرحوم کا حد درجہ انکسار ہے کہ وہ شاہ صاحب سے ہر لحاظ سے سینیر ہونے کے باوجود انھیں سے درخواست کرتے ہیں۔ مولانا بہ لحاظ عہدہ دارالمصنفین

کے ورکنگ پریسیڈنٹ تھے سے درخواست کرتے ہیں۔

(۱۱) مراد حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۱۲) ڈاکٹر صاحب انتظامیہ کے صدر تھے۔

(۱۳) یہ مولانا مرحوم کی خصوصیت تھی کہ ہر چیز سے تجربہ حاصل کرتے تھے اور نہ خود اسے پسند کرتے تھے کہ وہ خود تکلیف اٹھائیں اور نہ دوسرے تکلیف میں مبتلا ہوں سفر اعظم گڑھ میں ان تکلیفوں کے بعد انھوں نے اس کا خود حل تلاش کر لیا تاکہ آئندہ تکلیفوں سے محفوظ رہیں۔

(۱۴) بڑے مجمع سے مولانا مرحوم بہت گھبراتے تھے۔

(۱۵) اس قسم کی فرمائشوں سے مولانا مرحوم کو وحشت ہوتی تھی۔

(۱۶) اس خط سے یہ افسوسناک حقیقت سامنے آتی ہے کہ مولانا مرحوم کے ساتھ بے اتفاقی کی جاتی تھی۔

مکتوب بنام لئیق نعمانی صاحب، روضہ بندہ نواز گلبرگہ

دریاباد۔

۱۴ر فروری ۱۹۷۰ء بسم اللہ

"فضائل الخیرات" کے فضائل دخیرات پر کچھ لکھنا سورج کو چراغ ہے دکھانا بات سورج کی طرح روشن ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

جس کو جو کچھ ملا ہے یہیں سے ملا ہے۔

مبارک ہیں وہ جنھیں اس کی خدمت کی بھی توفیق ہو جائے۔

عبدالماجد

مکتوب بنام جناب شہباز حسین صاحب ایڈیٹر ماہ نامہ "آج کل" پٹیالہ ہاؤس نئی دہلی

دریاباد۔

۶ر مئی سنہ ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

مکرم نیاز کیشاں! وعلیکم السلام

حکم نامہ پہنچا حیرت ہی ہو گئی۔[1] ایک بے کمال کیسے باکمالوں کی بزم میں قدم رکھے اور اپنی "داستان حیات" ہنرمندوں کو سنائے۔

لیکن بہرحال فرمائش ایک "شہباز" کی زبان سے ہوئی ہے۔ کنجشک غریب میں تاب و توانائی کہاں کہ سرتابی کرے انشاء اللہ تعمیل جوں توں ہو کر رہے گی ہفتہ عشرہ کی مدت میں۔ والسلام

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم سے اس کی فرمائش کی تھی کہ اپنے حالات زندگی تحریر کرکے ان کے رسالے کے لیے بھیجیں۔

مکتوب بنام نند کشور وکرم صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر ماہ نامہ آج کل نئی دہلی

دریاباد۔

۲۵ر جون سنہ ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

مہربان بندہ! آداب و تسلیمات

عشق و مزدوریٔ عشرت گہِ خسرو کیا خوب
ہم کو تسلیم نکونامیٔ فرہاد نہیں

اس تشہیر اور خودنمائی کی فرمائش مجھ زشت رو[1] سے! جسے آئینہ میں بھی اپنا عکس دیکھنا گوارا نہیں[2]۔ حیران ہوں کہ تعمیل سے معذرت کن الفاظ میں پیش کروں۔

دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم سے اپنا فوٹو بھیجنے کی فرمائش کی تھی۔
(۲) یہی مولانا مرحوم کا معمول تھا کہ کبھی آئینہ نہ دیکھتے تھے اور اس کا اکثر ہم لوگوں سے ذکر کیا کرتے تھے۔

مکتوب بنام مہذب صاحب مہذب اللغات منصور نگر لکھنؤ

لکھنؤ۔

۱۷ر اکتوبر ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

کرم گستر! تسلیم

۱۔ لکھنؤ کے عوام کی زبان سے بارہا یہ محاورہ سننے میں آیا کہ "وہ مجھ سے بھی چار جوتے آگے ہے" بہ جائے چار قدم چار ہاتھ کے۔ آپ کے لغت میں جوتے کا یہ تصرف دیکھنے میں آیا۔

۲۔ "چیل جھپٹا" دکان داروں کی زبان سے چوہے دان یا موش دان ہی کے معنی میں مستعمل ہے۔

۳۔ سیتاپور ہائی اسکول[1] میں میرے عربی کے استاد ایک لکھنوی سید حیدر حسین نامی تھے ان کی زبان پر ۱۱ : ۱۲ کا تلفظ برابر گیاراں باراں دونوں نون غنہ کے ساتھ رہا کرتا تھا۔

-

شاید لکھنؤ کے بعض محلوں کا لہجہ یہی ہو جیسا کہ دہلی کے بعض طبقات یا بعض محلوں کا ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم نے انٹرنس تک تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول سیتاپور میں پائی پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے لکھنؤ آ گئے۔

مکتوب بنام محمد طفیل صاحب ایڈیٹر "نقوش" لاہور

دریاباد۔

۲۸ دسمبر ۱۹۷۰ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

عنایت نامہ کچھ روز ہوتے مل گیا تھا جواب دینا تو کچھ ذہن سے اتر گیا اور کچھ اس سوچ میں بھی پڑا رہا کہ آخر لکھوں تو کیا لکھوں۔

کوئی دو برس ہو گئے کہ نہ آپ کی طرف سے کچھ چھپا ہوا، پرزہ کوئی اخبار، رسالہ یا کتاب یہاں پہنچ پاتا ہے اور نہ ادھر سے ادھر۔

ع جیسی ہے اب تیری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

ایک آدھ صاحب نے ہمت کر کے اپنی ڈاک کا بل اور لندن سے روانہ کرائی وہ تو البتہ مل گئی لیکن ظاہر ہے کہ اتنی ہمت ہر ایک کہاں سے لا سکتا ہے۔

اب بہ ظاہر زندگی بھر ملاقات کی کیا صورت۔

رشید صدیقی سے ملاقات مدتوں کے بعد ہوئی بے چارے آنکھوں کی شکایت میں مجھ سے بھی بڑھ کر مبتلا، میں نے شاید ان سے کبھی ہم چشمی کا دعوا کیا ہو قدرت نے اچھی چشم نمائی میری کر دی۔ دل اس کی داد آپ کے سے مبصر سے چاہتا ہے!

لاہور کے بہت سے دوست احباب زندہ و مرحوم یاد آتے ہیں خصوصاً میکش جعفری مرحوم

والسّلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۲) مراد پروفیسر رشید احمد صدیقی جو مولانا مرحوم کے مخلص دوستوں میں تھے اور جن کا انتقال مولانا کے انتقال کے ایک ہفتہ بعد ہوا اور جن کا تعزیت نامہ شاید سب سے پہلا تھا۔

مکتوب بنام خیر بہوروی

دریاباد۔

۱۰ر جنوری ۱۹۷۱ء بسم اللہ

پیامٓ ــــــــــ از عبدالماجد دریابادی

قاضی عبدالغفار مرحوم ظریف تھے۔

" " " اور شریف تھے۔

ظرافت اور شرافت کا اجتماع لازمی نہیں قاضی صاحب دونوں کے جامع تھے۔ مسکراتے ہوئے مزاج میں جسے خوش طبعی کہہ لیجئے یا شوخ نگاری اردو میں ان کی ٹکر کا شاید کوئی مل سکے۔

وہ ابتذال اور رکاکت سے ناآشنا تھے اور پھکڑ کی تو شاید انھیں ہوا بھی نہ لگی تھی وہ مہر و وفا کے پتلے تھے بغض، دشمنی و دل آزاری سے کوسوں دور رہتے۔ زندہ دلی کے ایک مجسم پیکر تھے۔ مدتوں مولانا محمد علی کے حاشیہ نشین رہے صحافت کے ابتدائی سبق انھیں سے سیکھے علی گڑھ کے شیدائی تھے وہیں کی زمین اپنی ابدی خواب گاہ بنائی۔

اللہ جزائے خیر دے جناب خیر کو جنھوں نے ان کی یاد ہم غافلوں کو دلا دی۔

(۱) یہ پیام قاضی عبدالغفار مرحوم کی یادگاری تقریب کے موقع پر بھیجا گیا۔

مکتوب بنام مولانا ابوالحسن علی ندوی رائے بریلی

دریاباد ۔

۱۲؍جنوری ۱۹۷۱ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

مصنف حیات عبدالحیؒ[۱] زندہ باد ۔ خوب کیا جو کتاب چھپتے ہی بھیج دی میں نے بھی سارے کام چھوڑ کر وہی پڑھنا شروع کر دی ۔ جزاک اللہ وسبحان اللہ وماشاء اللہ ۔ اسی وقت چند سطریں گھسیٹ بھی ڈالیں ۔ اب گنجائش "صدق" میں جب بھی نکلے ۔ کتنے عزیزوں دوستوں کی جیتی جاگتی تصویریں چلتی پھرتی نظر آ گئیں گویا کتاب نہیں سامنے بائسکوپ کھلا ہوا ہے ۔

"کتاب فیہ ذکرکم" کی ایک نئی تفسیر ۔

شاید کہ لہو کے پھول[۲] کا ذکر بھی صدق " میں پڑھ لیا ہو ۔

والسلام دعاگو ودعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد ماجد حکیم عبدالحیؒ صاحب ناظم ندوۃ العلماء

(۲) حیات اللہ انصاری صاحب کا ضخیم ناول ۔

مکتوب بنام شاہ غلام حسین صاحب علیہ پھلواری شریف

دریاباد ۔

۱۴؍جنوری ۱۹۷۱ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

۱۔ تحفۂ شمس المعارفؔ پہنچا۔ سبحان اللہ

۲۔ جلوۂ سلیمانؔ نظروں میں پھر گیا۔ ماشاء اللہ

۳۔ صدق میں چند سطریں نکلتے ہی نکلیں گی۔ؔ ان شاء اللہ

۴۔ دالانامہ پہنچا۔ بارک اللہ

۵۔ ضمناً صحت وخیریت بھی دریافت ہوگئی۔ الحمد للہ

والسلام دعاگو ودعا خواہ

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی مولانا مرحوم کے مخلصوں میں تھے اور صدق کے بے انتہا قدر دان۔ ان کے والد مولانا شاہ سلیمان پھلواری سے مولانا مرحوم کے والد کے تعلقات خصوصی تھے۔

(۲) مراد مصنف کی تصنیف شمس المعارف جو مولانا مرحوم کو بھیجی تھی۔

(۳) مراد مکتوب الیہ کے والد ماجد شاہ سلیمان پھلواری۔

(۴) بطور تعارف۔

مکتوب بنام نادم سیتاپوری ۲ ۱ ۹ فردوس کالونی کراچی

دریاباد۔

۱۸ / جون ۱۹۷۱ء بسم اللہ

برادرم سلمہ اللہ! وعلیکم السلام

"فردوس کالونی" کے بسانے والے کو اگر "فردوس مکاں" یا "جنت نشاں" نہ کہوں تو اور کیا کہوں ــــــ

والسلام

عبد الماجد

مکتوب بنام عبید اللہ صاحب شاہ گنج جون پور

دریاباد
۳ر نومبر ۱۹۷۱ء

بسم اللہ

مکرم بندہ!   وعلیکم السلام

۱۔ "میں لکھنے جارہا ہوں" فقرہ صحیح ہے۔ پر لنے ادیبوں کے یہاں یہ ترکیب نہ تھی اب جائز اور رائج ہے۔ "جانا" ایک معنی "ارادہ کرنا" "آمادہ ہونا" "سامان مہیا کرنا" سب اردو میں داخل ہو گئے ہیں۔

۲۔ "مشکور" شاکر کے معنی میں بہ قاعدہ عربی غلط ہے۔ لیکن اردو میں عوام ہی نہیں خواص کی زبان پر بھی کثرت سے آنے لگا ہے۔ اب اسے اردو میں غلط کہنا مشکل ہو گیا ہے میں خود البتہ احتیاط کرتا ہوں اور اس کے بجائے "ممنون" یا "شکر گزار" لکھ دیتا ہوں۔ سب قاعدوں سے مقدم اہل زبان کا استعمال محاورہ و روزمرہ ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کو صحت زبان کا کتنا اہتمام رہتا تھا اس بارے میں وہ کتنی زیادہ نزاکتوں کا لحاظ رکھتے ہیں اور کس قدر وسیع ان کا مطالعہ تھا۔

مکتوب بنام مرزا جمیل احمد بیگ ایم اے (علیگ) ایڈوکیٹ موتی مارکیٹ حیدر آباد

دریاباد۔
۸ر نومبر ۱۹۷۱ء

بسم اللہ

عزیزِ مکرم! وعلیکم السّلام

سوال کے جواب میں گزارش ہے کہ میرے محدود علم میں "مشکور" اس موقع پر عربی قاعدہ سے صحیح نہیں۔ لیکن اردو میں اس کثرت سے استعمال ہوگیا ہے کہ اب اسے غلط کہنا بھی آسان نہیں رہا۔ بہرحال خلاف احتیاط ضرور ہے میں اس موقع پر "شکرگزار" لاتا ہوں۔

اور اگر کوئی "مشکور" کا عطف ممنون کے ساتھ لے آئے اب چونکہ غلط فہمی باقی نہیں رہتی اس لیے اس کے لیے بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔ لغت سے مقدم اہل زبان کا روزمرہ محاورہ ہے۔

ہاں خوب یاد آیا "شاکر" اور "شکرگزار" کا متبادل و مترادف ایک لفظ "متشکر" بھی ہے۔ والسلام

ہیچ مداں
عبدالماجد

مکتوب بنام سید ظہور الاسلام ندوی علی گڑھ

دریاباد۔
۱۴ر دسمبر ۱۹۷۱ء بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السّلام

"استجب" تو اردو لغت ہے (آیا جس زبان سے بھی ہو) اسے اردو ہی لغت میں دیکھنا تھا کہ عربی میں بعض الفاظ ایسے بھی زبان میں ہوتے ہیں جو عوام یا خواص کے کسی بہت محدود طبقہ کے اندر رہتے ہیں۔ عام استعمال میں نہیں آتے اور اسی لیے لغت تک بار نہیں پاتے۔

"انجب" بھی اسی قسم کا معلوم ہوتا ہے عامیانہ تو ہے ہی ساتھ ہی بہت قلیل الاستعمال اور صرف طنزیہ الٹے معنی میں جیسے "ذات شریف" شریف کے معنی میں "بڑے حضرت ہیں" شریر النفس کے معنی میں "بمشکل آ دره آئی ہے. کم نصیبی سوار ہوئی ہے۔

شاید تحریری زبان میں "انجب" کہیں بھی استعمال نہیں ہوا ہے اس لیے اہل نظر لغت کی نظر چوک گئی۔

کتاب محمد نو کی صاحب کی پہنچ گئی ان شاء اللہ گنجائش نکلتے ہی تعارف "صدق" میں آجائے گا۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مکتوب بنام عشرت علی صدیقی صاحب ایڈیٹر "قومی آواز" لکھنؤ

دریاباد۔

۴ر جون ۱۹۶۲ء بسم اللہ

عزیزم! السّلام علیکم

"قومی آواز" ۳ر جون صا ک ۲ نصف زیر میں "ممکن ہو سکے گی"

ترکیب غلط ہے۔ "ممکن" اور "سکنا" ساتھ نہیں آسکتا۔ یا تو "ممکن ہوگی" لکھیے یا صرف "ہو سکے گی"۔

والسّلام

عبدالماجد

مکتوب بنام حکیم عبدالحمید صاحب، ہمدرد منزل، دہلی

دریاباد۔
۱۴ر اکتوبر ۱۹۶۲ء بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

اس عریضہ کے حامل عبدالعلیم قدوائی ایم اے ایل ایل بی ہیں میرے بھتیجے بھی اور داماد بھی۔ محکمہ انڈسٹریز میں کارگزار ہیں۔ ابھی کان پور سے دہلی تبدیل ہوئے ہیں حکیم عبدالقوی دریابادی کے چھوٹے بھائی بھی ہیں۔

مکان کی سخت مصیبت ان کے لیے ہے جیسی ہر باہر والے کو دلی میں ہوتی ہے کوئی کسی کو کیا لکھے اور کس سے کیا کہے جو حاجت روا تھے وہ خود حاجت مند بن گئے ہیں مولی اپنے بتوں سے بھاری۔

ع کس کی حاجت روا کرے کوئی

آپ نے ایک عالم کی ہمدردی کا بیڑا اٹھایا ہے۔ یہ حاضر خدمت ہو رہے ہیں کہ شاید اس ذخیرہ میں ان کے نصیب کا بھی کوئی حصہ ہو اور تھوڑی سی مدد انھیں بھی مل جائے۔ یہ تعارف نامہ دیتے ہوئے خود ہی شرم سے گڑا جا رہا ہوں۔

انشاء اللہ آپ ہر طرح بخیر ہوں گے۔

دعاگو دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) اس خط سے اندازہ ہوگا مولانا مرحوم زمانے کی عام روش کے برعکس سفارش کرنے میں کتنے زیادہ محتاط تھے اور اس کا کتنا اہتمام رکھتے تھے کہ دوسروں پر بار نہ پڑے۔

(۲) مولانا مرحوم کے بھتیجے جو وزارت صنعت و حرفت کے صیغہ SMALL SCALE INDUSTRIES

میں اس وقت FIELD OFFICER تھے۔

خمارؔ بارہ بنکوی کے دیوان پر دو لفظ

دریاباد۔

۱۸ر اگست ۱۹۷۳ء   بسم اللہ

سالہا سال ہوئے کہ خمارؔ صاحب سے میرا ساتھ محض اتفاق سے ریل میں ہو گیا۔
خمار صاحب نے پہلی شرافت اور خودداری کا یہ دکھائی کہ اپنا کلام بے تحاشہ سنانا شروع
نہیں کر دیا جیسا کہ آج کا شاعر اپنا کلام سنانے کو بیتاب اور بلبلایا سا رہتا ہے بلکہ میری فرمائش
کے بعد سنایا تو یہ جان انتخاب ؎

جدا ہو کے مجھ سے کوئی جا رہا ہے   اجل مل رہی ہے گلے زندگی سے

میں اتنے لطیف و موثر کلام کا متوقع بھی نہ تھا داد زبان سے تو کم ہی دی گئی آنکھیں بے اختیار
ہو گئیں ـــــ یہ معلوم ہوا کہ کسی نے خاص الخاص دل پہ چوٹ ماری ہو۔ جگر گویا اپنے
بہترین موڈ میں ہیں!

وہ دن ہے اور آج کہ ان کا کلام اور جہاں کہیں بھی دیکھنے کو مل گیا اس تاثر کو
برابر گہرا ہی کرتا گیا۔ ان کے مختصر تازہ دیوان آتش تر (۱۵۱ صفحہ، ہیل بک ڈپو مچھلی کمان
حیدرآباد) کی جو سرسری ورق گردانی کی تو یہ نقش اور بھی قائم بلکہ دائم ہو گیا ص۱۱۵
کے مطلع ـــ

ہجر کی رات غمگیں فضائیں اف ری محبت ہائے جوانی
جینے کے دن مرنے کی دعائیں اف ری محبت ہائے جوانی

اور پھر اس کے بعد والا شعر۔ اسی طرح ص۱۱۴ کا یہ شعر۔

میری نظر میں ان کا چہرہ ان کی نظر میں میرا دل   مل گئے تھے رازدار و رازداں کل رات کو

اسی طرح ص۸۲ کا یہ مطلع۔

غم دنیا بہت ایذا رساں ہے
کہاں ہے اے غم جاناں کہاں ہے

علیٰ ہذا ص۸۷ کا یہ مطلع۔ اور صفحہ ۲۱ پر

حریم ناز کی رخصت ارے معاذ اللہ
دعا لرز کے پکاری کہ نارسا ہوں میں

کسی طرح سرسری ورق گردانی میں نظر انداز ہونے کے قابل نہیں اس وقت بیمار و ناتواں ہوں لیکن کلام کی کشش اتنا وقت لیے بغیر نہ رہی اور نمونے کے چند چاول بریانی کی پوری دیگ کے اندازے کے لیے کافی ہیں۔

عبدالماجد

مکتوب بنام عبداللطیف صاحب اعظمی، جامعہ ملیہ، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

دریاباد۔

۱۴ر اکتوبر ۱۹۶۲ء　　　　بسم اللہ

عزیزم!　　وعلیکم السلام

خیر میں ادیب ودیب تو کیا "بزرگ ترین نہیں"، "خورد ترین" بھی نہیں البتہ آپ کے حسن ظن کی لاج رکھتے ہوئے تعمیل ارشاد میں جواب لکھے دیتا ہوں۔

جی ہاں رسالہ جامعہ میں "عشش عشش" کی بحث میں نے دلچسپی سے پڑھی اور استفادہ کیا۔ میرا معمول تو ابھی تک "عشش عشش" لکھنے کا تھا۔ فیلن نے بھی یہی دیا ہے۔

اشک کے نفس اللغۃ کی ردیف الف مطبوعہ موجود ہے اس میں "اشش اشش" موجود نہیں اس لیے قیاس یہی ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی اسے ردیف عین میں رکھا ہوگا۔ اشتقاق

کی بحث کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن اصل جواب فصحاء اور شرفائے ادب کے معمول کا ہے بس اب تک استعمال غالب " رع " کا سمجھ رہا تھا اب اس بحث سے معلوم ہوا کہ دوسرے فریق کے دلائل بھی خاصی قوت رکھتے ہیں ایسے موقع پر توسع اختیار کرنا چاہئے جیسا کہ تذکیر و تانیث کی بحثوں میں ہوتا ہے اس لیے میں تو " رع " ہی سے بدستور لکھے جاؤں گا لیکن جو حضرات الف سے لکھیں گے اسے بھی غلط نہیں سمجھ سکتا بلکہ عش عش کی طرح " اش اش " کو بھی جائز سمجھوں گا ۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) رسالہ مذکور میں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ صحیح " اش اش " ہے یا عش عش " مولانا مرحوم اس قسم کی ادبی اور علمی بحثوں کا بڑے غور سے مطالعہ کرتے رہتے تھے ۔

مکتوب بنام اسد القادری صاحب لندن

دریاباد ۔
۲ دسمبر ۱۹۷۲ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

۲ نومبر کا لکھا ہوا خط پرسوں ۲۰ نومبر کو ملا کوئی کہہ سکتا تھا کہ ہوائی ڈاک کا انتظام بھی ایسا بادِ ہوائی ہوتا ہوگا! توبہ توبہ!

میری کتاب کی خوش قسمتی کہ آخری عشرہ رمضان المبارک میں قریب افطار آپ کی نظر سے گزری ـــــ ظاہر ہے کہ جب خط کی عبارت میں حسن ظن کی اس افراط بلکہ اسراف سے آپ نے کام لیا ہے تو دعائے خیر میں آپ بخل سے کام لینے والے نہ تھے ۔ مومن مسافر و علیل روزہ دار کی دعا اور وہ بھی آخری عشرہ رمضان المبارک میں اللہ اکبر ۔

اگر آئندہ خط لکھنے کی نوبت آئے تو اپنا تعارف ذرا تفصیل سے ضرور کرا دیں یعنی وطن کہاں تھا۔ تعلق کس خاندان سے تھا۔ تعلیم کہاں کہاں پائی اور کہاں تک وغیرہا۔

انشاء اللہ شفایوری ہوگی رعشہ کا اثر خط پر تو بحمد اللہ کچھ ایسا نہ تھا خط مجھ سے تو باآسانی پڑھ لیا گیا۔

آنکھوں سے بڑی حد تک معذور ہو گیا ہوں اپنا خط خود نہیں پڑھ سکتا دوسروں سے لکھوا کر بھیجتا ہوں۔

والسلام

عبدالماجد

مکتوب بنام مرزا جعفر حسین صاحب ایڈوکیٹ

ایڈیٹر "پیام نو" بدری ناتھ روڈ لکھنؤ

دریاباد۔

۱۴ دسمبر ۱۹۷۲ء بسم اللہ

احتشام مرحوم کے فکر و فن پر لکھنے والے تو بہت سے ہوں گے میں اپنی طویل ذاتی واقفیت کی بنا پر صرف دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ وہ بڑے اچھے کارکن اور کارگزار اردو کے حق میں تھے لشکر اردو کے بہترین سپاہی اور سپہ دار اردو کے ہر محاذ پر محرکہ آرا خدا معلوم کتنی اردو کمیٹیوں اور اداروں کے وہ دل و دماغ بھی اور ہاتھ پیر بھی بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق اردو کے بڑے بابا تو یہ چھوٹے بابا۔

۲۔ بہ حیثیت انسان بڑے ہی شریف النفس، شرافت کیا تھی ان کی کرامت تھی، سادگی، اخلاص حسن سلوک و احسان، مروت اور خدمت خلق کے گویا پتلے تھے۔

اور حفظ مراتب میں تو اپنی نظیر آپ تھے۔

وہ سلسلہ تقریب والی میری تقریر جلسہ گاہ ہی سے "قومی آواز" والے اڑا لے گئے مجھے دیکھنے کو بھی نہیں ملی۔

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ پرانے مسلم نیشنلسٹ لیڈر ہیں اور شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کے مدتوں جنرل سکریٹری رہے ہیں۔ شیعہ سنی اتحاد کے زبردست حامی اور لکھنویات پر برابر نیا دور اور آج کل میں لکھتے رہتے تھے پروفیسر احتشام حسین مرحوم کے خاص دوستوں میں تھے پیام نو کا ہفتہ وار پرچہ نکالتے تھے جو اس کے بعد بھی جاری رہا۔

(۲) پروفیسر احتشام حسین صاحب، پروفیسر و صدر شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی مکتوب الیہ ان کے خاص دوستوں میں تھے۔

(۳) گنگا پرشاد ہال میں پروفیسر احتشام حسین صاحب کے انتقال پر تعزیتی جلسہ مولانا مرحوم کی صدارت میں ہوا اس موقع پر مولانا نے جو تقریر پڑھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

مکتوب بنام ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی پروفیسر صدر شعبہ اردو، لکھنؤ یونیورسٹی

دریاباد۔

۶ر جنوری ۱۹۴۳ء بسم اللہ

ماشاء اللہ میاں سعید کی جو سعادت مندیاں سننے میں آئی ہیں وہ تو بیگانہ کو یگانہ بنانے والی ہیں چہ جائیکہ جو عزیز پہلے سے ہو اسے عزیز تر بنا لینے میں تامل کس کو ہو سکتا ہے اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیئے ایسے فرزند کے حقیقی والدین کو اور شکر گزار تر رہنا چاہیئے ایسے سعید کے مجازی والدین کو[۱]

بمسرت تمام اس رشتے کی سفارش علیم[۲] و زاہدہ سلمہا[۳] سے کئے دیتا ہوں۔ البتہ ان

لوگوں کا سبیتا جلدی کا معلوم نہیں ہوتا وقت وہ لوگ ضرور کچھ جاہیں گے۔

ان عزیز کی معقولیت کا، مقبولیت کا، محبوبیت کا تھوڑا بہت علم ہے اگر ادھر کی معذوری کا خیال رکھ لیا جائے تو انشاء اللہ ایک مزید تجربہ شرافت نفس بلکہ کرامت نفس کا ہو جائے گا۔

آئندہ مراسلت بہتر ہوگا کہ براہ راست میاں علیم سے رہے۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا کے صاحبزادی اور چھوٹے داماد عبدالعلیم قدوائی کی بڑی لڑکی صفیہ سلمہا سے اپنے منجھلے لڑکے سعید الحسن ہاشمی کے رشتے کا خط بھیجا تھا۔

(۲) مراد ہونے والے خسر و خوش دامن۔

(۳) مولانا مرحوم کے چھوٹے داماد جواب SMALL SCALE INDUSTRIES میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر ہیں۔ مولانا مرحوم آخر عمر تک ان کی عملی کارگزاری سے بہت زیادہ خوش ہے مولانا مرحوم کی چھوٹی صاحب زادی جن سے بھی مولانا آخر دم تک بے انتہا خوش رہے۔

مکتوب بنام عبدالقوی صاحب دیسنوی، شعبہ اردو، سیفیہ کالج بھوپال

دریاباد۔

۷ رمارچ ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

یہ اچھا مذاق میرے ساتھ رہا۔ فرط اشتیاق سے میرا ٹرل پر بیٹھتے ہی چہرہ سے نقاب کھینچ یا برقع اتار! تو سبحان اللہ۔ فرط نزاکت سے۔

ہاتھ آئیں تو انھیں ہاتھ لگائے نہ بنائے

کا عالم
مجبور کا۔ عطائے تو لقائے تو۔ دلی شکرگزار بہرحال ہوں۔
والسّلام
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے خصوصی ارادت مند تھے جب بھی مولانا بھوپال تشریف لے جاتے تھے یا بمبئی، مدراس، حیدرآباد جاتے ہوئے بھوپال سے گزرتے تو مکتوب الیہ ان سے ملنے ضرور آتے تھے اور خط و کتابت کا سلسلہ بھی مولانا مرحوم کی آخر زندگی تک جاری رہا۔ مارچ ۱۹۷۳ء میں بھوپال میں ملاقات کے وقت مولانا مرحوم نے مکتوب الیہ سے نواب شاہجہاں بیگم کا دیوان دیکھنے کو مانگا تھا مکتوب الیہ نے اسے چلتے وقت کاغذ میں لپٹا ہوا دیا ریل پر بیٹھنے کے بعد اس کو کھولا تو اندر سے بے حد پھٹا ہوا گو یا پڑھنے کے قابل ہی نہ تھا مکتوب بالا اسی بارے میں ہے۔ دیوان بھی اسی کے ساتھ واپس کیا۔

مکتوب بنام چودھری عشرت علی صدیقی ایڈیٹر "قومی آواز" لکھنؤ

لکھنؤ۔
۱۷ اپریل ۱۹۷۳ء بسم اللہ
عزیزم!
السّلام علیکم

خدا کرے اب شفائے کامل ہوگئی ہو حکیم عبدالقوی کے حادثے کا حال سخت افسوس کے ساتھ سنا بعد کو افاقہ بھی معلوم ہوگیا تھا خدا کرے اب بالکل ہی صحت ہو۔

آپ کے اخبار میں ایک تکلیف دہ اور غلط لفظ برابر نکل رہا ہے "جسم فروشی" غلط اس لحاظ سے کہ عورت اپنا جسم نہیں بیچتی ہے جسم کا صرف ایک محدود حصہ عصمت بیچتی ہے اور صحیح نام اس کے لیے عصمت فروشی ہر لغت میں موجود ہے۔

دوسرا غلط ایسا ہی لفظ "بدسلوکی" آپ کے یہاں چلا ہوا ہے MISBEHAVIOUR کے معنی جو صحیح ایک بالکل دوسرے موقع کے لیے اس خاص معنی کے لیے اردو میں ایک نہیں متعدد لفظ چلے ہوئے ہیں "منھ کالا کرنا"، "فحش کاری کرنا"، بدکاری، آبروریزی، بدفعلی،

سائن بورڈوں میں اب تک اردو کو جگہ نہ ملی : توصوبہ کانگریس کمیٹی کے دفتر نہ ضلع کانگریس کمیٹیوں کے دفتر میں لکھنؤ سٹی کمیٹی کو مستثنیٰ کر کے ۔

عبدالماجد

مکتوب بنام عارف بیگ صاحب ایڈیٹر "ایاز" سنٹرل لائبریری مولانا آزاد روڈ بھوپال

دریاباد ۔
۳ جولائی ۱۹۷۳ء

بسم اللہ

پیام

"ایاز" کے لیے کوئی دعا اس سے بہتر کیا ہو سکتی ہے ۔

عاقبت محمود باد

عارف صاحب سے تعارف مجھ بدحافظہ کو یاد نہ پڑا لیکن "عارف" کو "غیر معروف" کون کہہ سکتا ہے ۔

آپ کے رفیق کار "جلالی" ہوں یا "جمالی" بہرحال خدا کرے کمالی ضرور ہوں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) سابق وزیر مملکت برائے تجارت ۔
(۲) مکتوب الیہ کے رفیق کار جلال نام کے تھے ۔

مکتوب بنام چودھری عشرت علی صدیقی صاحب ایڈیٹر قومی آواز لکھنؤ

دریاباد۔
۷؍جولائی ۱۹۷۳ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

HOMOSEXUALITY کا ترجمہ آپ کے ہاں ہم جنسی یا ہم جنسیت بالکل غلط شروع ہوگیا ہے ہم جنس SEX کے معنی میں سرے سے ہے ہی نہیں ہیں تمام تر نوع کے مفہوم میں ہے۔ عربی کے چلے ہوئے لفظ اغلام یا لواطت یا پھر طبی اصطلاح استلذاذ بالمثل ورنہ پھر بازاری لفظ لونڈے بازی سے کام چلایئے ثقاہت میں اگر قلم اپنائیے تو امرد پرستی میں آخر کیا عیب ہے۔

انشاء اللہ اب پیر کی چوٹ بالکل ہی ٹھیک ہوگئی ہوگی۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مراد قومی آواز ہے۔

مکتوب بنام سلیمان اطہر جاوید صاحب لکچرر شعبہ اردو، یونیورسٹی تروپتی

دریاباد۔
۱۴؍ستمبر ۱۹۷۳ء بسم اللہ

از۔ عبدالماجد

رشید صاحب ظریف شروع سے رہے ہیں اور اب اس پر مستزاد شریف ہوگئے ہیں اور جس مرد رشید میں دونوں دولتیں ظرافت اور شرافت کی جمع ہوجائیں اس کے لیے باقی

ہی کیا رہ جاتا ہے۔

ان کا قلم ان کی زبان کی طرح اظہارِ خیال کے لیے (اخفائے خیال کے لیے نہیں) ان کا مکتوب دل کا آئینہ ہوتا ہے اور اس لیے قابلِ عزت بھی اور قابلِ توجہ بھی۔

وہ طلسم ہوش ربا کے اسرار خانے میں قدم نہیں رکھتے وہ بوستانِ خیال کی سیر نہیں کراتے وہ گلستانِ سعدی کی نئی چمن بندی کرتے ہیں اور اس گلستان کے نئے نئے پھول نت نئی بہار اور سدا بہار خوشبو دکھاتے ہیں۔ ظرافت اور شرافت پر اضافہ کر لیجیے لطافت کا۔ وہ کبھی میرے چھوٹے تھے اب برابر کے ہیں ہم سر و ہم چشم بڑی بڑائی ان کی یہ ہے کہ اپنے کو بڑا نہیں سمجھتے۔

سلام ان کو جو ان سے خط و کتابت رکھتے ہیں، سلام ان پر جنھیں وہ مراسلت سے مشرف کرتے رہتے ہیں اور یہ دو سطریں پیش لفظ ایک دعا گو کے قلم سے۔

(۱) مکتوب الیہ نے پروفیسر رشید احمد صدیقی کے مکاتیب کا مجموعہ مرتب کیا تھا اور اس کے پیش لفظ کی فرمائش کی تھی۔

(۲) مراد پروفیسر رشید احمد صدیقی۔

مکتوب بنام مرزا مہذب صاحب، مہذب اللغات، منصور نگر، لکھنؤ،

دریاباد۔
۱۶؍ دسمبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

مرزا رسوا کے امراؤ جان ادا کے صفحہ ۱۱ کے شروع میں "سلام" مؤنث چھپا ہے "لوگ انھیں جھک جھک کر سلامیں کرتے تھے" (مطبوعہ ہمدم برقی پریس) دوسرے ایڈیشنوں میں بھی یہی فقرہ بعینہٖ موجود ہے۔

توکیا کوئی قول "سلام" کی تانیث کا بھی ہے یا یہ محض سہو کتابت ہے۔
خدا کرے آپ ہر طرح بخیریت ہوں۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) اس مکتوب سے مولانا مرحوم کے خاص علمی مذاق اور ذوق کا اندازہ ہوتا ہے کہ آخر دم تک برابر علمی تحقیق میں لگے رہے۔

مکتوب بنام مالک رام صاحب ڈیفنس کالونی، نئی دہلی

دریاباد۔

۸ر فروری ۱۹۷۴ء بسم اللہ

جناب بندہ! تسلیمات

صاحب تحریر کی زبان سے مضمون نہیں مضمونچہ کی فرمائش اور راس سے جو بصیرت تو شاید کبھی بھی نہیں رکھتا اور اب بصارت سے بھی بڑی حد تک محروم رہ گیا ہے! اپنا ہی معمول کا کام خدا معلوم کس طرح لشتم پشتم ہو پاتا ہے دوسروں کی خدمت کا نہ ولولہ نہ حوصلہ! بجز شرمندگی کے اور معذرت کے پیش کش کے اور کیا کروں۔

سید مسعود حسن رضوی سے ملاقات آج کی نہیں کوئی ۴۳، ۴۴ سال قبل کی ہے۔ ان کے کمالات ادبی کو اگر چھوٹے سے جملہ میں سمیٹ کر کہوں تو یہی کہہ سکتا ہوں اور اپنی ذمہ داری کے پورے شعور کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ ان چند گنے چنے لوگوں میں ہیں جو اردو صحیح لکھتے ہیں تحریر کی اور بھی خوبیاں ہوتی ہیں۔ فصاحت، بلاغت، سلاست، ظرافت لطافت یہ سب اوصاف اضافی ہیں سب سے مقدم زبان کی صحت ہے کوئی فقرہ دل چسپ نظر آیا اور لوگوں نے اس کی داد دے دی۔ کوئی ترکیب پھڑکتی ہوئی سوجھ گئی اور پڑھنے والوں

کی زبان پر واہ واہ آگیا۔ یہ ساری بحثیں بعد کی ہیں پہلے زبان صحیح بھی تو ہو[۲]۔

اردو میں لکھنے والوں اور شعر کہنے والوں کی آج کمی تو ہے نہیں ــــ سیکڑوں سے گزر کر ہزاروں تک ایسے پہنچ گئے ہیں جو اردو کی فضائے نثر و نظم پر چھائے ہوئے ہیں ان پر کیسے کیسے "معلی القاب" پڑے ہوئے ہیں لیکن بجز گنتی کے کئے ایسے ہیں جو زبان کا خیال رکھتے ہیں۔ عبارت صحیح لکھتے ہیں اور ایک ایک فقرہ کو سوچ کر اس کے وزن کا اندازہ کر کے اپنے قلم پر لاتے ہیں۔

اونچے اونچے پڑھنے والوں کا ذکر نہیں اردو پڑھانے والوں کی خاصی تعداد ایسی ہے جسے صحت زبان کی فکر ہی نہیں بس ان کے لیے کوئی فقرہ کافی ہے۔ ظرافت نگاری کی بھی تو بھانڈوں اور نقالوں کی سطح کی[۳]۔ ادبی لطافتوں کی طرف ذہن کو لے ہی نہیں جاتے۔

اور پھر مسائل ادب کی تحقیق میں مسعود صاحب صف اول کے لکھنے والوں میں ہیں۔ اتنے سلجھے ہوئے ادیب، نقاد، سخن فہم کی مثال ان کے معاصرین میں تو مشکل سے ہی کوئی ہوگی۔

اس لیے بڑی حیرت ہوئی کہ جب سننے میں آیا کہ اردو اکیڈمی نے حال میں تین کہنہ مشق اہل قلم کو جو کیک مشت رقم ان کی عمومی خدمات پر پیش کی ہے اس مختصر فہرست میں مسعود صاحب نہیں۔ وجہ اور سبب جو کچھ بھی ہو بہرحال اس اعراض اور اغماض سے ان کی حق تلفی ہی ہوئی ہے اکیڈمی کی اس سب کمیٹی کا ممبر نہ تھا نہ مجھے کہیں سے اس کی کچھ سن گن مل پائی ورنہ میں تو اپنی آواز ان کے نام کی تائید میں ضرور بلند کرتا۔ خیر اللہ کرے وہ آئندہ ضرور اور جئیں کہ اکیڈمی اس حق تلفی کی تلافی کر سکے۔

آپ کا اور ان کا دونوں کا خیر اندیش۔

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا سہ ماہی معیاری ادبی مجلہ

(۲) مولانا مرحوم کا آخر تک یہی خیال رہا اور اس کا افسوس رہا کہ اردو کے اساتذہ صحت زبان کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتے ۔

(۳) ظرافت نگاری کے بارے میں مولانا مرحوم کا معیار بہت بلند تھا وہ گھٹیا قسم کی ظرافت کے ذرا بھی روادار نہ تھے ۔

مکتوب بنام عثمان احمد صاحب جمیل لائبریری، شاہ گنج، جون پور

دریاباد۔

۹ر مارچ ۱۹۷۰ء بسم اللہ

مکرم بندہ ! وعلیکم السلام

بڑا شاعرانہ مبالغہ آپ نے اس دیہاتی کی زبان سے متعلق قائم کرلیا ہے۔ پہلے تو اس کی اصلاح فرمائیے۔ اب جواب اپنی بساط کے اندر یہ ہے

۱۔ فصیح اور شیریں لفظ "برات" ہی ہے باقی "بارات" بھی جائز اور قصباتی زبان میں رائج ہے۔

۲۔ "ناؤ" اہل زبان کی زبان پر مذکر ہے۔ باقی میں غلط مونث کو بھی نہ کہوں گا، میں غلط کسی لفظ کو مشکل ہی سے کہتا ہوں ۔

۳۔ ایجاد شروع ہی سے مختلف فیہ رہا ہے میں تو دونوں کو صحیح تسلیم کردوں گا اتباع ترجیحاً مذکر ہے اور غرض ترجیحاً مونث ۔

مولوی اسمٰعیل میرٹھی کی ریڈریں اب بھی کیا بری ہیں سوائے اس کے کہ ذرا پرانی ہوگیئں شاید جامعہ ملیہ والوں نے کچھ اچھی تیار کرائی ہیں۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا مرحوم سے ادبی استفسارات کئے تھے بعض الفاظ کی تذکیر و تانیث اور بعض الفاظ کی صحت کے بارے میں۔

(۲) مراد اردو ریڈریں ہیں مرتب کے بچپن تک بلکہ اس کے کچھ بعد تک مولوی اسمٰعیل میرٹھی مرحوم کی ریڈریں چلتی تھیں۔

دلدوز تعزیتی مکتوباتؒ

حصّہ دوئم

بنام مولوی صبغت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی[۱]

دریاباد
۱۳؍اگست ۱۹۵۲ء
۵ بجے شام

بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

کیا عرض کروں کہ صبح[۲] ۱۲؍اگست میں ابھی خبر صاعقہ اثر دیکھ کر دل پر کیا گزر گئی! اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا الیہ راجعون۔

کتنی دلچسپ پرانی یادیں تازہ ہو گئیں ــــــ اب ان سب پر حسرت اور ۳۰، ۳۵ کی رفاقت ٹوٹنا کوئی معمولی بات ہے

تعزیت کن الفاظ میں کروں اور کیا کہہ کر خود آپ کو اور پھر مولوی ہاشم سلّمہٗ کو تسکین دوں! خبر پڑھتے ہی اخبار ہاتھ سے جھٹک کر فوراً دعائے مغفرت کی اور اس کے بعد یہ کارڈ لکھنے

بیٹھ گیا۔ یہ کارڈ اب کل صبح ڈاک میں پڑے گا اور آپ کو کہیں پرسوں ملے گا۔

بہرحال آپ کو مبارک ہو کہ جس نے اپنی محبوبہ خدیجۃ الکبریٰ کا جنازہ اٹھایا، کفنایا دفنایا اس کی سنت کا اضطراری اتباع آپ کو نصیب ہوگیا۔

آپ کی زندگی میں ایک مستقل خلا پیدا ہوگیا، لیکن آپ کو کیا خبر کہ کتنا اجر بے حساب بھی آپ کے لیے مقدر ہو چکا ہے!

رافت سلّمہا لکھنؤ میں ہیں اسی ڈاک سے ابھی انھیں بھی لکھے دیتا ہوں کہ فرنگی محل فوراً جا کر حاضری دیں ـــــ میں خود عنقریب لکھنؤ آنے کو تیار ہو رہا ہوں تو سوچتا ہوں کہ بجائے فرنگی محل کے باغ ملا انوار ہشتی میں حاضری دوں مرحومہ کی خاکی آرام گاہ پر اور آپ کو بھی وہیں زحمت دوں۔

مرحومہ اس وقت کیسی باغ باغ ہو رہی ہونگی اپنے والد ماجد سے، اپنی والدہ ماجدہ سے، اپنے بھائی مرحوم سے، حمیرا مرحومہؒ سے اور سب سے مل کر۔

آپ بھی ان کی خوشی کا تصور کر کے اپنے کو خوش کرنے کی کوشش کیجئے۔ اس دنیا محنت میں رکھا ہی کیا ہے بجز تکلیفوں اور مصیبتوں کے، اب انھیں ہر بیماری ہر تکلیف سے آزادی مل گئی۔

گھر میں اور لڑکیاں سب اپنی ایک عزیزہ قریب ہی کی وفات کا صدمہ محسوس کر رہی ہیں

والسلام

دعاگو و شریک غم

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے بڑے پرانے، بے تکلف اور مخلص دوست تھے۔ مکتوب بالا مکتوب الیہ کی اہلیہ کے انتقال پر بہ طور تعزیت بھیجا گیا۔

(۲) روزنامہ حق، لکھنؤ جس کے ایڈیٹر عبدالرؤف عباسی صاحب تھے افسوس ہے کہ

یہ اخبار تقسیم ہند کے کئی برس کے بعد بند ہوگیا۔

(۳) مکتوب الیہ کے بڑے صاحبزادے اور شیریں بیان مقرر۔ دینی تعلیمی تحریک اور دوسرے ملی کاموں میں بڑے پیش پیش رہتے ہیں۔

(۴) مولانا مرحوم کی سب سے بڑی صاحبزادی اور حکیم عبدالقوی صاحب منیجر صدق جدید کی اہلیہ انھیں بچپن میں مکتوب الیہ نے بہت کھلایا تھا اور یہ بھی مکتوب الیہ سے بڑی مانوس تھیں اور مولانا مرحوم کے ہمراہ بچپن میں مکتوب الیہ کے ہاں بارہا جا چکی تھیں۔

(۵) یہ حضرات فرنگی محل کا خاندانی قبرستان ہے۔

(۶) مکتوب الیہ کی بڑی صاحبزادی اور مفتی محمد رضا انصاری کی زوجہ اولیٰ جن کا انتقال ۱۹۳۹ء میں ہوا تھا۔

بیگم حکیم محمد امینؔ دریابادیؒ کے نام

دریاباد
۱۳ ستمبر ۱۹۵۳ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

اس روز تم ڈیڑھ گئی ہوئی تھیں ورنہ زبانی تم سے تعزیت کرتا۔

باپ کی ہستی اللہ کی ایک بہترین نعمت ہوتی ہے اور پھر تمہارے حق میں تو مرحوم باپ اور ماں دونوں تھے۔ ایسی نعمت سے محرومی خواہ وہ جس سن میں بھی ہو اللہ کی طرف سے آزمائش ہی ہوتی ہے۔

جو اللہ وقت ڈالتا ہے وہی وقت کاٹنے کی بھی ہمت و توفیق دے دیتا ہے ورنہ انسان بے چارہ تو ایک پلک سے امتحان کی بھی برداشت نہیں رکھتا۔ اب مرحوم کے حق میں دوستی یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ دعائے مغفرت ان کے حق میں کی جاتی رہے اور

دعائیں سب سے زیادہ کارگر وہی ہوتی ہیں جو خلوص قلب سے نکلتی ہیں (نہ کہ کسی کی مروت یا دباؤ یا طمع یا سـشـرماشرمی میں)

آخر عمر میں فـسـریضۂ حج ادا کر آئے۔ اللہ کے مقبول بندے حاجی محمد شفیع کی خدمت کرتے رہنے کی پوری قدر اس وقت ہو رہی ہوگی۔

اللہ تمہارے دل کو صبر دے۔

دعائے گو مغفرت

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا مولانا مرحوم کے قریبی رشتے کے بھانجے اور بھتیجے یعنی حقیقی خالہ زاد بھائی، نامور طبیب شفاء الملک حکیم عبدالحبیب دریابادی اور سگی ماموں زاد بہن کے لڑکے حکیم محمد امین دریابادی کی بیوی تھیں اور یہ خط ان کے والد علی الدین صاحب بیرسٹر کے انتقال پر تعزیت میں ہے۔

(۲) ان کے والد ضلع بارہ بنکی کے مشہور قصبہ دیوہ کے رہنے والے تھے جہاں حاجی وارث علی کا مزار ہے۔

(۳) مکتوب الیہا کی کم سنی ہی میں ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کی اور ان کے دوسـرے بھائی بہنوں کی پرورش مکتوب الیہا کے والد نے کی تھی۔

(۴) نامور اور مقبول بزرگ و عارف حضرت حاجی محمد شفیع صاحب جو حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے بیعت تھے۔ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے شاگرد تھے۔

بیگم شیخ حامد الزماں کے نام[۱]

دریاباد
۱۳ ستمبر ۱۹۵۳ء
بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

دیکھتے دیکھتے آج کے دن ہوگئے، اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو خاک میں دفن کیے ہوئے نازوں سے پالے ہوئے نورِ نظر کو قبر میں اتارتے ہوئے۔ اور اللہ کی امانت اللہ کو واپس کیے ہوئے! جس کی جدائی چند گھنٹوں کو بھی گوارا نہ تھی۔ اسے یوں نظر سے بالکل اوجھل ہوجاتے ہوئے کے دن کیا معنی۔ ہفتوں پر ہفتے سالوں پر سال۔ ساری عمر اس طرح پلک جھپکتے کٹ جائے گی اور پھر جب ماں باپ کا بلاوا اللہ کی رحمت سے آئے گا تو استقبال کو پیشوائی کو ہاتھوں ہاتھ لینے کو وہی نورِ نظر موجود ہوگا ــــ خون اور کیچڑ میں لت پت نہیں نور کے پانی سے دھلا ہوا، نکھرا ہوا، جنت کی خوشبوؤں میں بسا ہوا۔

اس وقت کے شوق و اشتیاق کا، جوشِ مسرت کا کوئی اندازہ آج نہیں ہوسکتا کوئی لفظ اس بے پایاں خوشی کو بیان ہی نہیں کرسکتا اس کا اندازہ تو بس اسی وقت ہوگا اور دل بے اختیار پکار اٹھے گا کہ اس نعمت کے آگے اس دنیوی صدمہ کی ہستی کیا تھی۔ عمر بھر کی ساری لذتیں ہر قسم کی مسرتیں اس ایک گھڑی پر قربان کردینے کے قابل نکلیں گی ــــ سعیدؒ نام ہی کا سعید نہ تھا واقعی سعید و صالح تھا اور اس کے سعید و صالح ہونے کی قدر تو اس وقت ہوگی۔

آج ہی ایک قول غوث اعظم حضرت شیخ جیلانیؒ کا نظر پڑا اور جی میں آیا کہ تمہیں سنا دوں۔ فرماتے ہیں کہ اللہ اپنے بندۂ مومن کی آزمائش اس کے درجۂ ایمان ہی کے مطابق کرتا ہے۔ یعنی جس کا ایمان جتنا بڑھا ہوا ہو اتنی ہی سخت اس کی آزمائش بھی ہوتی ہے اور

خود حدیث رسول میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ سب سے بڑھ کر کڑی آزمائش پیمبروں کی ہوتی ہے پھر جو جتنا اونچے مرتبہ کا ہوتا ہے درجہ بدرجہ اس کی ـــــ یہ ارشادات سچ ہیں تو تمہیں مبارک ہو کہ تمہارا ایمان اللہ کے یہاں اس درجہ کا پایا گیا کہ اس کی آزمائش بھی ایسی سخت رکھی گئی۔ یہ آزمائش جو تمہاری ہوئی تو کوئی معمولی ہوئی ہے جوان، صالح اور ہر طرح ہونہار اور تندرست لڑکے کا اور پھر بالکل یک بیک منٹوں کے اندر اٹھ جانا کوئی معمولی بات ہے؟ اور پھر حالات ایک سے بڑھ کر ایک دردناک، ویرانے جہاں کوئی اپنا عزیز آس پاس نہیں! بندوق اپنی ہی جو ہر احتیاط کے باوجود اپنے اوپر چل کر رہی (آفتاب کہتے تھے کہ مرحوم بندوق کے معاملے میں بڑا محتاط تھا اور دوسروں کو بھی احتیاط بتایا کرتا تھا) کس ماں سے یہ ممکن ہے کہ اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو خون میں لت پت بے جان پڑا ہوا دیکھے؟ نازوں سے پالے ہوئے جسم کے ایک حصہ کو گولی سے اڑا ہوا اور قیمہ بنا ہوا دیکھ کر ضبط کر سکے؟ تمہاری قسمت میں یہ سب منظر دیکھنے تھے۔ اور پھر اللہ نے تمہیں صبر و ضبط کی توفیق دی۔ یقین رکھو کہ یہ سب چیزیں بے کار جانے والی نہیں۔ اللہ کے ہاں سے ایسی قیمت ان کی وصول ہوگی جس کا ابھی تمہیں اندازہ ہی نہیں۔

رہے وہ اختلاجی دورے جو تمہیں پڑے وہ تمہارے بس اور اختیار کی چیز نہیں اس لئے یہ دورے بھی اجر گھٹانے والے نہیں اجر بڑھانے والے ہیں۔

اچھا ہوا کہ جا کر قبر دیکھ آئیں اور کچھ نہ کچھ تسکین حاصل کر آئیں۔ وہ مرحوم تو اب دوسرے ہی عالم میں ہے جو ہر طرح گل و گلزار ہے۔ خدانخواستہ کہیں قبر کے اندر تھوڑے ہی ہے۔ قبر کے اندر تو محض بے جان جسم رہتا ہے جیسے میلے کپڑے اتار کر کہیں ڈال دیئے جاتے ہیں۔

ان شاء اللہ اب کی اتوار کو آؤں گا اور خاص تمہارے پاس آرہا ہوں سہ پہر کو عیش باغ جانے کا پروگرام ہے۔

بس چند باتوں کا خیال رکھو تو ان شاء اللہ نفع ہر طرح رہے گا۔

(۱) نمازیں اور قرآن مجید پڑھ پڑھ کر مرحوم کے حق میں دعائیں کرتی رہو۔
(۲) کلمۂ طیبہ اٹھتے بیٹھتے وضو یا بے وضو ہر حال میں جتنی تعداد میں بھی ممکن ہو پڑھے جاؤ۔
(۳) ادائے قرض فرض عین ہے اور اسے معمولی اور ہلکی بات نہ سمجھو جیسا کہ اکثر لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ سوال جس طرح فرض نمازوں اور روزہ وغیرہ کی بابت ہوگا قرض لے کر جلد سے جلد واپس نہ کرنے کی بابت بھی ہوگا۔ اس لئے ہر ممکن کوشش و تدبیر ادائے قرض کی کئے جاؤ اس میں غفلت نہ ہونے پائے اور جب فکر ہر وقت چوبیسوں گھنٹے سوار رہے گی تو اللہ برکت بھی ضرور دے دے گا۔ اس اہم ضرورت کو ساری ضرورتوں پر مقدم سمجھو۔
یہ خط کہیں سے نہ ملے تو جمیلؔ سے پڑھوا لینا۔

والدعا

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا مولانا مرحوم کے سگے خالہ زاد بھائی شفاء الملک حکیم عبدالحسیب اور سگی ماموں زاد بہن کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے شوہر بھی مولانا مرحوم کے دوسرے خالہ زاد بھائی شیخ بشیر الزماں صاحب اور دوسری ماموں زاد بہن کے لڑکے تھے۔ مکتوب بالا الہیا کے منجھلے جوان صالح لڑکے سعید الزماں کی اندوہناک موت پر بھیجا گیا۔ مرحوم کی موت بھری ہوئی بندوق کے چل جانے سے واقع ہوئی۔
(۲) مکتوب الیہا کے شہید منجھلے لڑکے کا نام جو ہر اعتبار سے سعید اور صالح تھے۔
(۳) مرحوم لکھنؤ سے چند میل کے فاصلہ پر اپنے گاؤں ایک دوست کے ساتھ شکار پر گئے تھے اور گاؤں سے کچھ فاصلہ پر یہ جانکاہ حادثہ پیش آیا۔
(۴) حکیم عبدالقوی دریابادی کا عرف اور گھریلو نام۔
(۵) مکتوب الیہا نے اس اندوہناک اور المناک حادثے پر غیر معمولی ضبط سے کام لیا تھا۔

(۶) اس حادثے کے بعد مکتوب الیہا کو اختلاجی دورے پڑے۔

(۷) لکھنؤ میں مسلمانوں کا سب سے بڑا قبرستان۔

(۸) مکتوب الیہا کی قرضداری کی طرف اشارہ ہے۔

(۹) مولانا مرحوم کا خط بہت باریک تھا اور اسے ہر ایک نہ پڑھ پاتا۔

(۱۰) مولانا مرحوم کی منجھلی صاحبزادی اور منجھلے بھتیجے حبیب احمد صاحب کی اہلیہ جنھیں سب سے زیادہ مولانا مرحوم کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ مولانا مرحوم کی بڑی مزاج شناس تھیں اور مولانا مرحوم کے خطوط کی زیادہ تر نقلیں انھوں نے ہی کی اور یہ آخر زمانے میں بھی مولانا مرحوم کے خط کو پڑھ لیتی تھیں جبکہ مولانا مرحوم کے خط کو پڑھ لینا آسان نہ تھا کیونکہ مولانا مرحوم شدید ضعف بصارت کی وجہ سے محض اٹکل سے لکھتے تھے۔ یہ اس زمانہ میں لکھنؤ ہی میں مقیم تھیں۔

چودھری خلیق الزماں صاحب گورنر مشرقی پاکستان کے نام[۱]

دریاباد ـــــــ

۲۹ دسمبر ۱۹۵۳ء

بسم اللہ

بھائی صاحب! وعلیکم السلام

مرحوم[۲] کے واقعہ پر آپ کو تعزیت نامہ بس لکھتے لکھتے رہ ہی گیا۔ ارادہ بار بار کیا مگر ہر دفعہ کوئی نہ کوئی مانع پیش آگیا یہاں تک کہ دیر ہوگئی اور پھر ارادہ ہی ترک کر دیا وقت گزرنے کے بعد چوٹ خود بخود ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور قدرت نے اس جراحت قلب کا انتظام خود ہی کر دیا ہے ـــــــ

کیا گزری ہوگی آپ کے دل پر۔ دو دو چھوٹے بھائیوں[۳] کی موت پر اور وہ بھی یوں تابڑ توڑ اور بغیر کسی زیادہ نوٹس کے اور آپ سے بھی کہیں بڑھ کر دونوں کو جننے والی ماں

بے چاری پر، ہماری ممانی صاحبہ پر!

لیکن پھر آپ لوگوں کے مرتبے آخر کس طرح اتنے بڑھتے اور آپ لوگوں کو اجر ابرار اور اتقیا والے کیسے ملتے! جس کو وہ آزمانا چاہتے ہیں اس کے لئے بہانے بھی اضطراری مجاہدات سے کیسے پیدا کر دیتے ہیں۔

خوش ہوئیے اور عقل و ایمان کی مدد سے اپنے دل کو سمجھائیے کہ یہ قرض اس کے ذمہ باقی رہا جس کی شرح سود واپسی کے وقت ہر بینک سے بے انداز و بے حساب بڑھ کر نکلے گی اور آج کے غم و صدمہ کی کوئی حقیقت و بساط بھی اس وقت کی مسرتوں اور راحتوں کے آگے نہ نکلے گی۔

والسلام دعاگو دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) چودھری صاحب مولانا مرحوم کے قریبی رشتے کے ماموں کے صاحبزادے تھے اور ان کی پہلی بیوی بھی مولانا کی ایک چچازاد بہن تھیں۔

(۲) چودھری شفیق الزماں مرحوم چودھری صاحب کے چھوٹے بھائی تھے اور مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر آگے آگے تھے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے پہلے لکھنؤ کے کھیل میں بڑا نام حاصل کیا اور یونیورسٹی ہاکی ٹیم کے کپتان بابرا اور اس طرح کے بہت سے کھلاڑی ان کے شاگرد تھے لکھنؤ میں یہ چودھری صاحب کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ اپنے سب بھائیوں میں ان سے سب سے زیادہ بے تکلف تھے۔

(۳) مرحوم کے انتقال کے تھوڑے ہی دن بعد ایک دوسرے بھائی سعید الزماں کا پاکستان میں انتقال ہوا۔

مولانا اویس ندوی نگرامیؒ

شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نام

دریاباد

۱۳ر نومبر ۱۹۵۳ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

آں عزیز کا اطلاعی مکتوب تو بعد کو ملا۔ تعزیت نامہ میں اس سے قبل ہی بھیج چکا تھا بہتوں کو اطلاع اب صدق کے ذریعہ مل گئی ہوگی۔

باپ کا صدمہ یوں ہی کیا کم ہوتا ہے اور پھر جس کے لئے یہ صدمہ ماں اور باپ دونوں کے صدموں کا قائم مقام ہو ــــ لیکن بہرحال جو یہ وقت ڈالتا ہے وہ کاٹ بھی دیتا ہے۔ صدمہ ہلکا ہو کر مٹ جاتا ہے جو اجر بے حساب اضطرارًا ہاتھ لگ جاتا ہے وہ مٹنے والا نہیں آج نہیں کل گویا بالکل مفت اس کے انبار لگے ہوئے ملیں گے اس وقت قدر ہوگی یہاں کے غم وصدمہ کی۔

تجربہ اتنے دنوں میں ہو گیا ہوگا ــــ اور نئی نئی ذمہ داریاں کیسی سر پر آپڑی ہوں گی یہ وقت قبول دعا کے لیے خاص ہوتا ہے قلب شکستہ وحزیں کے ساتھ دعائیں اپنے حق میں بھی خوب مانگئے اور یاد آجائے تو کبھی اپنے ایک قدیم نیاز مند کے حق میں بھی۔

والسلام دعاگو دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کے خصوصی تعلقات تھے اور دونوں میں برابر مراسلت رہا کرتی تھی۔ مولانا مرحوم مکتوب الیہ سے بے تکلف ہر مسئلہ پر کھل کر گفتگو کرتے تھے۔ اور وہ مکتوب الیہ کے علم وفضل وتفسیر پر گہری نظر اور ان کے تقوی کے بہت زیادہ قائل تھے۔

(۲) اس سے مولانا مرحوم کا انکسار ظاہر ہوتا ہے۔ مکتوب الیہ ان سے سن میں کہیں چھوٹے

تھے لیکن اپنے کو ان سے بڑا نہیں سمجھتے تھے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ کی وفات پر

ان کے صاحبزادے سید سلمانؒ کے نام مکتوب تعزیت۔ ان کے خط کے جواب میں ــــــ

دریاباد
۳ر دسمبر ۱۹۵۳ء

بسم اللہ

عزیزی سلمۂ! وعلیکم السلام

کیا کہوں کہ خبر صاعقہ اثر سن کر دل پر کیا گزر گئی۔ بہرحال جو مشیت تھی وہ پوری ہو کر رہی اور رسول کا سیرت نگار اپنے اللہ کے حضور میں مزد و انعام سے سرفراز ہونے کے لیے حاضر ہو گیا اس کے انعامات و سرفرازیوں کا کیا ٹھکانا۔ ہم دنیا والے تو اندازہ بھی نہیں کر سکتے ـــ لیکن بہرحال ظاہری و مادی مفارقت سے صدمہ ہونا بھی انسان کے لیے ایک امر طبعی ہے۔ اللہ ہم سب کو صبر دے۔ یتیم ایک خاندان نہیں ساری ملت ہو گئی اور جس کا جتنا رشتہ اور تعلق اسی قدر اس کا غم، صدمہ بھی بالکل قدرتی ہے۔

آں عزیز اپنے دل کو یہی کہہ کر تسلی دیں کہ اس سوگ میں دو چار، دس، بیس افراد خاندان نہیں لکھوکھا افراد امت شریک ہیں، تعزیت نامے میرے پاس بھی کثرت سے آرہے ہیں اور "صدق" میں رفتہ رفتہ شائع ہو رہے ہیں۔

اپنی والدہ ماجدہ کو یاد دلائیں کہ بیوگی تو عورت کے حق میں خود جالب رحمت و جاذب کرم ہے۔ عائشہ صدیقہؓ اور کتنی پاک بیویوں کو یہی مرتبہ مل چکا ہے اس کی پوری قدر تو "وہاں" پہنچ کر ہو گی اور "وہاں" پہنچنے میں دیر ہی کتنی ہے۔ اللہ ان کا سایہ مدتوں تک ان کی اولاد کے سر پر رکھے لیکن بہرحال بڑی سے بڑی مدت بھی کٹتے دیر نہیں لگتی منزل سب کی

ایک ہی ہے اور سب دوڑتے بھاگتے وہیں پہنچ رہے ہیں۔

"ان عزیز نے کچھ اپنا حال نہ لکھا یعنی اب کیا کرتے ہیں؟ پڑھائی کہاں تک پہنچی۔ سلسلہ معاش اب کیا رہے گا؟ وغیرہا۔

سیرت سلیمان کے لئے نام غلام محمد حیدرآبادی کا ذہن میں آ رہا ہے۔ مرد و ہم سب لوگ دیں گے ـــــــ

والدعا

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ پہلے پاکستان اور اب جنوبی افریقہ میں ڈربن کی یونیورسٹی میں استاذ ہیں۔
(۲) اشارہ ہے کہ حضرت سید صاحب نے سیرت النبی کی چھ ضخیم جلدیں لکھی تھیں پہلی جلد جو ان کے استاد مولانا شبلی کے قلم سے تھی اسے بھی پورا کیا۔

مولانا شاہ عون احمد صاحب پھلواروی کے نام مکتوب تعزیت

دریاباد

۴ر دسمبر ۱۹۵۳ء

بسم اللہ

عزیز مکرم! السلام علیکم

اہلیہ مرحومہ کی خبر وفات کل عنیف میں پڑھی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

زچگی کی موت تو شہادت کی موت ہے اور پھر یہ بشارت بھی سچے کی زبان سے مل چکی ہے کہ جو بیوی اس حال میں وفات پائے کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہو تو وہ جنتی ہے۔
اب اور زائد کیا چاہیے۔؟

ان مرحومہ کو بیوی خدیجہ رضؓ الکبریٰ کی سنت اضطراراً نصیب ہو جانا بھی مبارک ہو، جانا تو آگے پیچھے سب ہی کو ہے خوش نصیب وہ ہے جو ان بشارتوں کے جھرمٹ میں جائے

آپ حضرات کی جولائی ۱۹۵۲ء میں مسافر نوازی اور شب کے وقت اسٹیشن تک زحمت فرمائی کا نقش تازہ ہے بس خط لکھنے بیٹھ گیا۔

والسّلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) امارت شرعیہ بہار کا ترجمان اخبار۔

(۲) جب مولانا مرحوم مولانا مناظر احسن گیلانی سے ان کے وطن گیلانی میں مل کر مولوی عبدالباری ندوی اور خاکسار مرتب کے ساتھ سیالدہ ایکسپریس سے واپس ہو رہے تھے تو مکتوب الیہ مولانا سے ملنے اسٹیشن پر آئے تھے۔

بنام مولوی رئیس احمد جعفری ندوی ایڈیٹر ریاض کراچی

تعزیت نامہ ان کے بچے کے انتقال پر۔

دریاباد
۲۴ مئی ۱۹۵۴ء بسم اللہ

برادرم سلمۂ! السلام علیکم

بچہ کا اٹھ جانا والدین خصوصاً ماں کے لئے ایک سخت ترین آزمائش ہے۔ لیکن اسی نسبت سے اجر بھی توبے حساب و بے اندازہ ہے اور پھر معصوم کے اُٹھ جانے پر تو کھلی ہوئی بشارت والدین کی مغفرت کی موجود ہے۔ آپ تو ماشاء اللہ حدیث کا علم رکھتے ہیں۔ معصوم غم زدہ ماں کو حدیث کا یہ مضمون سنائیے اور زور دے کر سنائیے۔

یہ تو گویا قرض ہے جو آج آپ لوگوں سے لیا گیا ہے اور کل جب آپ انتہائی حاجتمند ہوں گے عین اس وقت یہ رقم سو گنے اور ہزار گنے سود کے ساتھ واپس ملے گی اور اس کی قدر اس وقت ہوگی اور جی تو اس وقت یہ چاہے گا کہ آج اور زیادہ قرض لے لیا ہوتا۔

پھر دنیا میں بچہ کا پالنا تعلیم و تربیت لگانا خصوصاً اس زمانے میں کتنا دشوار ہوتا ہے اور قدم قدم پر خطرے الگ اور تکلیفیں الگ۔ اب جہاں پہنچ گیا ہے وہاں کون سا ڈر کون سی تکلیف! خوش ہونا چاہیے کہ کس بے فکری سے پل رہا ہے۔ لے دے کر بس یہی نہ کہ ابھی آنکھ سے دوری ہے۔ سو یہ دوری کے دن کی؟ بڑی سے بڑی مدت عمر بھی بات کہتے میں ختم ہو جاتی ہے ———

دعا گو و شریک غم

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے مخلص ترین لوگوں میں تھے اور ایک زمانہ میں گویا شریک ڈائرکٹر تھے تفسیر ماجدی کی اشاعت و طباعت کے لیے انھوں ہی نے شیخ عنایت اللہ مینجنگ ڈائرکٹر تاج کمپنی کو آمادہ کیا تھا۔ اپنے اسلوب ادا میں وہ مولانا مرحوم کے ایک حد تک کامیاب مقلد تھے۔

بنام عبدالحکیم دریابادی ثم پاکستانی

دریاباد۔

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

مرحوم کے انتقال کی خبر میاں مقیمؒ وغیرہ کی کوشش کے باوجود مجھے وقت پر نہ ہو سکی۔ مولوی صاحبؒ جب شام کو بعد تدفین آئے تو انھوں نے بیان کیا۔ سب سے پہلا سوال میں نے تمہارے ہی متعلق کیا۔ اپنی عدم شرکت کا بڑا افسوس رہا۔ دعائے مغفرت ظاہر ہے کہ اسی وقت کر دی۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ پھر دوسرے دن مولوی صاحب و عبدالخالق کے ہمراہ گیا اور میاں لنظر کے گھر سے میں دیر تک بیٹھا۔ عورتیں بھی پردے میں آ گئی تھیں اور پردہ

کی آڑ سے سب باتیں سنتی رہیں۔ باتیں ہی کیا تھیں۔ جو منزل سب کو دیر سویر آگے پیچھے پیش آئی ہے اس کی ذرا یاد تازہ کر لینا تھی۔ کل صبح سورج کا نکلنا جس قدر یقینی ہے واقعہ موت تو اس سے کہیں بڑھ کر ہر فرد بشر کے لیے قطعی و یقینی ہے۔ بس اسی بھولی ہوئی حقیقت کو پیش نظر کر لینا تھا۔ موت کوئی حادثہ نہیں یہ تو مومن کا اپنے رب کے حضور میں پیش ہونا اور ہر طرح کے انعام واکرام سے سرفراز ہونا ہے۔ اور بجائے ماتم کے عقلاً خوشی و فرحت کا مقام ہے۔ وقتی جدائی سے غم محسوس ہونا بھی ایک امر طبعی ہے اور جوا ولاد یا لکل اچانک یہ خبر سیکڑوں[1] میل دور پردیس میں سنے اس پر تو گویا بجلی گر پڑی۔ جتنا بھی غم ہو لیکن اس کے لیے مستقل اجر علیحدہ ہے۔ غم کچھ عرصہ بعد رفتہ رفتہ جاتا رہے گا۔ اجر قائم و غیر فانی ہے۔ غم محسوس کرنا عین سنت نبوی کی پیروی ہے۔ شدت غم میں مطلق مضائقہ نہیں یہ سب اجر بڑھانے والی چیزیں ہیں صرف بے صبری اور ناشکری البتہ بچنے کی چیزیں ہیں۔ طبعی اور بشری جذبات ذرا بھی قابل گرفت نہیں۔ قابل مواخذہ وہ چیزیں ہیں جو شیطان کی تحریک سے پیدا ہوتی ہیں۔
مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت جتنی بھی ہو سکے برابر کرتے رہیں اور بعد نماز بھی اور یوں خالی وقت میں بھی قرآن مجید وغیرہ پڑھتے رہیے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کا قرض اگر کچھ ہو تو ادا کر دیں اور دوسروں سے ان کی طرف سے معافی مانگ لیں۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ ڈھاکہ منتقل ہونے سے پہلے مولانا مرحوم کے ہاں شام کی نشست میں آنے والوں میں تھے اور ان کے خصوصی ارادت مندوں میں تھے۔

(۲) مرحوم مولانا کے ہم وطن اور خصوصی ارادت مندوں میں تھے۔ جس زمانے میں ان کا دریاباد میں قیام ہوتا تھا بڑی پابندی سے مولانا مرحوم کے ہاں شام کی نشست میں حاضری دیتے تھے۔

(۳) مولانا مرحوم کا یہ معمول تھا کہ دریاباد میں کسی بھی مسلمان کے انتقال ہو جانے پر اس کی نماز جنازہ اور تدفین میں ضرور شرکت کرتے تھے۔

(۴) مراد مولوی تقی خاں صاحب جو مولانا مرحوم کے مخلصین خصوصی میں بھی اخص تھے۔ ۱۹۲۵ء سے برابر مولانا کی شام کی نشست میں حاضری دینے والوں میں تھے اور برسوں مولانا مرحوم کے ہمراہ صبح ٹہلنے جاتے تھے۔ مولانا مرحوم کے دوسرے کام مثلاً مکان کی تعمیر وغیرہ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے اور مولانا کی تینوں صاحبزادیوں اور ان کے بچوں کو پڑھایا بھی۔

(۵) مولوی تقی خاں صاحب کے صاحبزادے جو اب مدرسہ تعلیم القرآن کے ناظم ہیں۔

(۶) قصبہ کے ایک متمول تاجر جن کا کلکتہ میں کاروبار تھا۔ مولانا مرحوم کی زبان پر ان کا نام بے نظیر تھا ان کے اخلاص کی وجہ سے۔

والدہ حافظ احمد الزماں رام پور کے نام تعزیت نامہ

ان کی جوان لڑکی ذاکرہ جو پیدائشی طور پر آنکھوں سے معذور تھی کے انتقال پر

دریاباد
۱۰ ستمبر ۱۹۵۳ء

بسم اللہ

مخدومہ و مکرمہ! السلام علیکم

آپ کی عمر ہی اس مرحومہ کی خدمت کرتے گزری اب سب سے بڑی خدمت اس کی علالت میں کرلی اور اب ساری عمر خالی رہ کر اس کی یاد منانا اور دعائیں مانگنا باقی رہ گیا۔ امتحانات اس سلسلے میں شروع سے اب تک برابر ہوتے رہے اور آخری اور سب سے بڑا امتحان اب ہو گیا۔ جنت کے لیے بہانے آپ کو پہلے ہی سے موجود تھے۔ بہت بڑا اور زبردست بہانہ اللہ نے اب دے دیا اس کا شکر ادا کیجیے اور کوئی

کلمہ بے صبری کا زبان سے نہ نکلنے دیجئے۔
طویل بیماری کا حال تو ہم لوگ سن چکے تھے لیکن اس نوبت کے آجانے کا خیال نہ تھا
اسی لیے عابد سلمہٗ کا خط پاکر ہم سب دنگ رہ گئے۔
آپ پر ابتک جو کچھ گزرتی رہی اور اب جو کچھ گزر رہی ہوگی وہ دونوں بالکل ظاہر ہیں
سہارا پہلے بھی اکیلے اللہ کا تھا اور اب بھی اسی کا سہارا بڑا سہارا ہے۔
مرحومہ کے لیے زیادہ شکر نہ کیجئے دعا دیے جاری تو اتنا سن ہوجانے کے باوجود بھی کہنا چاہئے
کہ نیم معصوم ہی رہی اور دنیا میں پڑنے ہی نہ پائی۔
بہر حال مومن کے لیے جو کچھ بھی ہوتا ہے محض اس کے گناہوں کو دھونے اور اس کا
مرتبہ بڑھانے کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ ہم کو آپ کو سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دے
والسلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کی قریبی عزیزوں میں تھیں اور مولانا مرحوم
کی بڑی عقیدت مند۔ سفر حج میں مولانا مرحوم کے قافلے میں اپنے بھائی کے ساتھ شامل ہوگئی تھیں
(۲) مولانا مرحوم کے عزیز اور مکتوب الیہا کے قریبی عزیز جواب عرصے سے پاکستان
میں ہیں۔

ڈاکٹر عظیم صدیقی صاحب لکھنؤ

دریاباد
۲۱ مارچ ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

معصوم اولاد کسی کی بھی ہو خصوصاً کسی عزیز کی جب اس کی وفات کی خبر سنتا ہوں تو

بجائے تعزیت کے دل بے اختیار اسے مبارک باد پیش کرنے کو چاہتا ہے ـــــ حدیث نبوی میں بشارتیں ہی اس معصوم اور اس کے والدین دونوں کے حق میں ایسی ایسی پڑھ چکا ہوں! ماں باپ کی مغفوریت کا تو کہنا چاہیئے اس کے لئے بیمہ ہی ہو گیا! ان شاء اللہ وہ معصومہ اپنے والدین کی انگلی پکڑے انھیں دوڑاتی، گھسیٹتی ہنستی کھیلتی اپنے ساتھ جنت میں لے جائیگی! وہ جنت جس کے سامنے آج کے غم کا بڑا سے بڑا پہاڑ بھی کوئی ہستی نہیں رکھتا۔ بہرحال فوری طور پر غم وحزن سے متاثر ہونا بھی ایک امر طبعی بشری ہے اور اگر تاثر اس درجے کا شدید قدرت نے نہ رکھ دیا ہوتا تو پھر یہ اجر لامتناہی بھی کاہے کو ہوتا۔ ؟

سب سے بڑی تسلی اپنے اور سب کے ہادی اعظم کے نمونے سے حاصل کیجئے۔ آخر اس ذات اقدس کو بھی تو اپنی معصوم اولاد کا جسم اپنے ہاتھ سے قبر میں اتارنا پڑا تھا اور غم کے آنسو بھی اس چشم مبارک سے بہے تھے۔ امبارک ہیں وہ امتی جنہیں اپنے رسول کی گزری ہوئی منزلوں سے خود بھی گزرنا پڑے۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ لکھنؤ کے کامیاب ایل بیتھ ڈاکٹر تھے اور مولانا مرحوم کی بیگم کے رشتے کے بھائی ہوتے تھے۔ ان کے اور ان کے سب گھر والوں سے ہمارے گھرانے کے بڑے ہی مخلصانہ تعلقات ہیں۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم، مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ مرحومہ اور گھر کے دوسرے بچوں کے بھی معالج رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا انتقال جون ۱۹۶۶ء میں ہوا۔

تعزیت نامہ بنام ظہور الحسن صاحب
جامعہ اشرفیہ لاہور

دریاباد

۸ / جولائی ۱۹۵۵ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ - اللہ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے۔ دق کا موذی مرض مغفرت کے لیے خود ہی ان شاء اللہ کافی ہوگا۔ پھر شوہر کو خوش و رضامند چھوڑ کر جانا مزید خوش قسمتی کی دلیل ہے۔

ابھی مرحومہ کا بچپن یاد، نظر کے سامنے پھر رہا ہے۔

سالہا سال کی رفاقت و مصاحبت کے بعد مفارقت کا غم شدید ترین غم ہوتا ہے لیکن سارا اجر بھی تو اسی غم کا ہے۔

اور پھر غم بھی تو فانی ہے۔ ساری عمر بس دیکھتے دیکھتے کٹ جائے گی اور عنقریب ہی جنت میں ان شاء اللہ ملاقات ہوگی جس کے بعد کوئی جدائی نہیں۔

والسلام

دعاگوئے مغفرت

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے بڑے مخلص دوست امین الحسن موہانی جو حیدرآباد میں ملازم ہو گئے تھے کے سگے بھانجے اور داماد تھے ان کی بیوی کے انتقال کے اطلاعی خط کے جواب میں یہ تعزیت نامہ لکھا۔

مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ

جامعہ اشرفیہ لاہور کے نام حافظ جلیل احمد علی گڑھیؒ کی وفات پر تعزیتی مکتوب

دریاباد

۱۸ دسمبر ۱۹۵۵ء

بسم اللہ

مخدومی و مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

پیارے میاں علی گڑھیؒ مرحوم و مغفور کی خبر وفات و حالات متعلقہ کو محض سن کر جہاں ظاہری و جسمانی مفارقت کی بنا پر دل نے صدمہ بھی اچھا خاصا محسوس کیا وہیں ان کے حال پر رشک سا بھی آگیا ایسے مقبول بندے کے لیے دعائے مغفرت کن الفاظ میں کی جائے دوسروں ہی کی مغفرت انشاء اللہ ان کے طفیل میں ہوجائے گی۔

عالم برزخ میں اپنے مرشد سے قدم بوس ہوکر کس درجہ مسرور ہو رہے ہوں گے میرے تو خاص کرم فرما تھے۔ اور سراپا اخلاص پچھلے اپریل میں بڑی ہی محبت سے ملے تھے ان کے زمانہ حج میں تھانہ بھون میں ان کے مکان میں ہفتوں رہا تھا۔ اور جو راحت ملی تھی وہ آج تک یاد ہے۔ میرے گھر میں بھی ان کے گھر سے بڑا لطف تھا۔ لڑکیاں بھی ان سے خوب واقف۔ واقعہ کو ہم سب نے ایک عزیز کی طرح محسوس کیا۔ دیر تک ذکر خیر جاری رہا۔ تعزیت میں ہم سب شریک ہیں از راہ کرم اس پیام تعزیت کو ان کے غم زدہ صاحب زادے اور محزون بیوی صاحبہ تک پہنچا دیجئے۔ صاحب زادے کا نام یاد نہ رہا ورنہ ان کو براہ راست لکھتا۔ اب ایسا پرکشش اور لبریز محبت چہرہ زندگی بھر دیکھنے کو کیوں ملے گا۔

والسلام محتاج دعا

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اور خود بھی بڑے عالم تھے اور

دارالعلوم دیوبند سے فارغ، تقسیم کے معاً بعد لاہور منتقل ہو آئے تھے اور وہاں جامعہ اشرفیہ کے نام سے ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا تھا۔

(۲) حافظ جلیل صاحب بھی مولانا تھانوی سے اس درجہ عقیدت رکھتے تھے کہ تقریباً تھانہ بھون ہی کے ہو گئے تھے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی تقسیم کے بعد وہ لاہور منتقل ہو گئے تھے مولانا مرحوم سے بڑا مخلصانہ تعلق تھا۔

(۳) یہ حافظ صاحب کا عرف تھا

(۴) مراد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) اپریل ۱۹۵۵ء میں جب غلام محمد صاحب مرحوم گورنر جنرل پاکستان کی دعوت پر مولانا مرحوم پاکستان تشریف لے گئے تو لاہور میں حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے وہیں حافظ صاحب مرحوم سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ یہ خاکسار مرتب بھی مولانا مرحوم کے ہمراہ تھا۔

(۶) حافظ صاحب کا تھانہ بھون میں بڑا آرام دہ مکان تھا۔

خان بہادر میر احمد حسین صاحب رضوی

ناچیز مرتب کو لکھنؤ کے انتقال پر ان کے صاحبزادے سید حامد حسین اسلم صاحب کے نام تعزیتی مکتوب

دریاباد

۱۳؍ دسمبر ۱۹۵۵ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ ! السلام علیکم

میر صاحب مرحوم و مغفور کی وفات ایک ملی حادثہ تو ہے ہی باقی بہت سے دوسروں کی طرح میرے لیے بھی ایک ذاتی حادثے کا حکم رکھتا ہے۔ انا للہ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

میں نے جس کے لیے بھی زبانی یا تحریری تحریک کی کبھی اس کی امداد سے انہوں نے دریغ نہ فرمایا اور دو سال ہوئے جب میں زیادہ بیمار ہوا تو اپنا موٹر مجھے دریاباد سے لکھنؤ لانے کے لیے بے تکلف عنایت فرما دیا۔ خلق خدا کے ساتھ ان کے اس قسم کے بے شمار سلوک بھولنے والے نہیں۔ انشاء اللہ میں ہفتہ کے اندر لکھنؤ جا کر ان کے مزار پر فاتحہ پڑھ آؤں گا اللہ آپ سب لوگوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

ہم سب لوگوں کی طرف سے مخلصانہ پیام تعزیت اپنی والدہ ماجدہ کو بھی پہنچا دیجیے۔

دعا گو و شریک غم

عبدالماجد

(۱) خان بہادر میر احمد حسین صاحب رضوی لکھنؤ کے بڑے متمول و مخیر تاجر تھے اور بڑے گہرے مذہبی اور غیرت مند مسلمان تھے۔ ملی کاموں میں بڑے آگے رہتے تھے۔ مولانا مرحوم اور ان کے برادر بزرگ مولوی عبدالمجید صاحب ڈپٹی کلکٹر سے بھی ان کے مخلصانہ تعلقات تھے۔

(۲) مکتوب الیہ میر صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں وہ بھی مولانا مرحوم سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں۔

(۳) اس لیے کہ میر صاحب ملی کاموں میں بڑے آگے رہتے تھے اور متعدد اسلامی اداروں کو گراں قدر مالی امداد دیا کرتے تھے۔

شورش کاشمیری، اڈیٹر چٹان ہفتہ وار لاہور کے نام

ان کے والد کے انتقال کو سن کر تعزیتی مکتوب

دریاباد

۱۹ اپریل ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

۱۵ ارکا نوائے وقت ایک روز کی تاخیر سے کل ۱۸ ار کی شام کو موصول ہوا اور اسی میں سانحہ کی خبر پڑھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔
سن کچھ ہی ہو جائے باپ کا وجود دنیا میں ایک بہت بڑی نعمت ہوتا ہے جس کا کوئی بدل نہیں اور اس کے بعد ساری ذمہ داریاں اپنے ہی سر آپڑتی ہیں۔
مرحوم کی مغفورت کے لیے یہی کیا کم ہے کہ ماہ مبارک[1] نصیب ہوا۔
دعاگو وشریک غم،
عبدالماجد

(۱) یعنی ماہ رمضان المبارک ۔

بجواب صغیر احمد صاحب

انھوں نے اپنے ایک خط میں ایک عزیز بچے کی موت پر لکھا تھا کہ اس سے بہت متاثر ہوا ہوں ۔ ـــــــ

دریاباد
۱۲ر جولائی ۱۹۵۶ء بسم اللہ
عزیزم! وعلیکم السّلام
عزیز کی مفارقت پر غم وصدمہ ایک امر طبعی ہے جو خود سید الانبیاء پر بھی طاری ہوا اور پھر خصوصاً جب کہ واقعہ غیر متوقع ہوا اور صدمہ اپنی نوعیت میں پہلا ہو۔
اللہ صبر بھی رفتہ رفتہ دے گا اور ایسا دے گا جیسے کبھی یہ واقعہ پیش ہی نہ آیا تھا۔
معصوم بچوں کی موت تو آخرت میں رحمت خصوصی کا باعث بنے گی اس حقیقت کا استحضار تازہ غم پر ٹھنڈے مرہم کا کام دیتا ہے ۔
تفصیلی جواب انشاء اللہ صدق کے کسی نمبر میں گنجائش نکلنے پر نکلے گا۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مولانا حکیم محمد زماں حسینیؒ کے نام ان کے والد کے انتقال پر

دریاباد

۱۴ اگست ۱۹۵۶ء

بسم اللہ

کرم فرما! وعلیکم السلام

بے شک اس وقت آپ کا دل دُکھا ہوا ہوگا اس دکھے ہوئے دل کے جذبے کو کام میں لائیں اور اپنے اور ان مرحوم اور ساری اُمّت کے حق میں دعائے خیر فرمائیں ــــــ قلب شکستہ کی دعا کا کیا کہنا۔ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ

ہر منہ مانگی مراد حاصل بلکہ اس سے بھی سوا!

آپ ماشاء اللہ خود صاحب علم و فہم ہیں۔ لقمان کو حکمت کون سکھا سکتا ہے صبر جمیل کے لیے یہ اکسیر آیۃ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ کے دونوں اجزا کے معانی کا استحضار ہے جب ہم خود اپنے لیے نہیں اللہ کے لیے ہیں تو ہمارے باپ اور بھائی اور بیٹے ہمارے ہوئے کب؟ سب کے سب اللہ ہی کی ملک۔ جس کی چیز تھی اس نے جب چاہی واپس لے لی اور پھر ظاہری جدائی کی مدت کتنی! ہم سب کے سب ہی ایک منزل کی طرف دوڑتے بھاگتے تو چلے ہی رہے ہیں اور آگے پیچھے پہنچ ہی رہے ہیں۔ پھر بے صبری کا ہے کی؟ یہ دونوں جس کے دل میں اُتر گئے تو پھر اسے آگے کسی صبر کی ضرورت ہی نہیں ــــــ اور آپ تو بھی خوش قسمت ہیں کہ اتنا موقع آپ کو ان مرحوم کی خدمت کا مل گیا۔ اس سچےؐ کا قول یاد کر لیجیے جس نے کہا ہے کہ رب کی خوشی باپ کی خوشی میں اور رب کی ناخوشی باپ کی ناخوشی میں ہے۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ ــــ عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ اور ذی علم لوگوں میں ہیں جمعیۃ العلماء کے رہنما اور مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے رکن۔ مولانا مرحوم سے بڑا تعلق تھا جب جون ۱۹۵۵ء میں مولانا مرحوم کلکتہ گئے تھے تو تقریباً روزانہ ملنے تشریف لاتے تھے۔ حکیم صاحب حضرت مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں

ملک حبیب احمد صاحب کے نام ان کے والد کے انتقال پر

دریاباد

۷ مارچ ۱۹۵۷ء بسم اللہ

غم نامہ ملا۔ مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت اسی وقت کردی۔۔۔۔ اولاد کے لیے بے شک یہ وقت بڑا سخت ہوتا ہے لیکن پھر اجر اسی درجے کا موعود ہے ۔۔۔۔ اور آگے پیچھے ہم سب کو وہیں پہنچنا ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

بیگم صاحبہ ڈاکٹر عبدالعلی کے انتقال کی تعزیت میں

ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کے نام خط

دریاباد

۱۰ اگست ۱۹۵۷ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

جو جنت جانے کے لیے آئی تھی، آخر مدت مسافت پوری کرکے یک بیک اپنی منزل کو روانہ ہوگئی آپ کے مراتب کو بڑھاتی ہوئی۔

آخر سیدزادی تھی اپنی ماں خدیجۃ الکبریٰؓ کی سنت پوری کرگئی۔

نماز جنازہ غائبانہ اسی وقت پڑھ دی۔ دعا بار بار کروں مرحومہ کی مغفرت کے لیے بھی اور آپ کی تسلی قلب کے لیے بھی ——— بڑوں کے امتحانات بھی بڑے ہی ہوتے ہیں ایسی بڑی نعمت کی اچانک واپسی کی آزمائش عالی ظرفوں کے حصہ میں آتی ہے۔

لقمان کو حکمت کون سکھا سکتا ہے میں اپنے ظرف کے لحاظ سے تلقین صبر کرنے چلا ہوں حالانکہ آپ لوگ ان شاء اللہ و ماشاء اللہ تسلیم و رضا کے مرتبہ پر فائز نکلیں گے۔ دعا خواہی کا لفظ رسماً نہیں لکھ دیا مضطر و دل شکستہ کی دعا کے مرتبہ قبول کا کیا کہنا۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے برادر اکبر تھے۔ بڑے حاذق ڈاکٹر اور تقویٰ میں بہت زیادہ ممتاز۔ مولانا مرحوم کے مخلص دوستوں میں تھے۔ تمام دینی تحریکوں خاص طور سے تبلیغی جماعت میں پیش پیش رہتے تھے۔ ان کے والد محترم مولانا حکیم عبدالحی صاحب بھی ندوہ کے ناظم رہ چکے تھے۔

خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی

اپنے والد کے انتقال کی خبر لکھی تھی۔ اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تعزیت نامہ بھیجا گیا ———

دریاباد

۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۶ء   بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

دعائے مغفرت کل سہ پہر کو خط پاتے ہی کردی تھی۔ جنازہ بل عصر ملا تھا اس وقت سے

سے اب تک یاد کرکے ہر نماز کے بعد اور اس وقت بھی کر رہا ہوں ۔

(۲) مرحوم کی خوش نصیبی تھی کہ اولاد سعید آپ کی سی چھوڑی وطن سے صدہا میل دور دار ہجرت میں وفات بجائے خود ایک علامت مقبولیت کی ہے ۔

آپ ہی خوش نصیب ہیں کہ اتنے عرصے خدمت کا موقع پایا ۔

باقی یہ سایہ تو جس سن میں اٹھے گا بہرحال صدمہ ہی کا باعث ہوگا اور یہی صدمہ ہر اجر اخروی کی بنیاد ہے ۔

اپنی والدہ ماجدہ اور بھائی بہنوں سب کو میرا پیام تعزیت پہنچا دیجئے اب آپ کا بڑا فریضہ انھیں لوگوں کے ساتھ حسن سلوک بہ قدر ان کے مراتب رہ گیا ۔

اصل حقیقت کے اعتبار سے غم اور سوگ کون کس کا کرے جب کہ آگے پیچھے سب ہی تیزی کے ساتھ ایک منزل کی طرف رواں دواں ہیں ۔

گھر کی ذمہ داریاں اب ساری آپ ہی پر آپڑی ہوں گی ۔ باپ کا سایہ بڑا ہی بابرکت ہوتا ہے ۔ ع

اب اسے ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لے کر

اس یقین میں شک نہ لائیے گا کہ اللہ ہر مسلمان کا والی و ناصر ہے ۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ دہلی کے مشہور و معروف انشا پرداز تھے ۔ مولانا مرحوم ان کی انشا پردازی اور زبان دانی کے بہت قائل تھے ۔ تقسیم کے بعد خواجہ صاحب لاہور ہجرت کر گئے وہاں ان کو بڑے مصائب برداشت کرنے پڑے لیکن انھوں نے حکام کی ان جیرہ دستیوں کو بڑے ضبط کے ساتھ برداشت کیا ۔ مولانا مرحوم ان کی تحریروں کو بے حد پسند کرتے تھے اور مکتوب الیہ کو بھی مولانا مرحوم سے بڑی عقیدت تھی ۔ مولانا کے لاہور جانے پر انھوں نے بڑی ہی عقیدت مندی

کا استظاہرہ کیا۔ مولانا مرحوم خواجہ صاحب کے اخلاص کے بھی بہت قائل تھے۔

(۲) خواجہ صاحب کے والد خواجہ عبدالمجید صاحب جو خود بھی اردو کے بڑے اچھے لکھنے والے تھے اپنے صاحبزادے کے ساتھ لاہور ہجرت کر گئے تھے۔

شیخ انوارالزماںؒ صاحب ایڈوکیٹ باندہ کے نام

ان کے والد شیخ مسعود الزماںؒ صاحب کے اچانک انتقال پر تعزیتی مکتوب۔

مدراس

۲۴ر جنوری ۱۹۵۸ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السّلام

پرسوں سہ پہر کو بیٹاں گھڑ پر جوں ہی پہنچا معاً آفتاب کا تار موصول ہوا۔ تار کی شکل دیکھتے ہی ڈر گیا تھا۔ راستہ میں یہی خیال برابر بندھا رہا تھا کہ مدراس پہنچتے ہی کسی عزیز قریب کی سناونی سننی ہے۔ لیکن مرحوم کی طرف تو ذرا بھی ذہن نہیں گیا تھا۔ لکھنؤ سے انھیں اچھا خاصا شگفتہ و بشاش چھوڑ کے روانہ ہوا تھا ——— دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ صبر کے سوا اب چارہ ہی کیا تھا! نماز جنازہ میں شرکت دریاباد سے بھی دشوار تھی لیکن کچھ تو امکان تھا یہاں مجبوراً جنازہ غائبانہ پر قناعت کرنا پڑی علاوہ بار بار دعائے مغفرت کے ——— درگاہی بے چارے نے بھی اسی قدر رنج و صدمہ محسوس کیا۔ تار بار بار پڑھا خبر کا یقین ہی نہیں آتا تھا۔ صبر و ضبط کے امتحان کے اصلی موقعے یہی ہوتے ہیں۔ عمر بھر کی مذہبی تربیت انھیں موقعوں پر کام آتی ہے۔ آفتاب کا خط آرہا ہوگا۔ تفصیل اس سے معلوم ہوگی۔ رات میں نے خاتون منزل ٹرنک کال کیا زاہدہ بولتی رہیں۔ مرحوم کی وفات کا حال انھوں نے کہا مگر آواز خوب صاف نہ تھی پوری باتیں سمجھ میں نہ آئیں۔

۔ لکچروں کا کورس ۲۵ کی رات میں ختم ہوگا۔ ۲۷، ۲۸ گھنٹہ حیدرآباد

ٹھہرتا ہوا ان شاء اللہ ۲۹ر کو لکھنؤ پہنچوں گا اور ۱۳ر کو الٰہ آباد ایک میٹنگ میں شرکت کرنا ہے بس اسی کے بعد ہی بانڈہ[۳] کا پروگرام ہے۔ لکھنؤ سے لکھوں گا۔

تمہاری والدہ کو پہلی بار نئی دُلہن بنے ہوئے دیکھا تھا سہاگ کی تازہ بہار! آج اسی زیوروں میں لدی ہوئی دُلہن کو بیوگی کی سفید چادر میں لپٹے ہوئے دیکھتا ہے۔ ۴۰۔۴۱ سال کی مدت بات کہتے گزر گئی۔ اور رہیں تمہاری بی اماں تو ان کے اجربے حساب کا کیا کہنا ایسے کڑے امتحان سے بڑے ظرف والوں ہی کو گزارا جاتا ہے۔! ——— سب سے بڑی ذمہ داری اب تمہارے ہی اوپر آتی ہے۔ عربی کی ایک مثل ہے کہ بڑوں کی موت نے اب مجھ بڑا بنا دیا۔ خدا کرے اس امتحان میں پورے اترو اور ماں، دادی، بھائیوں بہنوں سب کے حقوق پوری طرح ادا کرسکو ترکہ میں سب کے حصّے تو قانون میں خود ہی پڑھ چکے ہو یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص اپنی خوشی سے سردست اپنا حصّہ نہ لے۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے سگے بھتیجے یعنی سالے کے سب سے بڑے صاحبزادے اور اپنی چھوٹی پھوپھی یعنی مولانا مرحوم کی بیگم کے محبوب ترین اور چہیتے بھتیجے تھے خود مولانا مرحوم کو بھی مکتوب الیہ بہت عزیز تھے۔ طالب علمی میں گرمیوں کی چھٹیاں برسوں انھوں نے دریاباد میں گزاریں اور مولانا مرحوم کے زیر تربیت رہے اور ان کے بڑے مزاج شناس تھے۔

(۲) مولانا مرحوم کے سگے سالے یعنی ان کی بیگم کے بڑے بھائی الحاج شیخ مسعود الزماں صاحب رئیس بانڈہ بڑے گہرے مذہبی شخص تھے اور مولانا مرحوم کے تقریباً ہم سن تھے اور ان سے بڑے بے تکلف ۱۹۲۳ء سے ۱۹۵۱ء تک یوپی کونسل کے ممبر رہے۔ بڑی داد و دہش کرتے رہتے تھے۔ زکوٰۃ بل بھی تیار کیا تھا۔

(۳) یہاں سے مراد مدراس ہے جہاں مولانا سیرت نبویؐ قرآنی پر لکچر دینے کے لیے مدعو

کر گئے تھے۔

(۴) گھر سے مراد میزبان افضل العلماء ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی کوٹھی مراد ہے۔

(۵) مولانا مرحوم کے بڑے بھتیجے اور منیجر "صدق جدید" حکیم عبدالقوی صاحب کا گھریلو نام اور عرف۔

(۶) یعنی ریل میں لکھنؤ سے مدراس جاتے ہوئے۔

(۷) مرحوم خان بہادر مسعود الزماں صاحب مولانا مرحوم کی روانگی کے وقت لکھنؤ ہی میں تھے۔

(۸) صدق کے کارکن اور مولانا مرحوم اور ہم سب کے مخلص محمد معین کا عرف۔

(۹) لکھنؤ میں مولانا مرحوم کی قیام گاہ، اس عمارت کی تاریخی اہمیت اس سے ہے کہ پہلے دارالعلوم ندوۃ العلماء اسی عمارت میں تھا اور یہیں سے مولانا سید سلیمان ندوی فارغ ہو کر نکلے۔

(۱۰) مولانا مرحوم کی چھوٹی صاحبزادی جو مولانا مرحوم کے چھوٹے بھتیجے عبدالعلیم قدوائی اسسٹنٹ ڈائرکٹر انڈسٹریز کی بیوی ہیں۔ یہ بھی مولانا مرحوم کی بڑی مزاج شناس تھیں۔

(۱۱) سیرت نبوی قرآنی پر مولانا مرحوم نے مدراس میں چھ لکچر دیے۔

(۱۲) شیخ مسعود الزماں کا وطن باندہ تھا۔

(۱۳) مکتوب الیہ کی والدہ یعنی مولانا مرحوم کی بھتیجی کا نکاح بھی عین اسی دن لکھنؤ میں ہوا جس دن مولانا مرحوم کا ہوا تھا یعنی یکم جون ۱۹۱۶ء۔

(۱۴) مکتوب الیہ کی والدہ کا نکاح یکم جون ۱۹۱۶ء کو ہوا۔

(۱۵) مکتوب الیہ کی دادی اور مرحوم شیخ مسعود الزماں صاحب کی والدہ جو بڑی ہی متقی پرہیزگار اور نیک بیوی تھیں اور انھوں نے اکتوبر ۱۹۵۸ء میں بڑی ہی قابل رشک موت تسبیح پڑھتے ہوئے پائی۔

مولوی ابواللیث ندوی اصلاحی امیر جماعت اسلامی ہند کے نام تعزیتی مکتوب

دریاباد
۱۹ مارچ ۱۹۵۸ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

اناللہ وانا الیہ راجعون۔ والدہ کا وجود اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے پوری قدر اس نعمت سے محرومی کے بعد ہی ہوتی ہے۔ اللہ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت اسی وقت کر دی۔

دعاگو
عبدالماجد

افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق صاحب[1]

صدر پبلک کمیشن مدراس کے انتقال پر ان کے بڑے صاحبزادے انوارالحق کے نام تعزیت نامہ

دریاباد
۲۲ مارچ ۱۹۵۸ء بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

تعزیت کا مستحق[2] تو میں خود ہوں دوسروں کی تعزیت کیا کروں پھر بھی ظاہر ہے کہ مرحوم کے بیوی بچوں کا حق سب پر مقدم ہے۔ کیا آپ سب لوگوں پر گزر رہی ہوگی جس اللہ نے یہ وقت ڈالا ہے وہی اس کا کاٹنے والا بھی ہے۔

نظر بس اسی پر رہے اور قرآنی وعدہ ہر وقت یاد رہے کہ ان مع العسر یسرا۔
مصیبت کے ساتھ راحت بھی ہے۔ راحتیں اور ایسی راحتیں کہ بندہ ان کا گمان بھی نہیں کرسکتا
دینی تربیت ایسے ہی موقع پر کام آتی ہے۔
صدق کے آئندہ نمبر کے لیے نوٹ نہیں مستقل مضمون تیار کر رہا ہوں۔
امت کے لئے اس وقت ایک مفید ترین انسان تھے اور میرے تو محسن خصوصی تھے
اس وقت تک کتنی رحمتوں اور نعمتوں سے سرفراز و مالامال ہوچکے ہوں گے۔ اپنی والدہ ماجدہ
اور بہن بھائیوں کو نہ صرف میری بلکہ سارے گھر کی طرف سے دلی تعزیت پہنچایئے۔ آخر وقت
اور جنازہ وغیرہ کا مختصر حال اگر لکھ سکئے تو ضرور لکھ دیجئے۔
کوٹھی تو یہ سرکاری ہوگی اب آپ لوگ اُٹھ کر کہاں جائیں گے۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) مرحوم ڈاکٹر عبدالحق صاحب سے مولانا مرحوم کے بڑے مخلصانہ تعلقات تھے۔ اور مولانا مرحوم ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اور ان کی خوبیوں کے بے انتہا معترف تھے خاص کر ان کے توازن سے اور ان کو مثالی شخصیت کہا کرتے تھے۔ جب مدراس میں جنوری ۱۹۵۶ء میں سیرت نبوی پر لکچر دینے تشریف لے گئے تھے تو ڈاکٹر صاحب ہی کے ہاں قیام کیا تھا اور وہاں جاکر ان کی زندگی کو اور قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو وہ ڈاکٹر صاحب کے اور زیادہ معتقد ہوگئے تھے۔ یہ سفر تمام تر ڈاکٹر صاحب کی فرمائش پر کیا۔ ڈاکٹر صاحب مولانا مرحوم کے پورے طور پر مزاج شناس تھے۔ مرحوم میں یہ بڑی خوبی تھی کہ گہرے مسلمان ہونے اور مذہبی حمیت اور درد رکھنے کے ساتھ ساتھ موجودہ مسائل پر بھی بڑی گہری نظر رکھتے تھے اور نئے مسئلوں کے اسلامی حل کے خواہشمند تھے اور ہر ایک کے کام آتے تھے اور اسی وجہ سے ہر طبقے اور ہر گروہ میں بہت ہی زیادہ ہر دلعزیز تھے علم و فضل جوش و ہوش، توازن، اسلامی غیرت و حمیت انکسار اور دادو دہش جود و سخا اور خدمت خلق

کی خوبیوں کا مرقع تھے۔ انتقال گویا دفعتہً ہوا۔ مولانا مرحوم کو ڈاکٹر صاحب کے انتقال کا بہت صدمہ ہوا اور آخر عمر تک ڈاکٹر صاحب مرحوم کو برابر یاد کرتے رہے۔

(۲) بربنائے تعلقات خصوصی۔

شیخ انور الزماں صاحب ایڈوکیٹ باندہ کے نام

ان کے والد شیخ مسعود الزماں کے انتقال کے بعد پہلی عید کے موقع پر۔

دریاباد
۱۶ / اپریل ۱۹۵۸ء
۲۶ / رمضان المبارک

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

رمضان بھر تمہاری چھوٹی اُمّی کو اپنے بھائی جان برابر یاد آیا کئے ——— بارہا انھیں یاد کرکے آنسو بھی بہائے ——— ماں جائے کے جگر میں بجائے ٹھنڈک کے ہر وقت ایک آگ سی لگی ہوئی پاتی ہے۔ اور یوں جو اپنی بادشاہت کے لٹ جانے پر جو بیسوں گھنٹے ایک سکتے میں رہتی ہے ان کا تو خیر کہنا ہی کیا۔ لیکن بہن کا رنج و غم بھی کچھ ایسا کم نہیں ہوتا۔ دو ایک کم سہی پھر بھی بیسوں بلکہ پچاسوں سے تو زیادہ ہی ہوتا ہے۔

باندے جانے کا ارادہ بار بار کرتی ہیں اور پھر رک جاتی ہیں کچھ تو گرمی کے خیال سے اور کچھ اس لیے بھی کہ خود اس گھر کی آب و ہوا بھی اس وقت خراب ہے۔ خود ان کی صحت بھی ادھر پھر خراب رہنے لگی ہے باندے جاکر جیسے سنبھل گئی تھیں وہ بات باقی نہیں۔ آخر رمضان میں ہر سال اپنے والد مرحوم کا فاتحہ قبر ہی پر دلاتی ہیں۔ اب کی ظاہر ہے کہ باپ کے ساتھ بھائی کا سوگ بھی شریک۔

میں خود بھی سوچتا ہوں کہ ابکی رمضان بھر تمہاری امی اور بی اماں دونوں پر کیا گزر رہی

رہی ہوگی اور کتنی بار یہ دردناک یاد دل اور آنکھوں دونوں کو رُلا گئی ہو گی! پارسال کون اندازہ کرسکتا تھا کہ یہ اُنؒ کا آخری رمضان ہے اور اب پھر کبھی اس دنیا میں انھیں دیکھنا نصیب نہ ہوگا! ـــــــ لیکن یہ ساری حسرتیں ایک طرف اور ان کا اجر بے اندازہ و بے حساب دوسری طرف! دونوں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ ایک اور ہزار، ایک اور لاکھ کی بھی نسبت نہیں ہر غم و صدمہ جو ادھر سے ڈالا جاتا ہے۔ مومن کے لیے رحمت ہی رحمت ہوتا ہے اور پھر رمضان میں تو اس کا درجہ بھی کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔

عید آرہی ہے کس طرح تمہارے گھر میں آئے گی۔ زندگی میں تمہاری بی اماں کے لیے یہ دوسری اداس اور تاریک عید! پہلی ۴۴ سال قبل ۱۹۱۵ء میں آئی تھی جب تمہارے دادا جانؒ کا انتقال ہوا تھا! اور تمہاری امی بے چاری کے لیے تو اپنی قسم کی بالکل ہی پہلی عید! ایک عید ان کی ۱۹۱۶ء کی تھی سہاگ کی پہلی عید۔!

وقتی عارضی جس طرح اس عید کی خوشی تھی اسی طرح آج کی عید کا غم بھی۔ قائم اور ثابت رہنے والی نہ وہ تھی اور نہ یہ ہے ـــــــ آناً فاناً وہ بھی گزر گئی اور یہ بھی گزر جائے گی ـــــــ جو آنسو اس روز بہیں گے وہ البتہ قائم رہ جانے والے ہیں وہی قیمتی ہیں سچے موتیوں سے کہیں بڑھ کر قیمتی اور جس شکل میں واپس ملیں گے۔ ان کی قدر و قیمت کا اندازہ آج اگر ہو جائے تو وجد کا عالم طاری ہو جائے اور انسان اس خوشی کو برداشت نہ کرسکے۔

فرق صرف آج اور کل کا ہے، اور ایمان والے کے لیے اس "کل" کے طلوع کا انتظار کچھ بھی دشوار نہیں! ـــــــ یہ خط ان شاء اللہ پرسوں جمعہ کو پہنچ جائے گا اسے رکھ لینا اور عین عید کی صبح اندر سنانا۔

والدعا

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم مکتوب الیہ کے پھوپھا تھے۔

(۲) مراد مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ جو مکتوب الیہ کی سگی چھوٹی پھوپھی تھیں اور جنھیں مکتوب الیہ سے غیر معمولی محبت تھی اور جنھیں وہ بہت زیادہ چاہتی تھیں۔

(۳) مراد مرحوم شیخ مسعود الزماں صاحب۔

(۴) اس زمانے میں گھر کے بعض ملازمین کے بچوں کو چیچک نکل آئی تھی۔

(۵) مراد شیخ مسعود الزماں صاحب۔

(۶) شیخ یوسف الزماں صاحب مرحوم جو مولانا مرحوم کے سگے خالہ زاد بھائی تھے۔ لیکن سن میں بہت بڑے۔

(۷) جب مکتوب الیہ کی والدہ کا عقد ہوا تھا عین اسی دن مولانا مرحوم کا بھی عقد ہوا تھا۔

شیخ انوار الزّماں صاحب کے نام

(بسلسلۂ انتقال شیخ مسعود الزماں صاحب یعنی مکتوب الیہ کے والد)

دریاباد

۲۷ رمئی ۱۹۵۸ء بسم اللہ

عزیزی سلمۂ! السّلام علیکم

۴ ماہ دس دن کی مدت پوری ہوئی اور بیوی غریب کے پیر سے ضابطے کی بیڑی آج کٹی ـــــــ بیڑی صرف ضابطے کے غم کی نہیں۔ غم و الم زندگی بھر کا ہے اجر بھی ٹھیک اسی حساب سے مسلسل اور غیر منقطع ہے۔ ماں کا تعلق ضابطہ کا نہیں تمام تر قلب و جذبات کا ہے اس لیے اس کو اتنی بھی ضابطے کی اور ظاہری سہولت نہیں اس کے لیے مسلسل تڑپ اور مسلسل آہ و زاری ہے اور اس کا اجر بھی اسی کی نسبت سے بے حساب۔

ایک وہ ہوتا ہے نئے نئے سہاگ کا پہلا مہینہ! ہر ناز اور چونچلے کا زمانہ! کتنی جلد گزرنے

والا۔ گھڑیوں میں، پلوں میں ختم ہوجانے والا، جا کے پھر کبھی نہ آنے والا، لباس کے ساتھ زندگی کی رنگینیوں کا بھی دور آناً فاناً پلک جھپکتے مٹ جانے والا۔

اور ایک دورہ ہوتا ہے سوگ کا غفلتوں کے نشے کے آثار کا! لباس کی سادگی اور سفیدگی کے ساتھ روح کو جلا دینے والا! عبدیت، بندگی، بیچارگی کی روح کو بیدار کرنے والا! بندے کا ٹوٹا ہوا رشتہ اللہ سے جوڑ دینے والا!

خوش ہوں جو آج غم زدہ ہیں کہ ابھی راحت اور اصلی مسرت انھیں کے انتظار میں ہے۔

مرحوم کی شادی کی تاریخ یکم جون[1] تھی مئی کا سارا مہینہ کیا جشن کی تیاریوں میں گزرا تھا!

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) یکم جون ۱۹۱۶ء کو مسعود الزماں صاحب مرحوم کی شادی لکھنؤ میں ہوئی تھی اور اسی تاریخ کو مولانا مرحوم کی بھی شادی ہوئی۔ اس تاریخ کو مولانا مرحوم بڑی حسرت سے یاد کرتے تھے

حکیم محمد زماں حسینی کلکتہ کے نام

مولانا حکیم محمد زماں حسینی کلکتہ نے اپنے بھائی کی وفات سے مطلع کیا تھا اسکے جواب میں یہ تعزیتی مکتوب گیا دریاباد۔

۱۹ر جولائی ۱۹۵۸ء بسم اللہ

کرم گستر! وعلیکم السّلام

بھائی اور پھر اکیلے بھائی کی مفارقت کا صدمہ یقیناً بہت سخت ہوتا ہے چہ جائیکہ جب مفارقت بالکل اچانک اور غیر متوقع ہو۔ سینے میں ایک خلا ہو گیا ہو گا جس کی تڑپ ہر وقت بے چین رکھتی ہوگی۔

آیتہ۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون کے معنی و مفہوم کا مراقبہ ایسے ہی موقعوں کے لیے ہے۔
انشاء اللہ تسکین اسی سے ہوگی۔

جس نے وقت ڈالا ہے وہی وقت کاٹے گا بھی۔

صدمے بھی بہ قدر ظرف ہی دیئے جاتے ہیں۔ آپ کو جو اجر بے حساب ملنے والا ہے اس کا
ابھی آپ کو اندازہ ہی نہیں ہوسکتا ـــــــ انتظار کی بڑی سے بڑی مدت بھی پلک جھپکتے ختم
ہوجاتی ہے۔ حضورؐ نے تو اپنے رشتے کے بھائیوں اور عزیزوں کے دل سے غم و حزن محسوس
فرمایا ہے۔ یہ اضطراری اتباع سنت مبارک ہو۔

والسّلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا تعارف مکتوب ۱۰۱ میں ہوچکا۔

اکبر مرزا صاحب[۱] لاہور کے نام
(ان کی والدہ کے انتقال پر)

دریاباد ـــ
۲۵ جولائی ۱۹۵۰ء　　　　بسم اللہ

عزیزی سلمہ تعالیٰ!　　　السّلام علیکم

کل شام کو حکیم آفاق سلمہ[۲] نے لاکر وہ تار دکھلایا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔
دعائے مغفرت اسی وقت کردی اور اس کے بعد بھی۔ وہ اولاد خوش قسمت ہے
جسے ماں کی خدمت کا موقع کافی عرصہ تک مل جائے اور وہ اپنی جنت اسی سے بنالے۔
دنیا میں دو چار نعمتیں ایسی ہیں جن کا بدل اس دنیا میں موجود نہیں اور ان میں سے
والدین کا سایۂ عاطفت ہے۔

(۱) مکتوب الیہ کی سگی خالہ اور چچی دریاباد میں منسوب تھیں جن سے ہم سب لوگوں کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ مکتوب الیہ لکھنؤ یونیورسٹی کے ایم۔اے تھے۔ اور اپنے زمانہ طالب علمی میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے اور تقسیم کے بعد لاہور منتقل ہو گئے۔ عم محترم سے ان کی ملاقات لاہور میں ہوئی تھی۔

(۲) موصوف کو بھی عم محترم سے اپنے برادر بزرگ مرزا سردار بیگ کی طرح بڑی ارادت تھی۔ موصوف اکبر مرزا صاحب کے خالہ زاد بھائی تھے۔

توکل کریم قدوائی صاحب کے نام

ان کی بیوی عاصمی کا عین جوانی میں دفعتہً انتقال ہو گیا تھا اسی پر یہ تعزیت نامہ بھیجا گیا ــــــ

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ تعالیٰ! السلام علیکم

جو شفقت مادری سے گویا آنکھ کھولتے ہی محروم ہو گیا اور جس کو رفیقہ حیات بھی کتنے طویل انتظار کے بعد میسر آئی تھی وہ دنیا کی اس بڑی نعمت سے یوں یک بیک محروم کر دیا گیا یقیناً اس کا یہ کڑا امتحان اس کے ظرف کی بڑائی کی بشارت کے لیے ہے ــــ ایسے بڑے امتحان میں ہر کس و ناکس کو نہیں ڈالا جاتا اور پاس ہو جانے والی کی خوش نصیبی اس کے اجر بے حد و حساب کا اندازہ آج کون کر سکتا ہے۔!

چھوٹے بچے (بلکہ بچوں) کی پرورش بجائے خود کوئی تھوڑی مصیبت ہے۔ لیکن پھر وہی یاد رہے کہ اجر بہ قدر مصیبت ہی ہوتا ہے ایمان کی آزمائش کے یہی موقع ہوتے ہیں اللہ ہر طرح صبر جمیل کی توفیق دے

خدیجۃ الکبریٰؓ کو قبر میں اتارنے والے سرورِ عالمؐ کی اضطراری پیروی ہر اُمّتی کے لیے باعثِ فخر و سعادت ہے۔ بیوی لڑکیاں اور دریاباد بانده کے جس جس عزیز نے میری زبان سے خبر سنی سب سناٹے میں آگئے۔

والسّلام دعاگو

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے بھانجے تھے اور مرحوم سے بہت سے زیادہ ارادت رکھتے تھے تقسیم کے بعد یہ پاکستان منتقل ہو گئے اور وہاں کی بحریہ میں اونچے عہدے پر فائز ہو گئے تھے۔ ان کے والد مولانا مرحوم کے ہم سن اور بے تکلف دوستوں میں تھے وہ بھی ۱۹۵۰ء میں بانده سے پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔

(۲) مکتوب الیہ کی شادی جسٹس مبشّر حسین قدوائی کی صاحبزادی کے ساتھ جولائی ۱۹۵۰ء میں لکھنؤ میں ہوئی تھی۔

بیگم مبشّر حسین قدوائی کے نام

ان کی لڑکی عاصی (بیگم توکل کریم قدوائی) کے کراچی میں دفعۃً انتقال ہوجانے پر تعزیت نامہ ——————

دریاباد
۲۸ر اگست ۱۹۵۸ء بسم اللہ

عزیزہ! السّلام علیک

حادثہ کی خبر سنتے ہی سناٹے میں آگیا! اللہ اکبر ابھی شوہر[۱] کی جدائی (اور جدائی بھی کس درجہ اچانک اور حیرت انگیز[۲]) کو کتنے دن ہوئے تھے کہ یہ دوسرا پہاڑ ٹوٹ پڑا ـــ اللہ ہر طرح صبرِ جمیل کی توفیق دے اور یہ توفیق اگر مقدر نہ ہوتی تو امتحان ہی اتنا سخت

کیوں لیا جاتا۔

روز حشر (اور وہ دن کسی کے لیے بھی دور نہیں) جب ان مصیبتوں پر اجر آج کے قیاس و اندازے سے کہیں بڑھ چڑھ کر ملنے لگے گا تو اس وقت جی یہ چاہنے لگے گا کہ دنیا میں کوئی اور مصیبت اس سے بھی بڑھ کر کیوں نہ پیش آئی۔

آخر کوئی بات تو ہے کہ ہمارے سرور دو سردار کو ایک نہیں تین تین جوان بیٹیاں اپنے سامنے دفنانی پڑی تھیں! ایک مومن و مومنہ کے لیے تسکین اس سے بڑھ کر اور کہاں سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اور اس مرحومہ کے جانے سے تو مرحوم باپ کا دل بھی کتنا ہل گیا ہوگا!

ایمان کی آزمائش کے یہی موقعے ہوتے ہیں اللہ اس امتحان میں پوری طرح کامیاب کرے۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مراد جسٹس مبشر حسین قدوائی جج الٰہ آباد ہائی کورٹ جو بڑے ہی پختہ مسلمان تھے اور ان کی وفات کچھ ہی عرصہ پہلے ہوئی تھی۔

(۲) مرحومہ کی وفات بالکل دفعتاً ہوئی تھی۔

مولانا مرحوم کی خوشدامن صاحبہ

والدہ خان بہادر مسعود الزماں صاحب کے انتقال پر ان کے پوتے شیخ انوار الزماں کے نام تعزیتی مکتوب ــــــــ

دریاباد۔
۲۰ اکتوبر ۱۹۵۸ء

بسم اللہ

عزیزی سلمٗہ! السلام علیکم

جس وقت کا دھڑکا تھا وہ وقت آگیا آخر۔

اور اس وقت کو کسی نہ کسی وقت تو آنا تھا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ ہم سب اپنے نہیں اللہ کے ہیں اور اللہ کی طرف آگے پیچھے سب ہی کو پہنچنا ہے۔

تمہاری چھوٹی امی کو جو صدمہ ہوا ظاہر ہی ہے میں تو اس سے زیادہ کے لیے ڈر رہا تھا۔ بحمد اللہ اب اتنی مذہبی ہو چکی ہیں کہ سنبھلی رہیں اور بے قابو نہیں ہو گئیں گو رونے سے سر میں درد اور آنکھوں کے ڈھیلے میں درد پیدا ہو گیا۔

بہت سوچا کہ کوئی صورت شرکت کی نکل سکے یہاں سے کوئی صورت ممکن نہ ہوئی اس کا موقع تو لکھنؤ ہی سے نکل سکتا تھا اب ان کا سیتہ وہاں سے اتوار کی شب میں پہنچنے کا ہے۔

بڑی حسرت اسی کی کرتی رہیں کہ آخری خدمت کا موقع نہ پا سکیں تمہاری والدہ اس لحاظ سے بڑی خوش قسمت نکلیں کہ سب کے حصہ کا اجر انھیں ایک کو مل گیا یوں بھی زندگی بھر سب سے زیادہ خدمت وہی کرتی رہی تھیں۔

بزرگوں کا سایہ ایک بڑی نعمت ہوتا ہے۔ سن کچھ بھی ہو جائے بڑا سہارا ان کی ذات سے رہتا ہے اور ان کے اٹھ جانے کے بعد چھوٹے بڑے بن جاتے ہیں۔ چنانچہ اب تمہاری امی اور چھوٹی امی ہی سب سے بوڑھی ہیں کل تک ان کا شمار چھوٹوں میں تھا۔

عین اس کارڈ کی تحریر کے وقت تمہاری چھوٹی امی خوب رو رہی ہیں یہ خیال کر کے کہ اس وقت وہاں قرآن خوانی ہو رہی ہوگی۔

مرحومہ کو جو پرسکون موت نصیب ہوئی وہ ہم سب کے لیے باعث رشک ہے ایسا ہی واقعہ اس زمانے کے دو بہترین بزرگوں کے ساتھ بھی پیش آچکا ہے۔ ایک مولانا سید سلیمان ندوی دوسرے مولانا مناظر احسن گیلانی۔

مرحومہ کی ملک کی جو چیزیں بھی ہوں چھوٹی یا بڑی، نقد یا جنس سب میں میراث شرعی

کا قاعدہ چلے گا اکثر لوگ غلطی سے صرف بڑی جائدادوں ہی کے ترکہ کو ترکہ سمجھتے ہیں۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کی چھوٹی پھوپھی اور مولانا مرحوم کی شریک حیات تھیں جو مکتوب الیہ کو بہت عزیز رکھتی تھیں۔

(۲) مراد تدفین میں شرکت سے ہے دریاباد سے باندے کا سفر دریاباد میں کوئی سواری نہ ہونے کی وجہ سے بڑا طویل تھا۔ اسی لیے تدفین میں شرکت نہ ہوسکتی تھی۔

(۳) مراد مولانا مرحوم کی بیگم۔

(۴) مرحومہ کی بہو جو مرحومہ کے ساتھ مستقل باندے میں رہتی تھیں۔

(۵) مرحومہ تسبیح پڑھ رہی تھیں عین اسی عالم میں انتقال ہوا۔

(۶) مولانا مرحوم اس کی بڑی تاکید کرتے تھے کہ ترکہ کی شرعی تقسیم کی جائے اور فوراً کی جائے چنانچہ خاکسار مرتب کی والدہ کے انتقال پر، والد کے انتقال پر یعنی مولانا مرحوم کے بڑے بھائی اور خود مولانا کی شریک حیات کے انتقال پر ترکے کی تقسیم فوراً کرائی۔

شیخ الطاف الرحمٰن قدوائی فرنگی محلی کے نام

ان کے بھائی حمید الرحمٰن صاحب کے انتقال پر تعزیت نامہ۔

دریاباد۔

۲۹ دسمبر ۱۹۵۸ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرحوم کی خبر وفات سنتے ہی دعائے مغفرت کردی تھی۔ آپ کو تعزیت نامہ لکھنے کا خیال کئی بار آیا لیکن ہر بار خیال ہی رہا۔ کل مرزا ناظر بیگ دریابادی نے رودولی سے واپس

ہوکر آپ کا شکوہ سنایا۔ یہ شکوہ سرآنکھوں پر جواب شکوہ بجز ندامت و معذرت کے اور کچھ نہیں ــــ

بھائی کیسا ہی ہو بھائی بڑا قوت بازو ہوتا ہے آپ بھائیوں کے مفارقت کے صدمے پہلے ہی کیا کم اٹھائے ہوئے تھے کہ ان پر یہ جدید اضافہ ہوا۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ طویل تکلیف وہ علالت خود ہی مرد مومن کو دھو دھلا کر پاک صاف کر دیتی ہے۔

یہ تعزیت مرحوم کے بچوں اور بیوہ سب کو پہنچایئے۔ مرحوم کی لڑکی کی شادی کا منظر اب تک یاد ہے۔ کس فراخ دلی اور حوصلہ مندی کے ساتھ کی تھی۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بڑے گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اور حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے مرید اور مقرب خصوصی تھے اپنے شیخ سے اتنا تعلق بڑھا کہ مستقل فرنگی محل ہی میں رہنے لگے تھے۔ مولانا مرحوم سے ان کے ایک زمانے میں شریفی سعودی تنازعے سے پہلے گہرے تعلقات رہ چکے تھے۔ اس کے بعد بھی تعلقات قائم رہے۔

(۲) مولانا مرحوم کے ہم وطن اور مخلص ہم نشین جو شام کی نشست میں مرحوم کے ہاں حاضری دیا کرتے تھے۔

(۳) مولانا مرحوم کے تعزیت نامہ نہ پہنچنے کا۔

(۴) یہ شادی اکتوبر ۱۹۴۴ء میں مرتب کے کلاس فیلو ضمیر احمد قدوائی صاحب دادوکلاں سے ہوئی تھی جو راجہ سر اعجاز رسول کے سگے بھانجے تھے۔

بنام نواب ناظر یار جنگ[1] حیدرآباد

دریاباد

۹ر فروری ۱۹۵۹ء   بسم اللہ

بھائی صاحب!   السلام علیکم

برادرم فصیح الزماں[1] مرحوم کی یک بیک وفات کا حال لکھنؤ میں معلوم ہوگیا تھا پھر پرسوں خبر رہنمائے دکن میں پڑھی (گو اس میں نام غلط چھپ گیا تھا) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ ــــــ علاوہ عزیزداری کے مجھ سے پڑھا بھی تھا[2] اور میرے بہترین شاگردوں میں تھے۔ یعنی بڑے مستعد وقت کے بڑے پابند[3] ۔ اور وقت ضائع کرنے سے بہت محتاط! دوبار سال جب میں حیدرآباد میں چند گھنٹے کے لیے ٹھہرا تو بڑے ہی تپاک اور اخلاص کا برتاؤ کیا، خود انھوں نے بھی اور ان کی بی بی اور لڑکیوں نے بھی ۔ اللہ پال بال مغفرت فرمائے ۔

تعزیت نامہ میری طرف سے بھی ہے اور گھر والیوں کی طرف سے بھی۔ مرحوم کی بی بی لڑکیوں سب کے لیے یہ وقت بڑا سخت ہوتا ہے لیکن ایمان کا امتحان بس ایسے ہی موقعوں پر ہوتا ہے اور ہر صابر و ثابت قدم مومن و مومنہ کے لیے اجر بے انداز ہے اور اس منزل سے آگے پیچھے گزرنا بہرحال سب ہی کو ہے ۔

والسلام   دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مرحوم کے بڑے ہم زلف تھے یعنی مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کی بڑی ہمشیرہ ان سے منسوب تھیں ۔

(۲) مولانا مرحوم اور مکتوب الیہ کے ایک عزیز جو حیدرآباد میں رہتے تھے ۔

(۳) مولانا مرحوم سے ان کے گھر پر ان کی طالب علمی ختم ہونے پر مستعد طلبہ منطق اور فلسفہ

پڑھنے آتے تھے۔

(۴) مولانا مرحوم خود بھی وقت کے بے حد پابند تھے اسی لیے پابند وقت لوگوں کی سب سے زیادہ قدر کرتے تھے۔

(۵) مراد مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ ہیں۔

اجتبیٰ کریم صاحب[۱] کے انتقال پر

اجتبیٰ کریم صاحب کے انتقال کی خبر ان کے صاحبزادے محمد زبیر صاحب نے لاڑکانہ سے دی تھی۔ اس کے جواب میں یہ تعزیت نامہ گیا۔

دریاباد —

۸ رمئی ۱۹۵۹ء   بسم اللہ

عزیزی سلمۂ!   وعلیکم السّلام

دعائے مغفرت اطلاع پاتے ہی کر دی۔ اب پھر کر رہا ہوں۔ مرحوم مجھ سے سن میں دو چار سال ہی بڑے تھے پاکستان چلے جانے کے بعد ملاقات کی امیدیں ہی موہوم سی رہ گئی تھی پھر بھی زندگی کے ساتھ کچھ نہ کچھ بات تو تھی ہی آج وہ بھی ختم ہوئی۔ اولاد اور بیوی دونوں کے لیے یہ وقت بہت سخت ہوتا ہے خصوصاً جبکہ وفات دفعتہً ہو لیکن پھر اجر بھی اسی درجہ کا ہے اللہ سب کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

باقی آگے پیچھے ہم سب ہی اس منزل کی طرف چل رہے ہیں اللہ ہر ایک کی مشکل کو آسان کرے۔

دُعا گو

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم کے ایک رشتے کے بھائی چودھری خلیق الزماں کے منجھلے سالے تھے

اور لڑکانہ میں مقیم ہوگئے تھے۔

(۲) مرحوم ریلوے میں ملازم ہوگئے تھے اور تقسیم کے بعد مغربی پاکستان منتقل ہوگئے تھے۔

حاجی اصطفا خاں صاحب گل وِلا، عامل کالونی کراچی کے نام

تعزیت نامہ ان کے جوان صاحبزادے کے انتقال پر ـــــ

دریاباد

۲۴ ستمبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

کرم گسترا! السلام علیکم

سانحہ کا ذکر پرسوں لکھنؤ میں شہید صاحب سے سن کر دل دھک سے ہوگیا۔ اِنّا للّٰہ وَ اِنّا الیہ راجعون ۔ لیکن سوچتا ہوں کہ آپ سے تعزیت کروں یا آپ کو مبارکباد لکھوں کہ کتنی بڑی قربانی آپ سے طلب کی گئی اور آپ کا ظرف کتنی سخت قربانی کے قابل سمجھا گیا! و لا یلقّٰھا الا الّذین صبروا و ما یلقّٰھا الا ذو حظٍ عظیم۔

میں تو آپ کے صعوبات سفر حج ہی کا ذکر ایک صاحب سے سن کر عش عش کر رہا تھا کہ کیا حج مقبول آپ کو نصیب ہوا اور کیسے کیسے مجاہدے اضطراراً آپ سے کرائے گئے کہ اس آخری اضطراری مجاہدۂ عظیم کا نمبر تو سب سے بڑھ گیا! ـــــ انعام و اکرام لطف و نوازش کی جو بارش آپ پر ہونے والی ہے اس کا تو آج اندازہ بھی نہیں ہوسکتا۔

جوان ہونہار محبوب لخت جگر کا یوں اٹھ جانا کوئی معمولی مجاہدہ ہے؟ اللہ اکبر مرحوم اگر شادی شدہ تھے تو بیوی بچوں پر کیا گزر رہی ہوگی۔

اللہ آپ کو، ان کے سارے متعلقین کو صبر جمیل عنایت کرے۔ اولاد کا صدمہ تو وہ چیز ہے کہ خود صابروں شاکروں کے سرتاج صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو اولاد خورد سال تک پر نکل آئے ہیں ـــــ اور ہم ضعیف و ناتواں اُمتیوں کو اس باب میں بھی ایک اسوۂ حسنہ نصیب

نصیب ہوگیا ہے۔

والسلام۔ دعاگو و شریکِ غم

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ لکھنؤ کی مشہور فرم عطر و تنباکو اصغر علی محمد علی کے مالک تھے اور بڑے پختہ مسلمان تھے۔ حضرت مولانا عین القضاۃؒ کے قائم کردہ مدرسہ فرقانیہ جہاں حفظ و تجوید کی تعلیم ہوتی تھی کا سارا خرچہ خود ہی اٹھائے ہوئے تھے اور بڑے مخیر شخص تھے۔ تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔ مولانا مرحوم سے خصوصی تعلق رکھتے تھے اور جب بھی کراچی سے لکھنؤ آتے تھے تو مولانا مرحوم سے ملاقات ضرور کرتے تھے۔

(۲) مراد مولوی صبغت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی جو مولانا مرحوم اور مکتوب الیہ دونوں کے مخلص اور بے تکلف دوست تھے۔

عبد السلام صاحب کے نام تعزیت نامہ

ان کے والد عبد المجید سالک صاحب کے انتقال پر

دریاباد۔

۳۰ر ستمبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ تعالیٰ! السلام علیکم

سانحہ کی خبر یہاں اخباروں میں کل شام کو پڑھ کر دل پر گویا بجلی سی گر پڑی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ــــــ آپ کے تو خیر والد ماجد ہی تھے آپ لوگوں پر جو کچھ گزری ہو کم ہے ــــ خود مجھے یہ معلوم ہوا کہ جیسے کسی عزیز خاص کی سناونی سن لی۔

اللہ بال بال مغفرت فرمائے، جنازہ غائبانہ پڑھ دیا۔ لاہور کی دنیائے صحافت آپ ہی کی طرح یتیم ہوگئی اور ادبی شعری علمی حلقوں میں سناٹا چھا گیا ــــ مرحوم ادیب ظریف اور

بذلہ سنج تھے ہی ساتھ ہی پختہ مسلمان بھی تھے اور ان کی ظرافت حضرت اکبر الٰہ آبادی کی طرح معنویت حکمت و معرفت کی بھی چاشنی لیے ہوئے ہوتی تھی۔

دنیا کی آلائشوں، کلفتوں، فکر مندیوں سے آزاد ہو کر جنت پہنچ گئے جو ہر مسلمان کا موروثی حق ہے خود بھی یہی سمجھ کر اللہ کا شکر ادا کیجئے اور سارے عزیزوں اور قریبوں کو صبر جمیل کی تلقین کیجئے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ باہر جا کر جرنلزم کی ڈگری لے آئے تھے۔

(۲) مراد مشہور صحافی اور فکاہیہ نویس عبدالمجید سالک صاحب سابق ایڈیٹر انقلاب ان کو بھی مولانا مرحوم سے بڑی عقیدت تھی۔

(۳) مولانا مرحوم سالک صاحب کی اسلامیت اور حکیمانہ ظرافت کے بہت زیادہ قائل تھے اور کہا کرتے تھے کہ بالکل حضرت اکبر الٰہ آبادی کا رنگ ہے۔ بڑی گہری اور حکیمانہ باتیں ظرافت اور مزاح میں کہہ جاتے ہیں۔

بیگم چودھری الطاف حسین[1] کے نام

ان کے شوہر نے دماغی خرابی کی وجہ سے یکایک خودکشی کر لی تھی یہ حادثہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو صبح ۸ بجے پیش آیا تھا اور اس کی اطلاع مولانا مرحوم کو قومی آواز لکھنؤ سے ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو ہوئی

دریاباد
۱۵ اکتوبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

بادشاہت گئی اور آناً فاناً گئی۔ بجلی گری اور یک بیک گری۔ نازوں میں پلی ہوئی شوہر کی ناز برداریوں میں بسی ہوئی خوش نصیب، خوش حال سہاگن دم کی دم میں رانڈ دکھیا ہوکر رہ گئی!

آزمائش، کڑی آزمائش ہر بیوہ کی ہوتی ہے تمہاری آزمائش اتنی بڑی اتنی کڑی ہوئی کہ عجب نہیں فرشتوں کے بھی دل دہل گئے ہوں۔

خود تمہارے ماں باپ پر بھی ہزاروں میل دور یہ خبر سن کر کیا گزری ہوگی۔ ایمان اور عقیدے کے امتحان کا اصلی وقت یہی ہے تسکین و تسلی کا سہارا ابھی ایمان ہی تو ہے۔ یہ نہ بھولنے پائے کہ جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہ سب سے زیادہ رحم دل ہے اس کے ہاں سے کسی ظلم کا امکان ہی نہیں خدا جانے اسے کیا کیا درجے تمہیں دینا منظور ہیں۔ آج ان مرتبوں کا اندازہ بھی نہیں ہوسکتا جس طرح ابھی کل تک کوئی انسانی دماغ اس حادثہ کا بھی اندازہ نہیں کرسکتا تھا۔

مرحوم کے ساتھ معاملہ جو بھی ہو تم تو بہر حال بے قصور و بے گناہ مظلوم ہی مظلوم ہو اور حشر میں مظلومیت کی سفید چادر اوڑھے بے کسی کے آنسوؤں اور سسکیوں کے ساتھ فریادی بن کر پیش ہوگی تو دیکھنا کیسے کیسے انعاموں سے سرفرازی ہوتی ہے! کیسی کیسی دولتوں سے جو آج تمہارے تصور میں بھی نہیں آسکتیں تمہیں مالا مال کیا جاتا ہے۔

یقیناً تمہارا ظرف بہت اونچا سمجھا گیا جب ہی اتنا بڑا بار تمہارے اوپر ڈالا گیا یہ مرتبہ ہر ایک کو نہیں نصیب ہوتا۔

آج لوگ تمہارے اوپر ترس کھاتے ہیں کل سب رشک کریں گے ان شاء اللہ

زخم کا ٹھنڈا مرہم بس یہی عقیدہ اور ایمان ہے اس دنیائے فانی کی بڑی سے بڑی بھی لذتیں کے دن کی راحتیں اور لذتیں تو بس آخرت میں ہیں جس طرف ہم سب کیا بوڑھے کیا جوان دوڑتے لپکتے ہوئے چل رہے ہیں۔ لڑکیاں اور ان کی والدہ سب اڑ کر تم تک پہنچنا چاہتی ہیں کل شام کو جب اخبار میں خبر پڑھی تو پہلے تو مجھے خود ہی یقین نہ آیا اور پھر جب ان لوگوں کو سنایا

توگویا سکتے میں آگئیں۔

ٹریجڈی ہے ہی اتنی سخت کہ اپنے تو اپنے بیگانوں کے بھی دل لرز گئے۔

دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کی رشتے میں بھانجی ہوتی تھیں۔ ان کے شوہر چودھری الطاف حسین ان کے قریبی عزیز ہوتے تھے اور بڑے عہدوں پر رہ چکے تھے خلل دماغی کی وجہ سے لکھنؤ ہی میں رخصت پر تھے اور اسی حالت میں اپنے اوپر فائر کر لیا اس سے پہلے دونوں بڑی خوشی سے رہتے تھے۔

(۲) مکتوب الیہا کے والد جج تھے پھر یوپی گورنمنٹ میں REMEMBRANCER اور بڑے خوشحال تھے۔ بچپن بڑے ہی ناز و نعم میں گزرا اور شادی کے بعد شوہر کے انتقال تک یہی کیفیت رہی۔

(۳) یہ دونوں کراچی میں تھے تقسیم کے بعد۔ چودھری اکبر حسین بڑے ہی پختہ مسلمان تھے اور پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔

(۴) مراد مولانا مرحوم کی لڑکیاں۔

(۵) مراد مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ جو رشتے میں مکتوب الیہا کی خالہ تھیں اور ان کی والدہ سے ان کی بچپن سے دوستی تھی۔ اور بڑے گہرے مخلصانہ تعلقات تھے۔

مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام

ان کی والدہ ماجدہ کے انتقال پر

دریاباد

۱۰؍ اکتوبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

مخدوم ومکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الجمعیۃ میں سانحہ کی خبر ابھی نظر سے گزری۔ اللھم اغفر لہا وارحمہا۔
والدہ کا ظل عاطفت ہر سن میں ایک سایہ رحمت اور دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہی رہتا ہے۔ آپ خوش قسمت تھے کہ اتنے دن تک آپ کو مرحومہ کی خدمت کا موقع ملا اور جنت کا استحقاق ایک اس ذریعہ سے حاصل کر لیا۔
آپ کو تعزیت کے کلمات لکھنا لقمان کو حکمت کا درس دینا ہے۔

والسلام دعاگو دعا خواہ
عبدالماجد

غلام متین انصاری صاحب الکٹرک پاور ہاؤس ضلع مرزاپور کے نام

ان کی خوشدامن کے انتقال پر

دریاباد
۲۳ نومبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

مرحومہ کو اللہ غریق رحمت کرے۔ اس طویل اور تکلیف دہ علالت جمیل سے جانے کے بعد بُرے لوگ بھی مستحق مغفرت ہو جاتے ہیں چہ جائیکہ وہ۔ ان مرحومہ کا شمار تو اچھی نیک بیبیوں میں تھا۔ سب کے کام آنے والی سب سے محبت و اخلاق سے پیش آنے والی انشاء اللہ انھیں تو بہت ہی اچھی جگہ مل رہی ہوگی۔
تم دونوں کو خدمت کے موقع بھی خوب مل گئے اور بڑا اجر حاصل ہو گیا۔ اصل تعزیت کے قابل تو والدہ امین سلمہ ہیں ماں کی سی نعمت اب دنیا میں کون مل سکتی ہے۔

والدعا

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کی سگی چچازاد بہن کے لڑکے یعنی بھتیجے تھے۔ لیکن تعلق بالکل ہم سگے بھتیجوں کا سا تھا اور یہ تعلق نہ صرف مولانا مرحوم کی زندگی تک بلکہ اس کے بعد تک ہم سب سے رہا افسوس ہے کہ مکتوب الیہ بھی ستمبر ۱۹۷۹ء میں مرحوم ہوگئے۔

(۲) مرحومہ مکتوب الیہ کی چچازاد بہن ہوتی تھیں لیکن سن میں بہت بڑی اور ڈاکٹر اخلاق حسین قدوائی کی سگی خالہ۔

(۳) مراد مکتوب الیہ کی بیوی جو مرحومہ کی صاحبزادی تھیں۔

غلام امین انصاری معرفت محمد طیب انصاری ٹیکسٹائل مل بھوپال

دریاباد
۲۸ نومبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

تمہاری نانی مرحومہ آخر رخصت ہوگئیں۔ بڑی بیماری جھیلی مومن کے لیے یہ خود ایک بڑی اچھی علامت ہے گناہ دھل جاتے ہیں نیکیاں بڑھادی جاتی ہیں پھر وہ بے چاری تو یوں بھی نیک اور دوسروں کے بہت کام آنے والی تھیں۔ ہم لوگ تو دور ہی کا رشتہ رکھتے تھے مگر ہم لوگوں کے ساتھ وہ کس اخلاق و محبت سے پیش آتی رہتی تھیں۔

اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ تمہاری والدہ اور ماموں کو جتنا بھی صدمہ ہو قدرتی ہے بڑی نعمت سر سے اٹھ گئی خیر ان لوگوں نے بھی اتنی خدمت کرکے اپنا حق جنت پر قائم کرلیا۔

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے بھتیجے شیخ غلام متین انصاری کے بڑے صاحبزادے تھے اور مولانا مرحوم سے ان کا بھی گہرا تعلق تھا۔ انھوں نے مولانا کے زیر سایہ تربیت پائی طالب علمی میں چھٹیوں کا خاصا حصہ دریاباد میں گزارتے تھے لکھنؤ میں والد مرحوم یعنی مولانا کے بڑے بھائی مولوی عبد المجید صاحب ڈپٹی کلکٹر کے ہاں ان کا قیام رہتا تھا۔

(۲) مکتوب الیہ کے سگے ماموں۔

(۳) مرحومہ کی وفات کا ذکر مکتوب ۳۸ میں آچکا ہے۔

عبدالرؤف[۱] قدوائی صاحب بھیارہ بارہ بنکی کے نام

ان کے والد عبدالعلی[۲] قدوائی کی وفات پر تعزیت نامہ

دریاباد

۵ر فروری ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

مرحوم کے انتقال کی خبر پاتے ہی دعائے مغفرت کر دی۔

باپ کا سایہ اولاد کے حق میں سن کچھ بھی ہو جائے ایک نعمت عظیم ہوتا ہے۔ اللہ صبر جمیل عطا فرمائے۔

میری تعزیت اپنی والدہ، بہن اور دوسرے عزیزوں کو پہنچا دینا۔ مرض الموت اور انتقال کی کچھ اور تفصیل معلوم نہ ہوئی اگر آئندہ خط لکھنے کا وقت ملے تو یہ بھی لکھ دینا۔

دعا گو

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ بھیارہ کے رہنے والے اور رفیع احمد قدوائی کے عزیز قریب اور جمال میاں فرنگی محلی کے بھی۔ خاکسار مرتب کے لکھنؤ یونیورسٹی میں بی، اے میں کلاس فیلو

رہ چکے ہیں۔ زراعت اور باغبانی کا کاروبار ماشاء اللہ بڑا اچھا ہے۔ بڑے پختہ اور گہرے مسلمان ہیں۔

(۲) مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے عزیز قریب، خلافت تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا مرحوم سے ان کے خاصے تعلقات تھے۔

مولانا شاہ وصی اللہ صاحب[1] فتحپوری حسن منزل الہ باد کے نام تعزیت نامہ

موصوف کی دو صاحبزادیوں کے دو ہفتے کے اندر انتقال پر ———

دریاباد

۱۵ را پریل سنہ ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

مولانا!

السلام علیکم

آپ کا ابتلاء عظیم آپ کے ایک مسترشد کے خط سے ابھی علم میں آیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اللہ آپ کے مرتبے زیادہ سے زیادہ بلند کرے یہ سب سامان اسی کا ہو رہا ہے۔ ایک ہی لخت جگر کی وفات کیا کم تھی چہ جائیکہ دو دو کی وہ بھی دو ہفتے کے اندر۔ اس سے بڑھ کر کڑا امتحان اور کیا ہوگا!

لیکن درحقیقت آپ قابل مبارکباد ہیں آپ کا ظرف اتنا بلند سمجھا گیا جبھی تو امتحان اتنا سخت لیا گیا۔

اللہ آپ کو لطف بے کراں سے نوازے اور صاحبزادیوں کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اور بڑے مقدس و

مقبول بزرگ تھے ۔

سید کلب مصطفےٰ صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ کے نام

ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کے فاتحہ چہلم کے متعلق کارڈ آیا تھا اسی کا جواب گیا ۔

دریاباد

۱۵ر جون سنہ ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

سن کچھ بھی ہو جائے ماں کی ہستی تو ایسی نعمت ہے کہ جس کا بدل اس دنیا میں ممکن نہیں آپ لوگ پھر خوش قسمت تھے کہ اتنے عرصہ تک ان کی خدمت کا موقع ملا ۔

دلی تعزیت آپ خود قبول فرمائیں اور اپنے بھائی بہنوں تک پہنچا دیں ۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ ملی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے اور شیعہ سنی اتحاد کے علمبردار تھے اور مولانا مرحوم سے مخلصانہ تعلق رکھتے تھے ۔ مشہور شیعہ لیڈر کلب عباس صاحب کے چھوٹے بھائی تھے

چودھری خلیق الزماں صاحب کراچی کے نام

ان کی والدہ کے انتقال پر ـــــ

دریاباد

۲۰ر اگست سنہ ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

بھائی صاحب! السلام علیکم

آپ اپنی والدہ مرحومہ کی تعزیت میں ایسی روا داری میں آئے کہ میری حاضری کی نوبت بھی

نہ آنے پائی۔ ماں کی نعمت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور رسں کچھ بھی ہوجائے بہرحال اس کی یہ حیثیت قائم رہتی ہے۔ اللہ بال بال مغفرت فرماتے۔ میرے بزرگوں میں اب وہی ایک باقی رہ گئی تھیں آپ اور ڈاکٹر سلیم[۳] دونوں خوش قسمت ہیں کہ دونوں سے وہ راضی گئیں اور جنت جیت لینے کے لیے عجب نہیں کہ یہی ایک وصف کافی ہوجائے۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مرحوم رشتے میں مولانا مرحوم کی ممانی ہوتی تھیں۔

(۲) یعنی دریاباد سے لکھنؤ حاضری۔

(۳) مراد چودھری صاحب کے چھوٹے بھائی اور نامور سائنداں۔ بفضلہ یہ اب تک بقید حیات ہیں۔ اور پاکستان میں ہیں۔

ادریس احمد مینائی صاحب[۱]

۱۵۰/۱ اقبال محل شکارپور کالونی کراچی نے اپنی والدہ کے انتقال کی اطلاع دی تھی اس کے جواب میں یہ تعزیت نامہ گیا ـــــــــ

دریاباد۔

۱۸ر نومبر ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہ اللہ! وعلیکم السّلام

اِنّا للہ واِنّا اِلیہ راجعون۔ مرحومہ کی عبادات کا حال تو اب معلوم ہوا باقی اعزا کے ساتھ جوان کا حسن معاملہ تھا اس کی شہادت دینے والے تو ہم سب لوگ ہیں۔

دعائے مغفرت تو دینا فرض ہے۔ باقی ان مرحومہ کو اس کی ضرورت ہی کیا۔ جمعہ کا دن، احتضار کی بہترین حالت وغیرہ سب ان کی مغفوریت و مقبولیت کی شہادت تو ہی ہیں۔ اولاد کے حق میں تو

والدہ کا وجود ایک سایۂ رحمت ہی ہوتا ہے۔
سب بھائی بہن ہم لوگوں کی طرف سے دلی تعزیت قبول فرمائیں۔
والدہ راقم⁽³⁾ اس وقت لکھنؤ میں ہیں۔ پرسوں ان شاء اللہ آجائیں گی انھیں آج ہی خبر کئے دیتا ہوں۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم کے عزیز اور مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کے زیادہ قریبی عزیز رہتے ہیں۔
(۲) مولانا مرحوم اس پر زور دیتے تھے کہ اصل مذہب یہ ہے کہ حقوق العباد ادا کئے جائیں یہ اسلام کا امتیازی وصف ہے۔
(۳) مراد مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ۔

چودھری اویس احمدؒ ردولوی

ان کے نانا شاہ مصطفیٰ احمدؒ کے انتقال پر تعزیت نامہ۔

دریاباد۔
۲۴ر جنوری ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السّلام علیکم

حادثہ کی اطلاع کل شام کو ایک صاحب سے ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں خصوصیت کے ساتھ ہم لوگوں کی تعزیت پہنچادیں۔
بزرگوں کا وجود ہر صورت میں سایۂ رحمت ہی ہوتا ہے اور پھر وہ مرحوم تو دین داری اور خوش دینی کے لیے مشہور ہی تھے۔

والدعا۔ شریکِ غم

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ ردولی کے رئیس چودھری سرفراز احمد صاحب کے صاحبزادے اور معارف کے ایڈیٹر شاہ معین الدین احمد ندوی کے داماد۔ مولانا مرحوم اور ہم لوگوں سے بھی ان کی قرابت ہوتی ہے۔

(۲) مرحوم ردولی کے رہنے والے اور صاحبِ حیثیت بزرگ تھے گیا میں ان کا کاروبار تھا۔ بڑے دین دار اور غیرت دینی میں ممتاز تھے۔ بڑے مخیر اور داد و دہش کرنے والے تھے۔ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی تھے۔

حاجی احمد غریب صاحب ۲۲ کٹلری بازار بمبئی کے نام

دریاباد۔

۲۷ رجنوری ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

بمبئی کے اردو اخبارات[۱] کھولنے کی بھی نوبت نہیں آتی اسی لیے اب تک بے خبری رہا۔ آج جو حکیم عبدالقوی سلمہٗ لکھنؤ سے آئے[۲] تو انھوں نے انقلاب[۳] کے حوالہ سے وہ خبر صاعقہ اثر سنائی۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

مرحوم سے ذاتی شناسائی بھی ۱۹۲۹ء میں ہوئی تھی اور بالواسطہ تو ان کے الطاف وعنایات کا مورد تھا ہی اور آپ کے تو وہ خیر حقیقی بھائی ہی تھے ــــــــ خوب جانتا ہوں کہ بھائی کی محبت کے کیا معنی ہوتے ہیں اور تازہ تجربہ[۴] رکھتا ہوں کہ اس نعمت کا زوال ساری زندگی کو کیسا تلخ بنا دیتا ہے۔ اس لیے ہم دردی بھی آپ لوگوں سے رسمی نہیں قلبی اور گہری رکھتا ہوں خانگی نظام اور کاروباری انتظام میں خلل کیا کچھ پڑ کے رہا ہوگا اور یہاں غریب کا تو پوچھنا ہی کیا؟ کیا

کچھ دل پر گزر رہی ہوگی —— لیکن انھیں بشارت دیجئے کہ ان کے مرتبے بھی کیا کیا بڑھنے والے ہیں اور درجے بھی کیا کچھ ملنے والے ہیں۔

اتنا سخت امتحان ہر ایک کا نہیں ہوتا ہر ایک کا ظرف اس قابل نہیں سمجھا جاتا!

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

یقین رکھئے کہ جس درجے کی آزمائش ہوئی اُسی نسبت سے ثمرہ و اجر بھی اس میں شبہ بھی نہ کیا جائے مسلمان جو اُٹھ جاتا ہے بہرحال اپنے شفیق مولا و پروردگار کے پاس پہنچتا ہے ہر طرح کا انعام و اکرام وصول کرنے کے لیے —— اس میں غم و حزن خوف و اندیشہ کی کیا بات ہے یہ موقع تو تبریک و تہنیت کا ہونا چاہیئے! —— اور پھر جبکہ وہ بندہ اہل اللہ بھی ہو۔ حج پر حج کرتا چلا جاتا ہو۔ اور اسے بلاوا بھی پہنچے تو خاص ارضِ حرم میں موت ہم ایسوں کے لیے قابلِ رشک! اب ملاقات ان شاء اللہ جنت ہی میں ہوگی۔ ایسی ملاقات جس کے بعد کوئی جدائی نہیں۔

اس نامہ سیاہ کو بھی اپنا شریکِ غم سمجھا اور ہم لوگوں کی طرف سے تعزیت اپنے بڑے چھوٹوں سب کو پہنچا دیجئے۔ تعزیت کا تار کل خبر پاتے ہی دے دیا تھا۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم سے خصوصی درجہ اخلاص رکھتے تھے مولانا مرحوم کی مرتبہ مناجات مقبول کی طباعت کے سارے مصارف برداشت کئے اور اس پر اصرار کیا کہ ان کے نام کا اظہار نہ ہونے پائے۔ مستحقین کی امداد کے لیے برابر مولانا مرحوم کے پاس معقول رقم بھیجا کرتے تھے اس کے علاوہ مولانا کے بہت سے کام انجام دیتے۔ تاج کمپنی لاہور سے تفسیر کلام کی رائلٹی کی رقم مولانا کو دلوانے کی خاص کوشش کی۔ بڑے ہی مسلمان آدمی تھے حجاج کی خدمت بڑی دلسوزی سے کرتے تھے۔ ماشاء اللہ متعدد حج کر چکے تھے۔ یہ تعزیت نامہ ان کے بھائی کے انتقال پر۔

(۲) مولانا مرحوم کے پاس تبادلے میں درجنوں اردو اخبارات آتے تھے ان میں بمبئی کے متعدد اخبار بعض وقت وقت کی کمی وجہ سے کیونکہ ڈاک بعد عصر آتی تھی مولانا ان سب اخبارات کو اسی روز نہیں پڑھتے تھے بلکہ دوسرے روز اور پھر ہر اخبار کو پورا پڑھتے بھی نہیں تھے۔ آخر زمانہ میں ضعف بصارت کی وجہ سے۔

(۳) مولانا مرحوم کی زندگی بھر راقم مرتب کے بڑے بھائی حکیم عبدالقوی صاحب ہر جمعہ کو قبل دوپہر لکھنؤ سے دریاباد آتے تھے اور دوسرے دن صبح واپس جاتے تھے۔ صدق کے مضامین ان کے ساتھ لکھنؤ جاتے تھے۔

(۴) بمبئی کا کثیر الاشاعت اردو روزنامہ انقلاب"

(۵) سنہ ۱۹۲۹ء میں جب مولانا مرحوم حج کرنے تشریف لے گئے تھے اور کئی روز بمبئی میں قیام رہا تھا۔

(۶) مراد مولانا کے بڑے بھائی کا سانحہ ارتحال جو ۱۰ر دسمبر سنہ ۱۹۶۰ء کو لکھنؤ میں پیش آیا

(۷) مرحوم متعدد بار حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکے تھے۔

(۸) مرحوم کا انتقال مکہ معظمہ میں ہوا تھا۔

مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نامی، مدرسہ نور العلوم بہرائچ

دریاباد۔
۱۰ر فروری سنہ ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

حادثہ کی اطلاع کل شام کو مولوی کلیم اللہ صاحب کے خط سے ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط۔ دعائے مغفرت اسی وقت کر دی اور نمازوں کے بعد بھی کی۔

بھائی کی جدائی یوں ہی ایک سخت آزمائش کی چیز ہے چہ جائیکہ ایسا بھائی جو ہر طرح

رفیق و شریک کار بھی ہو۔ پچھلی بار بہرائچ میں بھی مجھے بھی نیاز حاصل ہوا تھا۔ اللہ کو معلوم نہیں آپ کے درجہ کتنے بڑھانے ہیں کہ کس کس طریقوں سے آپ کی اتنی شدید آزمائش پر آزمائش ہو رہی ہے۔
اس "عسر" اسی درجہ کا "یسر" انشاء اللہ یقینی ہے۔
"دارالحدیث"[۵] کا ذکر آئندہ نمبر میں انشاء اللہ ہوگا۔

والسّلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ جو مولانا کے انتقال سے پہلے مرحوم ہوئے بڑے ہی متقی اور پرہیزگار عالم تھے حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ سے بیعت تھے اور جمعیۃ العلماء کے سرگرم کارکن، بہرائچ میں مسعودیہ نورالعلوم قائم کیا تھا اور ۱۹۲۹ء سے ۱۹۵۰ء تک یوپی حکومت میں تعلیمات کے پارلیمنٹری سکریٹری رہے اس کے بعد دینی تعلیمی تحریک چلائی۔ قرآن مجید کی تعلیم عام کرنے کی۔ انتقال سے کئی برس پہلے فالج میں مبتلا رہے۔ مولانا مرحوم مولانا نامی کی تحریک کے بڑے قدر دانوں میں تھے اور ان کی اسلامیت اور اخلاص کے پورے طور سے قائل۔

(۲) بھائی کا سانحہ ارتحال۔

(۳) جامعہ مسعودیہ نورالعلوم کے مہتمم۔

(۴) جامعہ مسعودیہ میں دارالحدیث کی عمارت کی تعمیر کا تذکرہ۔

(۵) مراد صدق جدید کا آئندہ نمبر۔

توکل کریم قدوائی صاحب[۱] نیوی آفیسر کراچی کے نام

تعزیت نامہ ان کے والد تجمل کریم صاحب کے انتقال پر

دریاباد

۱۰ مارچ ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

عزیزی سلمٗہ! السلام علیکم

ابھی کل ہی مفصل کارڈ بھیجا ہے کہ معلوم تھا کہ اتنی جلد خیریت نامے کے بجائے تعزیت نامہ لکھنا پڑے گا ـــــ وہ مرحوم اُس وقت تک اس عارضی وطن کو چھوڑ کر وطن اصلی کو روانہ ہو چکے تھے شام کی ڈاک سے مُلّا میاں کا ہوائی خط ملا اس نے یہ خبر سنائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن مومن کا تو بس انجام دیکھنا چاہیے ان مرحوم کا انجام اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ ماہ رمضان مل گیا اور اس کا بھی دوسرا عشرہ جو مغفرت کے لیے مخصوص ہے پھر شب دوشنبہ بھی متبرک ہے۔

اللہ بال بال مغفرت فرمائے ایسی موتیں تو قابل رشک ہوتی ہیں۔

کبیر میاں وغیرہ کو اطلاع شام ہی کو کردی، لکھنؤ بھی اسی پہلی ڈاک سے خبر کرائے دیتا ہوں علاوہ عزیزداری کے میرے بچپن کے دوست اور ساتھی تھے۔ سن میں کچھ ہی بڑے۔ ہمدردی کے قابل تمہاری والدہ کا ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن تعزیت کی مستحق تمہاری پھوپھی بھی کچھ کم نہیں اپنے بھائیوں کی عاشق تھیں میری طرف سے دلی تعزیت ان دونوں کو پہنچا دینا بلکہ یہی خط سُنا دینا۔

اپنے بچوں، بچیوں کے ساتھ اب چھوٹے بھائی بہنوں کی ذمہ داریاں بھی آپڑیں ایمان و عقیدہ کی مضبوطی ایسے ہی موقع پر کام آتی ہے جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہی ان شاء اللہ کاٹ بھی دے گا۔

دنیا اور اس کی ساری مصیبتیں، آزمائشیں چند روزہ محض عارضی و فانی، آنکھ جھپکتے سب کٹ جائیں گی، البتہ جو سکھ جو راحتیں ان کے معاوضہ میں ملنا یقینی ہیں وہ دائمی اور کبھی ختم ہونے والی نہیں۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا تعارف پچھلے خطوں میں ہو چکا ہے۔

(۲) مکتوب الیہ کے والد مولوی تجمل کریم قدوائی ایڈوکیٹ باندہ ۱۹۵۰ء میں پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔ مولانا مرحوم کے رشتہ میں بھائی تھے اور بچپن کے دوست اور ساتھی۔ بڑے گہرے مذہبی شخص تھے۔

(۳) مراد مولوی قطب الدین احمد صاحب عرف ملا محسنہ قدوائی صاحبہ کے والد۔ یہ مولانا مرحوم کے قریبی رشتہ کے بھانجے ہوتے تھے اور مولوی تجمل کریم صاحب ان کے سگے چھوٹے ماموں تھے۔

(۴) مولانا مرحوم کے سگے ماموں زاد بھائی اور مکتوب الیہ کے والدہ کے رشتہ کے بھائی۔ ان کا قیام مستقل دریاباد میں رہتا تھا مولانا مرحوم سے اور ہم سب لوگوں سے ان کے گھر سے بڑے خوشگوار تعلقات ہیں۔

(۵) اہل خانہ ارتضیٰ کریم صاحب مولانا مرحوم کی رشتہ کی بہن اور قطب الدین صاحب کی سگی خالہ بڑی ہی محبت کرنے والی تھیں یہ بھی کئی برس ہوئے مرحومہ ہو گئیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کے برادر بزرگ ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کی وفات پر تعزیت نامہ علی میاں کے نام

دریاباد

۹ رمئی ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مرگ مومن کی حقیقت مجھ سے زیادہ آپ پر روشن ہے اس لیے تعزیت میں آپ سے کچھ عرض کرنا لقمان کو حکمت کا درس دینا ہے ـــــ لیکن معرفت کی جس منزل پر بھی اللہ آپ کو پہنچا دے بہرحال انسان ہی ہیں جیسا کہ میں انسان ہوں اور اپنے بھائی کے غم کا تجربہ حال میں اٹھا چکا ہوں۔

گوشت پوست کا بنا ہوا دل کیسے ممکن ہے کہ پتھر کا بن جائے اور جو صدمہ طبعی ہوتا ہے اس کی انتہائی تلخی اور چبھن محسوس نہ کرے۔

مدتوں اور برسوں نہیں، کہنا چاہیے کہ ابھی دنوں کی بات ہے کہ آپ نے میرے بڑے بھائی کی تعزیت مجھ سے کی تھی، آج بعینہ اسی منزل پر آپ خود آ گئے۔

مرحوم آپ کے لیے بھائی کی سی نہیں باپ کی سی شفقت رکھتے تھے اس کا مجھے علم ہے آج سب کے دلوں پر جو کچھ گزر رہی ہوگی وہ آپ ہی جانتے ہوں گے امتحان واقعی سخت ہوتا ہے۔ لیکن آپ توظرف بھی اسی قدر عالی رکھتے ہیں ان شاء اللہ پوری طرح صبر ہی نہیں مقام تسلیم و رضا پر ثابت رہیں گے اور آپ خود اپنی ذات سے مرحوم کی بچیوں اور صاحبزادے کے لیے نمونہ استقامت کا کام دیں گے۔ مرحوم کا آپ سے تو خیر خون کا رشتہ تھا میرے لیے بھی بھائی سے کم نہ تھے اور اس میں شاید کچھ مبالغہ ہو کہ جس طرح آج آپ اپنے والد مرحوم کی وفات دوبارہ محسوس کر رہے ہوں گے میں بھی اپنے بھائی مرحوم کی وفات کا صدمہ از سرِ نو محسوس کر رہا ہوں۔

بہرحال جس کی حکمت نے یہ وقت ڈالا ہے اسی کی رحمت اسے کاٹ بھی دے گی۔

اور میں اپنی کیا کہوں ایک بہترین و شفیق ترین معالج سے میں اکیلا نہیں سارا خاتون منزل کیا بڑے کیا چھوٹے سب ہی محروم ہو گئے! اور آپ کی خانگی ذمہ داریاں بھی دفعتہً کئی گنا بڑھ گئیں جو چھوٹا تھا دہی سب سے بڑا بنا دیا گیا! اور اسی کو اب خاندان کا افسر بن کر رہنا ہے

رہیں مرحوم کی دینی و ملی خدمات تو ع

سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے!

ان شاء اللہ اسی ہفتہ کے اندر اصالۃً بھی حاضر ہو کر شرکت غم کروں گا۔

جن بچیوں کو ابھی ماں کا داغ تازہ تھا ان پر کتنی جلدی یہ دوسرا پہاڑ صدمہ و غم کا آپڑا۔

والسلام۔ دعاگو

عبدالماجد

(۱) مراد مولانا کے برادر بزرگ مولوی عبدالمجید صاحب جن کا انتقال ۲۰ دسمبر ۱۹۶۰ء کو ہوا تھا۔

(۲) مولانا علی میاں کے والد ماجد حکیم عبدالحئیؒ کا انتقال مولانا مدظلہٗ کی کم سنی میں ہوا تھا اور مولانا کی ساری پرورش و تعلیم و تربیت ڈاکٹر صاحب مرحوم نے کی۔

(۳) مولانا محمد حسنی مدیر البعث الاسلامی جن کا انتقال ۱۹۷۹ء میں ہوا۔

(۴) مولانا مرحوم کی لکھنؤ کی قیام گاہ کا نام۔ یہ بڑی تاریخی عمارت ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء پہلے اسی عمارت میں تھا اس کے بعد جب اس کی اپنی موجودہ عمارت بن گئی تو دارالعلوم اس میں منتقل ہوگیا۔ اسی عمارت میں مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالباری ندوی نے پڑھا تھا۔ مولانا شبلی کا قیام برسوں اسی عمارت کے کوٹھے پر رہا۔ اور مولانا ابوالکلام آزاد اس میں ہفتوں آکر رہے تھے۔ یہ عمارت مولانا مرحوم کی بیوہ خالہ زاد بہن نے خرید لی تھی اور اس کا نام خاتون منزل مولانا مرحوم ہی نے رکھا تھا اور ان بہن نے بڑے اصرار سے مولانا مرحوم اور ان کے بڑے بھائی مولوی عبدالمجید صاحب کو اسی خاتون منزل میں رکھا اور ایک خاصا بڑا حصہ ان لوگوں کے گھر والوں کو رہنے کے لیے دے دیا۔ اور مولانا مرحوم کو ایک پورا کوٹھا وقف کردیا۔ اسی طرح مولوی عبدالمجید صاحب کے لیے بھی۔ مرحومہ کی زندگی کے بعد تک یہ صورت برسوں قائم رہی۔

راجہ احمد علی خاں تعلقدار سلیم پور کے انتقال پر

ان کی صاحبزادی کے نام تعزیت نامہ

دریاباد۔

۱۸ مئی ۱۹۶۱ء — بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

سن کچھ بھی ہو اولاد کے حق میں باپ کا وجود ایک سایۂ رحمتِ الٰہی ہوتا ہے اور پھر بیٹیاں تو باپ کی عاشق زار ہی ہوا کرتی ہیں۔

واقعہ جب بھی پیش آتا آپ لوگوں کے لیے سخت صبر آزما ہوتا اور پھر یہ تو بالکل اچانک پیش آگیا آپ لوگ جتنی بھی غم زدہ ہوں بجا ہے ـــــ اللہ نے بے شک آپ لوگوں کو ایک سخت ترین امتحان میں ڈال دیا ہے لیکن یہ خوب یاد رہے کہ صدمہ جتنا زائد ہوتا ہے اجر بھی اسی درجہ کا ملتا ہے ـــــ یہ بالکل یقینی ہے اس میں شک وشبہ کی ذرا گنجائش نہیں بس اسی پر عقیدہ کامل رکھیے اور وہ دن دور نہیں جب ہر بچھڑا ہوا اپنے پیاروں سے ملے گا اور ہر زخم کو بہترین مرہم نصیب ہو کر رہے گا۔

مرحوم میرے مخلص کرم فرما تھے اور کیننگ کالج میں میرے ساتھ کے پڑھے ہوئے ان کی عبادت گزاریاں ان کی فیاضیاں، مہمان نوازیاں بھولنے والی چیزیں نہیں۔

دعائے مغفرت کرتا ہوں اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ممکن ہے کہ فاتحہ پڑھنے کسی دن سلیم پور بھی کھڑی سواری حاضر ہو جاؤں۔

والسّلام۔ دعاگو

عبدالماجد

(۱) راجہ احمد علی خاں سلیم پور ضلع لکھنؤ کے تعلقدار تھے۔ اور مولانا مرحوم کے ساتھ کیننگ کالج میں پڑھا تھا۔ ملی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۱۹۳۳ء کے قائم کردہ مسلم یونٹی بورڈ کے صدر رہے جس نے سنٹرل اسمبلی کے لیے ۱۹۳۴ء کے الکشن میں یوپی کی ساری مسلم سیٹیں حاصل کرلیں۔ اور اس کے بعد جب مسلم لیگ کا احیا ۱۹۳۶ء میں ہوا تو یوپی مسلم لیگ پارلمنٹری بورڈ کے صدر ہوئے پھر جب اپریل ۱۹۳۷ء میں نواب صاحب چھتاری کی قیادت میں عارضی اقلیتی وزارت قائم ہوئی تھی تو مسلم لیگ کی پالیسی کے خلاف راجہ صاحب نے وزارت قبول کرلی اور وزیر تعلیم مقرر ہوئے بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے مسلم یونٹی بورڈ اور مسلم لیگ

پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس کے دوران نہ معلوم کتنے زعما اور علما ان کے مہمان رہتے تھے۔

(۲) لکھنؤ یونیورسٹی کے قیام سے پہلے کیننگ کالج کھلا تھا جس میں ایم اے تک تعلیم دی جاتی تھی۔

(۳) راجہ شروع ہی سے مذہبی تھے۔ آخر میں یہ رنگ بہت بڑھ گیا تھا۔

بزمی انصاری صاحب کے نام

ان کی والدہ کے انتقال پر تعزیت نامہ:۔

دریاباد۔

۲۷ مئی ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ جانا جب، جس حال اور جس سن میں ہو بہرحال دنیا میں اللہ کی ایک بہترین نعمت سے محروم ہو جانا ہے چہ جائیکہ جب یہ حادثہ بالکل اچانک پیش آجائے اس کی شدت کا کہنا ہی کیا ہے۔ اناللہ

بہرحال آزمائش سخت ہوئی اور جس کے ظرف بلند ہوتے ہیں ان کی آزمائش بھی ایسی ہوتی ہی رہتی ہیں ۔ ع

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

اور مقصود ان آزمائشوں سے ہمیشہ یسر ہوتا ہے نہ کہ عسر۔ مہر ہوتا ہے نہ کہ قہر۔ اور مومن کی زندگی کا یہ پہلو قابل صد رشک ہوتا ہے گو اس کی قدر معاً اور فی الفور نہ ہو۔ فوراً تو جذبات غم والم ہی طاری رہتے ہیں اور بندہ اس پر مجبور و مجبول ہے۔

عقلاً صبر فرمائیے اور دل میں اجر بے حساب کا حساب لگاتے رہیے۔ ہماری آپ کی اور کل دنیا کی بھی عمر کتنی؟ آناً فاناً سب کی کٹ جانے والی ہے اور پھر ان شاء اللہ اپنے ہر عزیز کی

وہ ملاقات جس میں کبھی جدائی نہ ہوگی۔ مومن تو ہر حال میں مورد لطف کریم ہی رہتا ہے۔ گو کسی امید بر نقاب خوف کا پڑا ہوا ہو۔ اللہ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور آپ سب لوگوں کو صبر جمیل سے نوازے۔

دعا گو

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ پاکستان کے انفارمیشن آفیسر کے عہدے پر فائز تھے۔ لیکن اسلامیات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی سی محققانہ کتاب کے پہلے ایڈیشن میں ان کے متعدد مقالے اسلامی عنوانات اور موضوعات پر شائع ہوئے اس سے ان کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم سے مکتوب الیہ کی مراسلت کا سلسلہ برسوں قائم رہا۔

بنام خورشید احمد صاحب ایڈیٹر ماہنامہ چراغ راہ کراچی

انھوں نے اپنی والدہ کے اچانک ریل میں انتقال ہو جانے کی اطلاع دی تھی۔

دریاباد۔

۲۳ جولائی ۱۹۶۱ء بسم اللہ

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط۔ دنیا کی نعمتوں میں شاید سب سے بڑی نعمت ماں ہی ہے اس کی مفارقت اور پھر بالکل اچانک مفارقت پر صبر کر جانا ہے۔ بڑی ہمت اور ظرف والوں کا کام ـــــ لیکن اجر و انعام بھی تو اسی حساب سے و مناسبت سے ہے بے حساب و بے نہایت۔

آپ انشاء اللہ دین دار ہیں اور دین کی قدر تو ایسے ہی موقعوں پر ہوتی ہے۔ جذبات کی دنیا جتنی بھی زیر و بالا ہو جائے پھر بھی عقل سلیم کو اپنی جگہ پر یقین کامل کہ جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہ ماں سے بھی کہیں بڑھ کر شفیق و مہربان ہے۔ ماں کی شفقت تو محض اس کی رحمت و شفقت کا

پر توجتی! خدا معلوم یہ کھو کر کیا کچھ ملے گا! اس ایک ہنگامی اور وقتی زخم کے بہلانے کس نعمتوں اور نوازشوں کی بارش ہوگی۔

اور پھر مسافر کی موت مغفوریت کی خود ایک روشن علامت — سچّے کا دہ قول مستحضر کر لیجیے کہ وطن سے پردیس تک مسلسل رحمتوں کا نزول کر دیا جاتا ہے۔

مفارقت کے دن؟ ہم سب آپ ہی کیسی تیزی سے اس ایک ہی منزل کی طرف رواں دواں ہیں! بس دعاؤں میں لگے رہیے۔ صبر رفتہ رفتہ آجائے گا۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

بنام سید ظہور الحسن صاحب موہانی، زینت محل حیدرآباد دکن

دریاباد

۳۰ جولائی ۱۹۶۱ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السّلام

اناللّٰہ وانا الیہ راجعون ط۔ اللہ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے۔ کیا زمانہ اپنی جوانی میں میں دیکھ چکی تھیں اس وقت کے دیکھنے والے ہم لوگ موجود ہیں اور کیا زمانہ اب دیکھنا اور برسوں جھیلنا پڑا! بہت کچھ تو اسی میں دھل گئیں اور جو کچھ کسر رہ گئی وہ اس طویل علالت نے پوری کر دی اللہم اغفرلہا وارحمہا۔ بڑی خوشی اس اطلاع سے ہوئی کہ میاں نجم کو اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ والہانہ محبت تھی۔ لڑکیوں کو تو ماں کے ساتھ عموماً ہی محبت ہوتی ہے۔ البتہ لڑکوں میں اس کی مثال کمتر ہی ملتی ہے۔ ایسے ماں اور بیٹے دونوں ہی خوش نصیب کیے جائیں گے۔ میاں نجم اور چھوٹی بہن کو میری طرف بلکہ سب گھر بھر کی طرف سے تعزیت پہنچا دینا۔

امین الحسن مرحوم سے مخلص دوست ملتے کہاں ہیں اور پھر ان کی وجہ سے یہ مرحومہ بھی

ہر طرح سے خاطر داریوں میں شریک رہتی تھیں ایک دو دن نہیں ہفتوں ان کا مہمان رہ چکا ہوں بالکل گھر والوں کی طرح اور احسانات کی تفصیل کہاں تک گنواؤں۔ اللہ میاں بیوی دونوں کو غریق رحمت فرمائے ــــــ دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے بڑے ہی مخلص دوست امین الحسن موہانی مرحوم جو عرصہ ہوا مرحوم ہو چکے تھے کے بھانجے اور داماد تھے۔ انھوں نے اپنے خط میں اپنی ممانی اور خوشدامن یعنی بیگم امین الحسن کے انتقال کی اطلاع دی تھی یہ تعزیتی مکتوب اسی کے جواب میں ہے۔

(۲) مراد خوشحالی اور فارغ البالی کا دور ہے جو مرحومہ کے شوہر کے زمانہ میں تھا۔

(۳) شوہر کے انتقال کے بعد زندگی عسرت سے بسر ہوئی۔

(۴) امین الحسن صاحب کے صاحبزادے۔

(۵) مولانا مرحوم کے امین الحسن سے جو تعلقات تھے اس کا اندازہ اس آخری پیراگراف سے ہوتا ہے جب مولانا مرحوم حیدرآباد جامعہ عثمانیہ دارالترجمہ میں تھے تو شروع میں ان ہی کے ہاں قیام رہا۔

شاہ معین الدین احمد ندوی ایڈیٹر معارف اعظم گڑھ کے نام تعزیتی مکتوب ان کے والد کے انتقال پر

دریاباد۔

۱۸ر جون ۱۹۶۱ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

پرسوں لکھنؤ میں تھا سانحہ ارتحال کی خبر وہیں معلوم ہوئی کل دوپہر کو دریاباد آیا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون ــــــ

مرحوم بے چارے نیم معصوم سے تھے اللہ ہر طرح غریق رحمت فرمائے۔ باپ کیسے ہی ہوں اور سن کچھ بھی آجائے بہر حال باپ ہوتے ہیں ایسی نعمت جس کا کوئی بدل اس دنیا میں ممکن نہیں ۔۔۔ والسّلام

عبد الماجد

تعزیت نامہ بنام فرزند خاں بہادر ظفر حسن خاں صاحب ماہ نگر لکھنؤ

دریاباد۔
۱۸ر جولائی ۱۹۶۱ء بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

مرحوم سے میرے تعلقات دوستی بلا کسی فصل و انقطاع کے پچاس سال سے اوپر کے تھے یعنی ۱۹۱۱ء سے ممکن ہے کہ ۱۹۰۹ء سے قائم ہوئے جب کہ وہ ایف اے کے پہلے سال میں تھے۔ اور میں دوسرے سال میں اور آج تک اسی حال میں رہے ۔۔۔ دوستی کی تاریخ میں ایسی مثالیں کمتر ہی نظر آئیں گی۔

اب کیا بتاؤں کہ مرحوم کو میں نے اپنے اتنے طویل سابقے میں کتنی خوبیوں اور معقولیت کا جامع پایا۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور بیوی بچوں سب کو صبر جمیل عطا فرمائے مرحوم سے میرے تعلقات مخلصانہ ہی نہیں عزیزانہ بلکہ برادرانہ تھے۔ اس لیے آپ سب لوگ میرے عزیز ہیں۔

میرے لائق جو خدمت ہو اسے مجھ سے لینے میں ذرا بھی تکلف نہ فرمائیں اور اپنی والدہ ماجدہ کو ضرور یہ میرا احتیاط سنا دیں اور ان تک دلی تعزیت پہنچا دیں انشاء اللہ کبھی روز بعد لکھنؤ آ کر آپ لوگوں میں سے کسی کو ساتھ لے کر مرحوم کی قبر پر فاتحہ پڑھنے چلوں گا۔ والدعا

شریک غم۔ عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد مولانا مرحوم کے مخلص ترین اور بہت قدیم دوستوں میں تھے اس کا اندازہ اس تعزیت نامہ سے ہوتا ہے۔ پچاس سال کی لمبی مدت تک مخلصانہ بلکہ برادرانہ تعلقات قائم رہے۔ مرحوم ظفر حسین خاں کے اس وصف کے بھی مولانا بہت قائل تھے کہ وہ شیعہ سنی اتحاد کے علمبردار تھے اور ان میں بڑی حمیت دینی تھی۔

سید حمید حسین علی رضوی

(بذریعہ مولوی محمد وحید الدین دفتر رہنمائے دکن آصف نگر حیدرآباد دکن)

دریاباد۔

۲۸ر جولائی ۱۹۶۱ء بسم اللہ

جوان لڑکی کا صدمہ دنیا کے عظیم ترین صدمات میں سے ہے اور اسی لیے اس کے صبر کا اجر بھی انسانی اندازہ و حوصلہ سے بڑھ کر ملنا یقینی ہے (اور درحقیقت اسی انعام و اکرام بے بہا ہی کی غرض سے تو یہ امتحان لیے جاتے ہیں۔

جذبات پر جو کچھ گزرے لیکن عقلاً خوش ہوئیے کہ آپ کو امانت کی ذمہ داریوں سے چھٹی مل گئی اور لڑکی ایسے رحیم و شفیق مالک کے پاس پہنچ گئی جو اس کو خوش رکھنے پر آپ سے کہیں زیادہ قادر ہے۔

رہا انتظار و صدمہ فراق تو وہ کے دن کا ــــــ ہم آپ سب کس تیزی کے ساتھ اسی وطن حقیقی کی جانب رواں ہیں۔

والسّلام۔ دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے اپنی جوان لڑکی کے انتقال کی اطلاع دی تھی اس کے جواب میں مذکورہ بالا تعزیت نامہ گیا۔

شفاء الملک حکیم شمس الدین لکھنؤ کے بھائی خواجہ قمرالدین کے انتقال پر تعزیتی مکتوب

دریاباد۔
۱۴ اگست ۱۹۶۱ء بسم اللہ

مخدوم ومکرم! السلام علیکم

ذاتی طور پر تجربہ رکھتا ہوں کہ بھائی کا وجود قوت بازو کے حکم میں ہے آپ کے صدمہ میں آپ سے دلی اور سو فیصدی ہم دردی رکھتا ہوں۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور آپ سب حضرات کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

کل شام کو قومی آواز میں خبر پڑھی اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون ط تعزیت و دعائے مغفرت میں گھر کے سب ہی لوگ شریک ہیں۔

والسلام دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کے بڑے مخلصانہ تعلقات تھے۔ حکیم صاحب مرحوم کے ہاں معالج بھی تھے اور بڑا کرم فرماتے تھے۔ مکتوب الیہ کو بڑا گہرا ادبی ذوق تھا۔ اور ضلع جگت کے ماہر۔ یہ چیز بھی مولانا مرحوم کو بہت پسند تھی۔

سید آفتاب احمد صاحب[1] بخاری جنرل مرچنٹ ضلع سرگودھا کے نام

دریاباد
۱۱ر اگست ۱۹۶۱ء   بسم اللہ

مہربان بندہ! وعلیکم السلام

آپ کے والد مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت کردی۔ دعا تو ہر مسلمان کے لیے رہتی ہے چہ جائیکہ اپنے مخلص مُصدِقؔ نواز کے لیے اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور آپ لوگوں کو توفیق صبر۔ ان کے حقوق جو باقی رہ گئے اب ان کی تلافی کی صورت صرف دعا و استغفار ہی ہے جس حد تک اپنے سے ہو سکے۔

والسلام
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے اپنے والد کے انتقال کا حال لکھا تھا اور لکھا تھا کہ ان کو صدق سے بے حد دلچسپی تھی اور بڑے شوق سے خود پڑھتے اور ہر ایک کو سناتے تھے۔ مکتوب بالا اسی کے جواب میں ہے۔

سید علی احمد ہاشمی صاحب[1] کے نام ان کے والد کی خبر وفات پر

دریاباد
۲۵ر دسمبر ۱۹۶۱ء   بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

میاں ہاشم[1] رات کو آئے اور سانحہ کی خبر سنائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط۔ حالت نازک سے نازک تر ہوتی ہی جارہی تھی پھر بھی انسان سے آس توڑے سے نہیں ٹوٹتی

جاتی۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ باپ کا وجود ایسی نعمت ہوتا ہے جس کا بدل ممکن ہی نہیں سن کچھ بھی ہوجائے نعمت ہر حال نعمت رہتی ہے ـــــــ وہ اولاد خوش نصیب کہی جائے گی جس نے ان کی آخری خدمتیں کر کے ان سے دعائیں حاصل کیں اب خدمت دوگنی خدمت کا موقع والدہ ماجدہ کے لیے حاصل ہے۔ اللہ ان کی عمر میں برکت اور اولاد کو سعادت خدمت مرحمت فرمائے۔

مناسب سمجھنا تو یہی پرچہ میاں صابر[۳] کو بھیج دینا۔ پردیس کی تنہائی میں احساس قلق زیادہ قوی ہوتا ہے ـــــــ

والسلام
عبدالماجد

(۱) تعلقات کے لحاظ سے مکتوب الیہ ہم سب کے عزیز ہیں ـــ مرتب کے حقیقی بہنوئی شیخ ندیرالزماں صاحب کے خاص بلکہ اخص دوستوں میں ہیں اور مولانا مرحوم سے بہت زیادہ اخلاص رکھتے تھے۔ بہت زیادہ عملی آدمی تھے۔ برسوں مولانا مرحوم کے ٹائپسٹ رہے۔ انگریزی تفسیر کی ٹائپ کی سعادت حاصل کی اور مولانا کے نہ معلوم کتنے عملی کام انجام دیئے۔ صدق کے علمی انتظامات میں بھی بہت حصہ لیتے تھے۔ مولانا ان کے اخلاص اور فہم کے بہت قائل تھے اور ان سے بہت خوش رہتے تھے۔

(۲) خاکسار مرتب ایک ضرورت سے علی گڑھ سے لکھنؤ اور پھر لکھنؤ سے دریاباد گیا تھا۔

(۳) مکتوب الیہ کے چھوٹے بھائی یہ ان کا عرف ہے۔ اصلی نام سخی احمد ہاشمی ہے تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔ مدتوں سندھ یونیورسٹی حیدرآباد سندھ میں شعبہ اردو میں ریڈر رہے۔ اب آج کل سری لنکا میں ہیں۔

جناب غلام محمد صاحب بی اے (عثمانیہ) کراچی[1]

دریاباد۔

۱۸ اکتوبر ۱۹۶۱ء بسم اللہ

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم

الم نامہ[2] پہنچا۔ ماں کو خصوصی صدمہ تو امر طبعی ہے، ہونا ہی چاہیے لیکن عقلاً تو انھیں پوری تسکین انشاء اللہ اس حقیقت کے استحضار سے ہوجائے گی کہ معصوم بچہ کی وفات والدین کے حق میں جنت کی بشارت ہے۔

اور یہ بشارت دینے والا دنیا کا اصدق الصادقینؐ ہے۔

عزیز تو خود ہی ماشاء اللہ صاحب علم و صاحب فہم ہوں گے۔ ہجوم غم طبعی میں اچھے اچھوں کے نور بصیرت پر غبار چھا جاتا ہے۔ لیکن کسی کے یاد دلا دینے سے معاً وہ بادل چھٹ بھی جاتا ہے۔

معصوم بچوں کا جانا تو والدین کے حق میں ایک وثیقہ جنت ہے اور پھر ایک اضطراری اتباع سنت بھی۔ اس صدمہ کے تجربے سے تو خود سید المرسلین کو بھی گزرنا پڑا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ علامہ سید سلیمان ندوی کے مسترشد خصوصی تھے اور مولانا مرحوم کے بھی مخلص خصوصی۔ انھوں نے آخر دم تک مولانا مرحوم سے سلسلہ مراسلت قائم رکھا۔ مکتوب الیہ کے فہم اور اخلاص کے مولانا مرحوم بہت زیادہ معترف تھے اور ان کے خطوط کے آنے سے بہت خوش ہوتے تھے۔

(۲) غالباً مکتوب الیہ کے کسی بچے کا انتقال ہوا تھا۔

ایڈیٹر صاحب روزنامہ نوائے وقت لاہور

حمید نظامی[1] صاحب ایڈیٹر نوائے وقت کے سانحہ ارتحال پر تعزیت نامہ لکھا گیا دریاباد۔

۲۶ رفروری ۱۹۶۲ء بسم اللہ

تعزیت نامہ لکھنے بیٹھا ہوں مگر تعزیت کردں تو کس سے کردں؟ صرف صرف مرحوم کے اعزہ سے؟ صرف دفتر نوائے وقت لاہور سے۔

تعزیت کا مستحق سارے پاکستان کا پریس ہے۔ سارا پاکستان ہے۔ پاکستان کا ہر طبقہ ہے بلکہ یہ کہنا بھی داخل مبالغہ نہیں کہ سارا عالم اسلامی ہے۔

ایسا اخلاص اب عنقا ہے ایسا پیکر شرافت و مجسمہ انسانیت اب ڈھونڈھنے سے کہاں ملے گا؟

صبح کام کرنے میز پر بیٹھا ہی تھا کہ قیامت خیز تار کل دوبجے دوپہر کا چلا ہوا ملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ رات ایک خواب پریشان ذکلیف دہ دیکھا تھا تعبیر کتنی جلد مل گئی مرحوم میرے تو خصوصی مخلص و محسن تھے۔ اللہ بال بال مغفرت کرے، کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ عین رمضان اور وہ بھی اس کے عشرہ دوم کے ختم پر تعالٰے رب دلیل خوش نصیبی ہے۔ مرحوم کے اعزہ یقین رکھیں آسمان تنہا انھیں پر نہیں پھٹ پڑا ہے ان کے غم دکھ درد کو اپنا دکھ درد دیکھنے والے اور ان ہی کی طرح سوگ منانے والے ابھی بہت سے ہیں اور انھیں میں یہ دور افتادہ بھی ہے۔

ان کی سطور کی تحریر کے وقت تدفین بھی ہو چکی ہوگی۔ کیسا دل پھڑپھڑا کر رہا کہ کاش اڑ کر پہنچ سکتا ــــ اور اس جوان مرد کفن پوشش کا آخری نظارہ اس عالم ناسوت میں کر سکتا۔ جا جنت کا مسافر اور اپنی خدمات کا صلہ جلد سے جلد پا!

والسّلام۔ سوگوار دعاگو

عبدالماجد

(۱) مرحوم کو مولانا مرحوم سے بے انتہا اخلاص تھا اور مولانا بھی ان کی خوبیوں اور ان کے جذبۂ اسلامی کے معترف تھے ان کے انتقال سے مولانا پر ہفتوں بڑا اثر رہا۔

سیدناظم علیؒ دریابادی ایم اے اسٹاف کالونی ملتان روڈ کراچی

دریاباد۔

یکم مارچ ۱۹۶۲ء بسم اللہ

عزیزی سلمۂ! وعلیکم السلام

سانحہ[۲] کی خبر ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون ط۔ ماں باپ کے بعد پھر بھائی ہی کا صدمہ ہوتا ہے۔ مفارقت کا غم جو کچھ ہوا ہو قدرتی ہے مگر اللہ کا شکر بجا لانا چاہیئے کہ مہینہ رمضان المبارک کا مل گیا مومن کے کام آنے والی یہی چیزیں ہیں۔ اللہم اغفرلہٗ وارحمہ۔ مغفرت کا سامان گویا ہو گیا ـــــــ

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے مخلص ہم وطن طالب علمی ہی کے زمانہ سے مولانا مرحوم سے بڑی عقیدت تھی۔ مراسلت کا سلسلہ مولانا مرحوم کے آخری دم تک رہا۔

(۲) ان کے چھوٹے بھائی کے انتقال پر۔

سید سخی احمد ہاشمی صاحب صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی حیدرآباد سندھ پاکستان

دریاباد
۱۱ ؍اپریل ۱۹۶۲ء　　　　　بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ !　　　　السلام علیکم

بچے کے گزرنے کی خبر لکھنؤ میں سنی تھی اور تعزیت میاں علی احمد(۲) اور ان کی والدہ سے کردی تھی۔ اس منزل سے تو کہنا چاہئے کہ گزرنا سب ہی کو ہوتا ہے اور صدمہ کا طبعی ہونا تو بالکل ظاہر ہے لیکن عقلاً یہ مہر بہ صورت قہر ہے۔ شفاعت کا ایک مستقل ذریعہ ہاتھ آجاتا ہے۔ آزمائش باپ سے بڑھ کر ماں کے حق میں ہے۔

والسلام۔ دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ پاکستان منتقل ہونے سے پہلے مولانا مرحوم کی لکھنؤ کی قیام گاہ خاتون منزل میں اپنے والدین کے ساتھ رہتے تھے اور ہر سبب سے تعلقات بالکل عزیزانہ تھے۔

(۲) مکتوب الیہ کے بڑے بھائی اور مولانا کے ٹائپسٹ اور مخلص خصوصی۔ ان کا مفصل تعارف پہلے ہو چکا ہے۔

بنام مولوی عبدالسلام فاروقی و عبدالمومن فاروقی صاحبزادگان مولانا عبدالشکور صاحب پاٹانالہ لکھنؤ

مولانا کے انتقال پر تعزیتی مکتوب ——

دریاباد۔

۲۰؍اپریل ۱۹۶۲ء　　بسم اللہ

برادرم!　السّلام علیکم

مولانا کے انتقال کی خبر کل شام اخبار سے معلوم ہوئی۔

اللہ اس خادم دین وشریعت کو اپنی اعلیٰ سے اعلیٰ رحمتوں سے نوازے اور آپ لوگوں کو توفیق صبر دے۔ سن کچھ بھی ہو جائے اولاد کے حق میں باپ کا سایہ ایک بہت بڑی نعمت ہوتا ہے۔ لیکن صدمہ آپ لوگوں کو ہی نہیں ساری اُمت کو پہنچا ہے اللہ ہم سب ہی کو توفیق صبر دے۔

والسّلام۔　دعاگو ودعاخواہ

عبدالماجد

(۱) حضرت مولانا عبدالشکور صاحب بڑے ممتاز اور نامور سنی عالم تھے اور ردِّ شیعیت میں درجۂ تخصیص رکھتے تھے مولانا مرحوم ان کے علم وفضل، تفقہ اور تقویٰ کے بہت قائل تھے۔

بنام چودھری اکبر حسین صاحب ریٹائرڈ جوڈیشیل سکریٹری کراچی

دریاباد۔

۱۳؍جون ۱۹۶۲ء　　بسم اللہ

برادرم!　السّلام علیکم

خانۂ ویرانی[۲] کی اطلاع کل شام کو ملی۔ اِنّا للہ۔

آپ ماشاءاللہ قرآن مجید سے اپنا تعلق جوڑے ہوئے ہیں[۳]۔ انشاءاللہ اس کڑی آزمائش کے وقت آپ کے ہر کام آئے گا اور آپ کا صبر وسکون برقرار رہے گا ورنہ طبعی حیثیت سے جو کچھ آپ پر گزر جائے تھوڑا ہے۔

جو چیز چلی گئی وہ اپنی تھی ہی کب؟ وہ تو جس کی تھی بس اسی کے پاس چلی گئی۔ ہم خود اپنے کب ہیں؟ انا للّٰہ۔

نہ ہم خود اپنے نہ ہماری کوئی چیز اپنی خود ہمارا اور ہماری سب چیزوں کا مالک تو کوئی اور ہی ہے۔ نہ بیوی اپنی، نہ بچے اپنے، نہ جان اپنی، ہم سب آگے پیچھے بس ایک ہی مالک و مولیٰ کی طرف رواں دواں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

سالہاسال کی رفاقت، ہمہ وقتی، ہمہ جہتی رفاقت کا ایک دم سے ٹوٹنا یقیناً قلب بشری کے صدمہ و شدید اذیت کا باعث ہوتا ہے لیکن ذرا اس حقیقت کا استحضار کر لیا جائے کہ منزل مقصود جب سب کی ایک راستہ بالکل وہی تو اس سے کیا بڑا فرق پڑتا ہے کہ فلاں صبح کی ٹرین سے روانہ ہوا اور فلاں دوپہر کو۔

مالک و مولیٰ کو اجر بے حساب دینا منظور ہوتا ہے اور اس کا محض بہانہ اسی طبعی غم و صدمہ کو بنا لیتے ہیں ورنہ اجر عظیم و دائمی کے انبار اور اس عارضی و فانی دنیا کے آنی و فانی غم کا مقابلہ ہی کیا؟

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد

امتی کو تو عقلاً یہ خوشی ہونے کا موقع ہے کہ اس نے سنت خدیجہ و مصطفیٰ کے اتباع کا مرتبہ اضطراراً نصیب ہو گیا۔ اللہ ہر طرح صبر جمیل نصیب کرے آپ کو بھی اور بچوں اور بچیوں کو بھی۔ علی الخصوص اس بچی کو جسے بیوہ ہوئے کے دن ہوئے ہیں؟ ایسی ایسی کڑی آزمائش میں ڈال کر اب کوئی کیا بتائے کہ اس کے لیے کیا سامان لطف و سرور دائمی تیار ہو رہے ہیں؟ یہ دولت عالی حوصلہ و عالی ظرف صابروں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ ولا یلقٰھا الا الصابرون وما یلقٰھا الا ذو حظ عظیم۔

تعزیت میں شریک گھر بھر ہے۔

والسلام۔ دعاگو
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے عزیز ہوتے تھے۔ مولانا کے ہم زلف ناظر یار جنگ کے بہنوئی تھے۔ آئی اے ایس (جوڈیشیل) تھے اونچے عہدوں پر ہندوستان میں رہے اس کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے۔ بڑے گہرے مذہبی شخص تھے۔ نماز باجماعت کا التزام رکھتے تھے اور قرآن مجید سے خاص شغف تھا۔ تعلیمات قرآن پر ایک کتاب لکھی تھی۔ پاکستان سے تقریباً ہر سال اپنی بڑی لڑکی جس کا لکھنؤ ہی میں قیام رہتا تھا ملنے لکھنؤ آتے رہتے تھے۔ ان کی بیوی نہ صرف مولانا کی بیگم کی عزیز قریب تھیں بلکہ سہیلی اور ہم جولی۔ یہ شادی مولانا اور ان کی بیگم نے کرائی تھی۔

(۲) یعنی شریک حیات کا سانحۂ ارتحال مرحومہ مولوی نظام الدین حسن صاحب جج حیدر آباد کی صاحبزادی تھیں اور اس زمانے میں بی اے کیا جب مسلمان لڑکی خال خال ہی یہ ڈگری حاصل کرتی تھی۔

(۳) مکتوب الیہ کو مطالعہ قرآن مجید سے گہرا شغف تھا۔

(۴) مکتوب الیہ کی بڑی صاحبزادی جن کی بیوگی کا صدمہ اچانک اکتوبر ۱۹۵۹ء میں اٹھانا پڑا اس کا ذکر ایک پچھلے مکتوب میں آچکا ہے۔

صدیق الزماں صاحب معرفت فہیم الزماں صاحب کراچی

دریاباد —

۱۵ر جون سنہ ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

عثمان مرحوم کے عین جمعہ کے دن دمحرم کے پہلے مبارک عشرہ میں آپ لوگوں کے پاس پڑوس سے نکل کر آغوش رحمت میں جا پہنچنے کی خبر سن کر پہلے تو بہت دق رہ گیا — جوان لڑکے کی موت اور وہ بھی اس سن میں!

صدمہ کوئی معمولی سا معمولی ہوا! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط

لیکن پھر خیال آگیا کہ آزمائش تو ہمیشہ ظرف کے مطابق ہی کی جاتی ہے یقیناً مربی حقیقی کے علم میں آپ کوئی بڑے ہی عالی ظرف ہیں جبھی تو آزمائش اتنی کڑی ہوئی اور صدمہ اتنا سخت ڈالا گیا! اور یقیناً اس کا اجر کوئی ایسا ملنے والا ہے جس کا آپ کو ابھی کوئی اندازہ بھی نہیں ہوسکتا! کوئی رتبہ آپ کو ایسا ہی اونچا ملنے والا ہے جس کا بہانہ اس حادثہ کو بنا دیا گیا۔

زندگی کے دن ہی کتنے لیکن حد سے زیادہ زیادہ ہوئے جب بھی کتنے۔ بس اس کے بعد ہی ان شاء اللہ آپ ہوں گے اور آپ کا وہ نور نظر جسے کوئی کسی حال میں آپ سے جدا نہ کرسکے گا۔ اور نہ وہاں کوئی فکر دنیا آپ کو پریشان کرسکے گی بس عیش ہی عیش —— اس دائمی سرور و راحت کے مقابلہ میں اس عارضی، فانی چند روزہ غم و کلفت کی بساط ہی کیا ہے —— بس ان سچے وعدوں پر بھروسا کئے ہوئے آنکھ بند کرکے باقی ایام زندگی کاٹ دیجئے۔

انسان خلیفۃ اللہ ہے اس کو یہ ظرف عنایت ہوا ہے کہ اپنے ہاتھوں اپنے جوان جہاں کماؤ لخت جگر کو اپنے ہاتھوں سے کفنائے، دفنائے اور اس کے سپرد کردے جو اپنی شفقت و رحمت میں دنیا کے ہر ماں باپ سے کہیں بڑھ کر ہے! اس ہمت و حوصلہ پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔

مرحوم کے بیوی بچوں پر جو وقت آکر پڑا ہے ظاہر ہی ہے لیکن جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہی اس کے کاٹ دینے کی بھی پوری قوت دینے والا ہے۔ ان شاء اللہ

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ جو عرصہ ہوا مرحوم ہو چکے ہیں۔ مولانا مرحوم کے عزیز ہوتے تھے۔ تقسیم سے پہلے حیدرآباد میں بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے اور پھر پاکستان منتقل ہو گئے۔ مولانا مرحوم سے بڑے مخلصانہ تعلق رکھتے تھے اور صدق اور سچ کے خریداروں اور قدردانوں میں تھے یہ تعزیتی مکتوب ان کے

جوان شادی شدہ صاحبزادے کے انتقال پر لکھا گیا۔

(۲) مکتوب الیہ کے جوان صاحبزادے۔

بجواب شاہ ابُو القاسم صاحب موضع لوہرا تکیہ شاہ مبارک پُور اعظم گڑھ

دریاباد ـــ

۱۰؍جولائی ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

اللہ کی مرضی آخر پوری ہوکر رہی ـــــــ اور اس کی مرضی سب سے اعلیٰ، سب سے اَولیٰ۔ سب پر فائق اور سب پر مقدم ع

اللہ کی مرضی سب کچھ ہے بندہ کی تمنا کچھ بھی نہیں

لیکن بندوں کی دعائیں بھی ضائع نہیں گئیں۔ سب کی سب جمع ہیں اس خزانے میں جس کو ذرا زوال نہیں ہے۔ اور جو بڑی سے بڑی نعمتوں، راحتوں، لذتوں میں منتقل ہو کر ان شاء اللہ عنقریب ہی ہر مصیبت زدہ بندہ اور بندہ ہی کے حصّے میں آنے والی ہیں ـــ مرحوم کے غم نصیب باپ، الم نصیب بیوہ، قابلِ رحم بچی اور آپ خود قریبی عزیزوں میں سے کوئی بھی محروم رہنے والا نہیں ـــ

جو وقت اس وقت آپڑا ہے بے شک ہر اعتبار و ہر پہلو سے بہت سخت ہے لیکن یقین فرمائیں اجر بھی اسی درجے میں ہے اور بے اندازہ و بے حساب ہے۔ مصیبت زدہ کے آنسو کا ہر قطرہ اور بے کسی سے نکلی ہوئی ہر آہ اللہ کے ہاں نہایت گراں قیمت رکھتی ہے۔ اللہ کے وعدوں پر جس درجہ اطمینان وایمان ہوگا اسی نسبت سے صبر آسان رہے گا۔

والسّلام، دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ دارالعلوم ندوہ میں مدرس تھے اور مولانا مرحوم سے ان کے خاصے تعلقات تھے برابر سلسلۂ مراسلت رکھتے تھے۔

(۲) مکتوب الیہ کے داماد عرصہ سے بیمار تھے۔

شاہ ابوالقاسم مدرس دارالعلوم ندوۃ العلماء کی بیوہ بیٹی کے نام تعزیت نامہ

دریاباد۔

۳۰ اگست ۱۹۶۲ء بسم اللہ

غم زدہ بیٹی! دعائیں

اللہ نے جو وقت تم پر ڈالا ہے تم سے بیشتر خدا معلوم کتنی بے شمار بندیوں نیک صالح اور پارسا بیبیوں بوڑھی اور جوان اور نوجوان ہر عمر والیوں پر پڑ چکا ہے۔ فریادیں، دعائیں آنسوؤں کی جھڑیاں کوئی چیز بھی انھیں وقت آجانے پر نہیں روک سکی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کتنی بڑی رحمت اس پردے کے اندر پوشیدہ رہتی ہے۔ یہ سب اللہ میاں گویا اپنے اوپر قرضہ بندے چڑھاتے رہتے تھے ایک ایک چیز واپس مرحمت فرمائیں گے لیکن سو گنے زائد کے ساتھ۔ اس وقت بندہ کی آنکھیں کھلیں گی اور بے اندازہ رحمت دیکھ کر جی چاہے گا کہ دنیا میں مصیبت زیادہ کیوں نہ پڑی ——— وقتی تسکین کے لیے بہترین صورت یہ ہے کہ تلاوت قرآن مجید اور دعاؤں کی کوئی کتاب (مثلاً مناجات مقبول) کے لیے وقت زیادہ سے زیادہ نکالا جائے اور خالی وقت میں بلا وضو بھی کلمۂ شریف برابر زبان پر جاری رہے اور مرحوم کو ثواب پہنچایا جاتا رہے ———

ان شاء اللہ اس سے سکون قلب حاصل ہو جائے گا۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

بجواب رشید احمد صاحب مینائی (امیر مینائی کے پوتے) کراچی[1]

دریاباد۔

۲۷ / اگست ۱۹۶۲ء بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

اولاد کی اور خصوصاً کم سن اولاد کی موت تو والدین کے حق میں باعث رحمت اور ذریعہ مغفرت ہے۔ آپ دونوں اس پر پورے اجر کے متوقع رہیں۔ حشر میں بڑی کام آنے والی چیز ہے اس کا پورا یقین رکھیں۔

یوں بھی وہ مرحوم آپ سے چھٹ کر جہاں پہونچ گیا ہے وہاں کا سا آرام و عیش اس کے لیے بھلا آپ لوگ کہاں سے لا سکتے ہیں۔

اور یہ مفارقت بھی محض چند روزہ ہے۔ وہاں پہونچنے میں بڑی سے بڑی مدت بھی چشم زدن کے برابر محسوس ہوگی۔ دنیا کی بڑی سے بڑی زندگی کی بھی مدت ہی کیا۔

والسلام، دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے کسی بچے کا انتقال ہوا تھا۔

بیگم صاحبہ ڈاکٹر محی الدین زورؔ[1]، صدر شعبۂ اردو کشمیر یونیورسٹی سری نگر

دریاباد ــــ

۱۴ / اکتوبر ۱۹۶۲ء بسم اللہ

مکرمہ! السلام علیکم

شوہر کی دائمی جدائی یوں ہی ہر شریف بیوی کے لیے ایک سخت المیہ کا حکم رکھتی ہے

چہ جائیکہ وہ جدائی جو بغیر کسی طویل علالت کے دفعتہً ہو اس کی جاں گدازی کا کہنا ہی کیا۔
لیکن ساتھ ہی اللہ کا قانون رحمت یہ بھی ہے کہ جتنا سخت امتحان بندہ کا ہوتا ہے اسی نسبت سے راحتیں بھی اس کے حق میں بے شمار ہیں۔
مرحوم کا سا شریف انسان کم ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ خود کئی دن سے علیل ہوں۔ تعزیت نامہ روز آج کل پر ٹلتا رہا۔ صدق میں نوٹ[۲] دے دیا ہے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) یہ تعزیت نامہ ان کے شوہر ڈاکٹر زور کے انتقال پر ہے۔
(۲) مراد تعزیتی نوٹ۔

اہل خانہ سید مزمل حسین[۱] رجمنٹ روڈ، گلی گردوارہ، بھوپال

دریاباد۔

۱۷ر اکتوبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

تمہارے اوپر آسمان ٹوٹ پڑنے کی خبر کئی دن ہوئے دریاباد میں مل گئی تھی، ہر عورت کی زندگی میں یہ وقت نازک ترین ہوتا ہے۔ میں اس وقت اچھا خاصا بیمار تھا کوئی صورت ہی تعزیت نامہ لکھنے کی ممکن نہ ہوئی۔ جس اللہ نے یہ وقت ڈالا ہے وہی کاٹ دے گا، انشاء اللہ۔
تمہاری زندگی کا ہر دور آنکھوں کے سامنے ہے۔ بس اللہ سے دعا کرتے کرتے ساری زندگی گزار دو۔ دائمی زندگی کے کرم میں سے کون آیا ہے۔ باری سب ہی لگی ہوئی ہے۔ کسی کی آج کسی کی کل۔ اللہ تم کو تسکین قلب عطا کرے فقط۔

دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا مولانا مرحوم کی رشتہ میں بھانجی ہوتی تھیں۔ یہ تعزیت نامہ ان کے شوہر کے انتقال پر بھیجا گیا۔

بنام پروفیسر مختار الدین احمد آرزو[۱]، صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

دریاباد۔
۲۳ نومبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

اِنّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ۔

بے شک مرحوم دین کے بڑے خادم تھے اور آپ کے تو خیر والد ماجد ہی تھے۔ باپ کا سہارا بڑا سہارا ہوتا ہے سن جو کچھ بھی ہو جائے۔ صبر جمیل سے کام لیجئے اور دوسرے متعلقین کو بھی تسکین دیجئے۔

اللہ اللہ کہتے ہوئے جان دینا خود ایک قابل رشک علامت ہے۔

صدق کا یہ نمبر تو مرتب ہو گیا اس کے بعد والے نمبر میں بجائے مراسلہ کے خود ایک مختصر نوٹ دے دوں گا۔

والسّلام
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے اپنے والد کے انتقال کی خبر اور ان کے آخری حالات سے مطلع کیا تھا جواب میں مندرجہ بالا تعزیت نامہ گیا۔

منشی قربان علی صاحب[1] صدر قانون گو پوسٹ مادھو گنج ضلع پرتاب گڑھ

دریاباد۔
۱۵ر دسمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

مشفقی! وعلیکم السّلام

اولاد خواہ چھوٹے ہی سن کی ہو اس کا صدمہ والدین کے لیے جانکاہ ہوتا ہے چہ جائیکہ جواں ہونہار اولاد! اور پھر وہ بھی بغیر کسی طویل بیماری محض ریل کے حادثے سے۔

جتنا شدید صدمہ آپ دونوں کو ہوا بالکل ظاہر ہے اللہ ہی آپ لوگوں کو صبر عطا کرے اور اجر عظیم سے مالامال کرے۔

یہ سب حادثے اللہ کی طرف سے بطور آزمائش کے ہوتے ہیں اور جس کے نصیب میں جتنا زیادہ اجر آنا ہوتا ہے اسی مناسبت سے اس کی آزمائش بھی شدید ہوتی ہے۔

دعائے مغفرت مرحوم کے لیے اسی وقت کر دی اور آپ دونوں کے حق میں دعائے صبر و اجر دل سے گھر میں جس نے سنا اور باہر ملنے والوں میں سے جس سے ذکر کیا سب دنگ رہ گئے اور سب کی پوری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہوئیں۔ آخرت پر اگر پورا ایمان ہے تو ہر تلخی خوشگوار بن سکتی ہے۔ یہ دنیا فانی ہے۔ ہماری آپ کی سب کی زندگی ہی کل کتنی۔ آگے پیچھے سب ہی دوڑتے ہوئے اسی ایک منزل کی طرف چل رہے ہیں۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ دریاباد میں کئی برس راقم مرتب کی یونیورسٹی طالب علمی کے زمانہ میں مولانا کے جدی پرانے مکان میں مقیم رہے اور ان کے سا۔ ے گھر سے گ ے تعلقات ہو گئے۔

(۲) مراد ماں باپ دونوں سے ہے۔

سید اجتبیٰ علی علوی صاحب[1] سندیلوی سب رجسٹرار گونڈہ

دریاباد ـــــ
۵؍ فروری ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیزم! السّلام علیکم

کل شام کو اخبار سے آپ کے والد مرحوم[2] کی وفات کی خبر معلوم ہوئی اِنّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ کیا معلوم تھا کہ وقت اتنا قریب آگیا ہے ابھی اسی دن ان کی خیریت دریافت کی تھی صرف چوٹ کا حال معلوم ہوا تھا۔

بہرحال رمضان میں وفات تو مسلمانوں کے لیے خوش نصیبی کی بات ہے۔ باقی قدرتی تعلق کے لحاظ سے آپ کو اور دوسرے قریبی عزیزوں کو صدمہ ہونا لازمی ہے خود ہم سب لوگوں کا دل متاثر رہا۔

اپنی بیوہ بھاوج اور یتیم بھتیجے کی انھوں نے جیسی بے نظیر خدمت کی اس کے لحاظ سے تو میں انھیں ولی صفت سمجھتا ہوں۔

اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور آپ سب لوگوں کو صبر دے۔

والسّلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے پہلے سے متعدد قرابتیں تھیں تازہ ترین قرابت یہ ہوئی کہ مولانا مرحوم کی ایک نواسی بنت حبیب احمد صاحب کی شادی مکتوب الیہ کے دوسرے صاحب زادے سے فروری ۱۹۶۲ء میں ہوئی۔

(۲) مکتوب الیہ کے والد مولوی مرتضیٰ علی صاحب بڑے ہی متقی اور پرہیزگار شخص تھے۔

مولانا شاہ نظام الدین صاحب[۱] پھلواری شریف پٹنہ

دریاباد۔
۲۳ر فروری ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کے ہاں کے سانحہ[۲] کا علم بالکل اچانک "المجیب"[۳] سے ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون.
آزمائش اتنی سخت اور پھر ماہ مبارک میں۔ اللہ ہی جانے کہ اسے کتنا رتبہ آپ سب کا اور خصوصًا
آپ کا بڑھانا منظور ہے۔ ایسے ابتلا میں صرف خوش نصیبوں ہی کو ڈالا جاتا ہے ولا یلقٰہا الا الصابرون
پھلواری شریف سے ہم لوگوں کے بھی خاندانی تعلقات ہیں۔ آپ لوگوں کے تذکرے[۴] اپنے
بچپن سے سنتا آیا ہوں اس لیے آپ لوگوں سے نسبت عزیزداری کی معلوم ہوتی ہے اور آپ
کے غم کو اپنا غم سمجھتا ہوں۔

صدمہ طبعی یقینًا بہت سخت ہوا ہوگا اس سے تو پیمبروں تک کو مفر نہیں۔ سنت یعقوب
کو قرآن مجید نے ایک مثالیہ بیان کر کے پیش کر دیا ہے آپ کو بشارت ہو کہ آپ بھی اپنے یوسف
گم گشتہ کے عوض وہ بے پایاں نعمتیں حاصل کریں گے جس کا اس فانی دنیا میں تصور بھی نہیں ہو سکتا
اللہ ہم کو آپ کو سب کو اپنے لطف سے مرتبہ صبر و استقامت عطا فرمائے۔

والسلام۔ دعاگو و دعاخواہ
عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ بہار کے ممتاز عالموں میں ہیں۔
(۲) مکتوب الیہ کے صاحبزادے کے انتقال کا۔
(۳) خانقاہ مجیبیہ کا ماہنامہ۔
(۴) مکتوب الیہ کے بزرگوں کے تذکرے۔

اکبر علی خاں صاحب حنا بلڈنگ چوک لکھنؤ کے نام

ان کے والد حاجی اصطفا خاں صاحب کی خبر وفات سن کر تعزیتی مکتوب لکھا گیا۔

لکھنؤ [۱]

۳ر مارچ ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیز مکرم! السّلام علیکم

آپکے والد مرحوم [۲] کی خبر انتقال سن کر دل دھک سے رہ گیا۔ اور دعائے مغفرت بے اختیار زبان پر آگئی۔ ایسی سراپا اخلاص [۳] ہستی اب کہاں دیکھنے میں آئے گی ـــــ

اور آپ کے تو خیر والد ہی تھے۔ اور سن چاہے کچھ بھی ہو جائے والد ماجد کا سایہ ایک بڑی نعمت ہوتا ہے۔ اللہ مرحوم کو اپنی نعمتوں اور نوازشوں سے مالا مال کرے۔

اگلی ہفتہ ان شاء اللہ "صدق" میں ذکر خیر ہو گا۔

والسّلام، دعاگو

عبد الماجد

(۱) اس زمانے میں بوجہ علالت مولانا مرحوم کا قیام لکھنؤ ہی میں تھا۔

(۲) حاجی اصطفا خاں صاحب مالک فرم اصغر علی محمد علی جو تقسیم کے بعد کراچی منتقل ہو گئے تھے۔

(۳) مولانا مرحوم سے مرحوم کو حد درجہ اخلاص تھا۔

ابو القاسم صاحب [۱] کوٹھی ندیا پار ٹیلر روڈ لکھنؤ

لکھنؤ

۳ر مارچ ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیز مکرم! السّلام علیکم

خاں صاحب مرحوم میرے مخلص خصوصی تھے۔ ان کی خبر وفات سے وہی تاثر ہوا جو ایک عزیز قریب کے انتقال سے ہوتا۔ اِنَّا لِلّٰہ۔ زبان پر بے اختیار دعائے مغفرت آگئی اور آپ کے تو ظاہر ہے کہ والد ماجد ہی تھے۔ آپ کو جتنا بھی صدمہ ہوا بالکل قدرتی ہے۔
ان کا اخلاص ان کے الطاف وعنایت زندگی بھر یاد آتے رہیں گے۔ اللہ اپنی بہترین نعمتوں اور نوازشوں سے مالا مال کرے۔

والسّلام۔ دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حاجی اصطفا خاں صاحب کے دوسرے صاحبزادے تھے۔

بنام شیخ ندیم الرحمان صاحب[1] قدوائی شاہ نجف روڈ لکھنؤ

ان کے نوجوان لڑکے نعیم الرحمٰن کی اچانک موت پر تعزیتی مکتوب۔

لکھنؤ۔

۵ راپریل ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیزم سلمۂ! السّلام علیکم

آج کل لکھنؤ میں ہوں زیر علاج۔ گھر سے نکلنے کے قابل اب بھی نہیں۔
سانحہ کی خبر کل بعد دوپہر ملی۔ اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔
ایسا غیر معمولی سانحہ تو عزیزوں کا دل ہلا دینے کے لیے کافی ہے۔ چہ جائیکہ والدین اور دوسرے قریبی اعزہ کا! نوعمر ہونہار اولاد کی تو موت لمبی بیماری کے بعد بھی آسانی سے قابل برداشت نہیں ہوتی نہ کہ ایسی آناً فاناً۔ بس جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہی صبر بھی دے۔
لیکن ایسی سخت آزمائش ہر ایک کی نہیں ہوتی صرف بعض خوش نصیبوں کے نصیب

میں آتی ہے جن کے نصیب میں اجر بے پایاں ہوتا ہے۔ آزمائش ہمیشہ ظرف کے مناسبت سے ہوتی ہے اور عالی ظرفی کا اندازہ انسان کو نہیں صرف انسان کے خالق و مالک ہی کو ہو سکتا ہے سیکڑوں مجاہدوں سے وہ مرتبہ نہیں ملتا جو ایک اس طرح کے اضطراری مجاہدہ سے مل جاتا ہے۔ بہرحال آں عزیز اور آں عزیزہ[۲] دونوں اس وقت مخلوق کی طرف سے ہر ممکن ہمدردی اور خالق کی طرف سے ہر اجر کی مستحق ہیں۔

لڑکیوں کو کل خبر سنتے ہی تعزیت میں بھجوا دیا تھا۔

دعا گو

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کی قرابت ہوتی تھی۔ مزید برآں ان کے والد احسان الرحمٰن صاحب قدوائی مولانا کے ساتھ پڑھے ہوئے تھے۔ مکتوب الیہ بھی کئی برس ہوئے مرحوم ہو گئے۔

(۲) مراد مکتوب الیہ کی بیوی اور لڑکے کی غم زدہ ماں۔

غریب صاحب محمد احمد برادرز ۲۰۲ کٹلری بازار بمبئی

اپنے بھائی عبد الکریم صاحب کی اچانک وفات کا حال لکھا تھا اس کے جواب ذیل کا تعزیت نامہ گیا ـــــــــــ

دریاباد۔

۴ جولائی ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السّلام

آپ کی والدہ ماجدہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عند اللہ بڑی ہی عالی ظرف ہیں جب ہی تو ان کا امتحان اتنا سخت لیا جا رہا ہے! ابھی پہلی ہی اولاد کے صدمہ کو کتنے دن ہوئے تھے کہ دوسرا صدمہ اسی درجہ کا چھوٹی اولاد کے لیے اٹھانا پڑا۔ زخم پر زخم کس قدر سخت ہوتا ہے

وَلَا یُلَقّٰھَا اِلَّا الصَّابِرُوْن۔ اور ان حنظلہ کے ساتھ آپ دونوں بھائیوں اور دوسرے قریبی عزیزوں کا بھی پورا امتحان ہوگیا!

ایک ہی بھائی کا صدمہ کیا کم تھا کہ دوسرے بھائی کا بھی اٹھانا پڑ گیا!

اور بلاوا آنا بھی کیا قابل رشک، معمولی سی بیماری اور تسبیح پڑھتے پڑھتے۔

آپ لوگوں کو یوں ہی حقوق اور حقوق العباد دونوں کی ادائی کا جو اہتمام رہتا ہے وہ بجائے خود قابل رشک چہ جائیکہ حسن خاتمہ کی یہ صورتیں اللہ اللہ!

بہرحال جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہی کاٹ بھی دے گا۔

خاندان اور کاروباری نظام پر جو کچھ اثر پڑا ہوگا ظاہر ہے لیکن اجر بھی تو اسی نسبت سے ان شاء اللہ یقینی ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) عرصہ ہوا بڑے بھائی کا انتقال ہوا تھا اس پر مولانا مرحوم نے مکتوب الیہ کو تعزیت نامہ لکھا تھا

محمد قاسم صاحب فرزند ابوالخیر صاحب سابق سکریٹری

میونسپل بورڈ جرنلسٹ ایسوسی ایشن بنارس

دریاباد۔

۱۷ر اگست ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

کل سہ پہر کو روزنامہ سیاست میں آپ کے والد ماجد ابوالخیر صاحب کی خبر وفات نظر پڑی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مرحوم کا میرا ساتھ کیننگ کالج لکھنؤ غالباً سنہ ۱۹۱۰ء تا سنہ ۱۹۱۱ء میں رہا اور شاید ہوسٹل[۲]
میں بھی اس وقت وہ بڑے پرجوش مسلمان تھے ۔ مسلمان طلبہ کی ہر تحریک میں پیش پیش ۔
ان کے حالات بعد کو سنتا رہا ۔ ایک مرتبہ ریل میں ملاقات ہوگئی اور دو ڈھائی گھنٹے ساتھ
رہے اس کو اب کم سے کم ۱۵ سال ہو چکے ۔ رہے نام اللہ کا ۔
دعائے مغفرت خبر پڑھتے ہی کردی اب پھر کر رہا ہوں ۔
والسّلام ۔ دعاگو

عبدالماجد

(۱) لکھنؤ یونیورسٹی بننے سے پہلے ایم اے تک تعلیم کیننگ کالج میں ہوتی تھی ۔
(۲) مولانا مرحوم کا کچھ عرصہ قیام بیوٹ اب سبھاش ہوسٹل میں رہا تھا ۔

کلب مصطفیٰ صاحب ایڈووکیٹ لکھنؤ

دریاباد ۔
۸ ستمبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم سلمٗہ ! السّلام علیکم

بھائی کی وفات[۱] بھائی کے لیے جس قدر صبر آزما اور قوت بازو توڑ دینے والی اور
بے لوث شفقت (ماں باپ کی شفقتوں کے بعد اور انھیں کے مماثل) سے محروم کردینے والی
ہوتی ہے اس کا ذاتی تجربہ رکھتا ہوں اور اسی بناء پر دونوں صاحبان[۲] کی خدمت میں مخلصانہ
تعزیت پیش کرتا ہوں ۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ ۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے بڑے بھائی کی وفات پر تعزیت نامہ ۔

(۲) مکتوب الیہ اور ان کے بڑے بھائی سید کلب عباس صاحب کے نام

عبداللطیف صاحب انصاری ضلع بردوان

اپنی بارہ سالہ لڑکی کے انتقال کی اطلاع دی تھی اور نیز اس کی بھی کہ انتقال کے وقت لڑکی ماں باپ سے دور اپنی دادی کے پاس تھی ـــــــ

دریاباد۔

۸ر نومبر ۱۹۶۳ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

بچی کا بارہ برس کا سن گویا معصومیت ہی کا ہوتا ہے ابھی وہ دنیا میں پڑنے اور معصیت میں آلودہ ہونے ہی کہاں پائی تھی۔

انشاءاللہ دُھلائی پہونچی ہوگی اور اپنے ماں باپ کو بھی بخشوائے گی ـــــــ معصوم اولاد کو حق شفاعت ملنا حدیث صحیح میں آچکا ہے۔

اپنے بشری جذبات کے لحاظ سے والدین بے شک رنج و غم محسوس کرنے پر مجبور ہیں اور صدمہ ہونا بالکل قدرتی ہے۔ لیکن عقلاً اگر انسان سوچے اور غور کرے تو یہ موقع رنج و غم کا نہیں عین خوشی کا ہوتا ہے۔

مرحومہ اب ایسی جگہ پہنچ گئی۔ جہاں راحت ہی راحت ہر طرح کی ہے اور غم و الم کا کوئی امکان ہی نہیں۔ دنیا میں زندہ رہ کر بھلا یہ کیوں کر ممکن تھا کہ ماں باپ لاکھ جتن کر ڈالتے اپنی جان تک دے دیتے جب بھی دنیا کی پریشانیوں، بیماریوں اور مصیبتوں سے محفوظ کیوں کر رکھ سکتے تھے۔

پھر آخر وقت نہ دیکھ سکنے کی حسرت نے تو ماں باپ کے اجر میں اور زیادہ اضافہ کر دیا صدمہ جتنا زیادہ ہوتا ہے اسی نسبت سے اللہ اجر بھی تو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ اس کے ہاں بُخل کی

کہاں گنجائش ہے۔ مومن کی آزمائش سے اللہ کا مقصود تو ہمیشہ اس کا اجر ہی بڑھانا ہوتا ہے، آخرت، جنت اور اللہ کی بے پایاں رحمت کا خیال اگر ذہن میں قائم رہے تو اس دنیوی زندگی کا کیا ہے۔ بڑی سے بڑی طویل مدت زندگی بھی آناً فاناً کٹ جاتی ہے اور حقیقی راحت وہیں کی راحت ہے جو کبھی بھی ختم ہونے میں نہ آئے گی۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نامی کے صاحبزادے کے نام

تعزیتی مکتوب مولانا کے انتقال کی خبر معلوم ہونے پر۔

دریاباد۔

۲۰ر نومبر ۱۹۶۳ء

بسم اللہ

عزیزم!

السلام علیکم

وہ وقت آہی گیا جس کا دھڑکا برسوں سے لگا ہوا تھا۔ اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلَیہِ راجِعُون۔ خدمت دینی کے لیے اپنے کو مٹائے ہوئے تھے۔ ان کے جنتی ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ صدمہ جب ہم لوگوں کو اتنا ہے تو ظاہر ہے کہ گھر والوں پر کیا گزر رہی ہو گی خصوصاً جب کہ بلا داعین اس وقت آیا جب وہ گھر سے بیٹی کو رخصت کرنے پر تیار بیٹھے۔ لیکن ان کا ماتم آج ان ہی کے گھر میں نہیں ہزار ہا گھروں میں ہو رہا ہو گا جہاں جہاں بھی رحمانی قاعدہ یا مفتاح القرآن پہونچ چکی تھی اور مغفرت کی دعائیں بے شمار زبانوں پر آ رہی ہوں گی۔

لڑکے اور لڑکیاں سب خوش ہوں کہ ایسے خوش نصیب باپ ہوتے کس کے ہیں اور بیوہ کو بھی سوچ سمجھ کر صبر کر لینا چاہیے۔

اللہ بال بال مغفرت کرے۔

اپنے کو ہر طرح صالح بنا کر مرحوم کی روح کو خوشی پہنچاؤ۔

ابھی یاد پڑا کہ مرحوم کی والدہ ماجدہ بھی تو ماشاء اللہ زندہ و سلامت ہیں، سب سے زیادہ ہمدردی کے مستحق تو وہی ہیں۔ اور سب سے زیادہ خوش نصیب بھی وہی کہ ایسا صالح وسعید بیٹا انھوں نے پایا۔ ان کے صبر اور اجر کا کیا ٹھکانا۔

والدعا

عبدالماجد

(۱) مولانا کئی برس سے فالج میں مبتلا تھے۔

(۲) عین اسی دن مولانا ناسی کی بیٹی کی رخصتی ہو رہی تھی۔

(۳) قرآنی یا دینی تعلیم کے لیے مولانا کی مقبول عام کتاب اور اس کے مختلف اجزاء۔

ڈاکٹر اختر حسین صاحب فیض آباد

اپنے والد خان بہادر مہدی حسن[۱] صاحب کے انتقال کی خبر سے مطلع کیا تھا اسی کے جواب میں مندرجہ ذیل تعزیت نامہ گیا

دریاباد۔

۱۷ر فروری ۱۹۶۳ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ خط پڑھتے وقت دعا مغفرت کر دی اور یہ لکھتے وقت بھی کر رہا ہوں ــــــ

سن کچھ بھی ہو جائے والد کا سایہ ہمیشہ اولاد کے حق میں سایہ رحمت و موجب برکت ہی ہوتا ہے اور لڑکا باپ کی زندگی اپنے آپ کو کم سن سمجھتا رہتا ہے۔ اللہ ہر طرح آپ لوگوں کو صبر دے۔

میرے بھی بزرگ تھے اور میرا بزرگ اب باقی ہی کون رہ گیا ہے۔
مغفوریت کی بڑی دلیل ماہ رمضان اور پھر اس کا بھی آخری عشرہ ہے۔
کبر سنی، طویل علالت یہ بھی علامت مغفوریت ہیں۔
والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد فیض آباد کے رہنے والے خان بہادر مہدی حسن صاحب ڈپٹی کلکٹر مولانا مرحوم کے والد مولوی عبدالقادر صاحب کے نہ صرف ساتھیوں بلکہ ان کے دوستوں میں تھے مولانا ان کو اپنا شفیق بزرگ سمجھتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی[۱] ۲۲ الیف میور روڈ الہ آباد

دریاباد۔
۷ار فروری ۱۹۶۲ء
بسم اللہ

برادر محبی! وعلیکم السلام
یعقوب علی مرحوم[۲] کو ماہ مبارک مل گیا اور پھر اس کا آخری عشرہ۔ مسلمان کے لیے یہ بڑی نصیبہ وری ہے۔ میرے کالج فیلو تھے مجھ سے جونیر۔ اللہ بال بال مغفرت کرے۔
والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کی کچھ قرابت ہوتی تھی۔
(۲) یعقوب علی صاحب جج رہ چکے تھے اور مکتوب الیہ کے قریبی عزیز ہوتے تھے۔

بنام شیخ اشرف صاحب[1] انگریزی کتب فروش لاہور

دریاباد۔

۲۶ مئی ۱۹۶۴ء

بسم اللہ

السلام علیکم

چودھری نیاز علی خاں[2] کے خط سے آپ کے خانگی مصائب کا علم ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ بیٹے اور پھر ہونہار لائق سعید نوجوان بیٹے کی موت واقعی ایک سخت آزمائش ہے اور آپ کا غم وصدمہ بالکل بجا۔۔۔۔ لیکن مبارک ہو کہ آپ کو سنت یعقوبی پر چلنا اضطراراً نصیب ہوگیا اور اجر کا کیا کہنا۔

پھر رفیق زندگی کی جدائی! یہ کچھ اس سے بھی بڑھ کر کڑی آزمائش، ساری زندگی ہی کو بے لطف اور ویران کرنے والی۔۔۔۔ لیکن یہاں بھی لطف و رحمت کا ایک بہانہ۔ مائی خدیجہؓ کی وفات پر اپنے اور ہمارے آقا کے غم وصدمہ کی یاد تازہ کر لیجیے۔

امت کے ایک ایک فرد کو کن حیلوں اور بہانوں سے لطف و رحمت سے نوازا جاتا رہتا ہے۔

انشاء اللہ گنجائش نکلنے پر "صدق" میں تعزیت کروں گا۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے صاحبزادے اور اہلیہ کی وفات پر تعزیت نامہ بھیجا گیا۔

(۲) مولانا مرحوم کے پرانے مخلص اور پٹھان کوٹ کے بانی جہاں مودودی صاحب پہلے تشریف لے گئے تھے۔ تقسیم کے بعد مکتوب الیہ جوہر آباد ضلع سرگودھا منتقل ہوگئے۔

شاہ آفاق احمد صاحب سجادہ نشین ردولی

ان کے والد شاہ حیات احمد صاحب کے انتقال پر تعزیتی مکتوب۔

دریاباد۔

۱۰ر جون ۱۹۶۴ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السّلام علیکم

انتقال پر ملال کی خبر ایسے وقت معلوم ہوئی کہ جب ڈاک کا وقت نکل چکا تھا۔

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

باپ کی ذات ایسی ہوتی ہے کہ بیٹا کسی سن میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا اور بے پدری کا غم ہر سن میں کرنا پڑتا ہے۔ دعائے مغفرت اسی وقت کر دی تھی اب پھر پڑھ رہا ہوں۔

اللہ مرحوم کو اپنے آغوشِ رحمت میں لے اور لڑکے لڑکیوں سارے ہی عزیزوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

لطف و محبت، اخلاص و اخلاق کی ایسی مجسم تصویر اب کیوں دیکھنے میں آئے گی۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

بجواب جناب صغیر احمد صاحب، رسڑا، بلیا

دریاباد۔

۱۸ر جون ۱۹۶۳ء بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السّلام

لفافہ دیکھتے ہی دل ٹھنکا۔ اتنی جلد خط آنا خلاف دستور تھا۔ خیال والدہ ماجدہ کی علالت کی طرف گیا کھولا تو سانحہ کی حقیقت کھلی۔

والد کی موت (اور پھر وہ بھی اچانک) اولاد کے حق میں بڑی صبر آزما ہوتی ہے خواہ سن کچھ بھی ہو اور اولاد کی زندگی کا ایک اہم موڑ ـــــ جس حکیم مطلق نے یہ وقت ڈالا ہے وہی صبر کی بھی پوری توفیق دے گا ـــــ

ذمہ داریوں کا بار پڑنے کا وقت تو درحقیقت اب آیا ہے ماں کی خدمت چھوٹے بھائی بہنوں کی نگرانی و تربیت وغیرہا۔ اللہ ہر مشکل کو آسان کرتا ہے۔

زندگی اور وفات دونوں کے حالات قابل رشک نظر آئے۔ اللہ ایسا حسن خاتمہ ہر مسلمان کو نصیب کرے۔ شب جمعہ میں تدفین مبارک تر۔

چھوٹے سے بڑے بن جانے کی منزل تو ہر ایک کو پیش آتی ہے کسی کو بہ تدریج کسی کو دفعتًا اب تو چھٹی کے (۲) دن کم ہی رہ گئے۔ اس درمیان میں سفر الہ آباد کا اہتمام واقعی مشکل ہی ہے۔ خیر اگر باوجود عزم و کوشش نہ ہو سکے تو مجاہدہ کا اجر حاصل ہی ہے۔

اللہ مرحوم کی آخرت کامل طور پر سنوارے اور بیوی بچوں سب کو صبر جمیل سے بہرہ ور کر دے۔

والسّلام
دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ جو مولانا مرحوم کے انتقال سے پہلے ہی مرحوم ہو چکے تھے۔ مولانا مرحوم کے بڑے ہی مخلص اور صاحب فہم ارادت مند تھے۔ مرحوم ان کے اخلاص اور فہم کے بہت زیادہ معترف تھے۔ وہ مسلم یونیورسٹی اسکول میں ٹیچر تھے اور ہم سب سے بڑا ارتباط رکھتے تھے افسوس ہے کہ مرحوم کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی۔

(۲) گرمیوں کی تعطیل۔

(۳) مکتوب الیہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ کے مرید تھے اور حضرت شاہ صاحب کا قیام الہ آباد میں رہتا تھا وہیں گرمیوں کی چھٹی میں حاضری دیتے تھے۔

بنام محامد علی صاحب عباسی فنانس سکریٹری آندھرا گورنمنٹ گوشہ محل حیدرآباد

دریاباد۔

۲۴ جون ۱۹۶۴ء — بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

کل محض اتفاق سے رہنمائے دکن میں اہلیہ آں عزیز کی وفات کی خبر پر نظر پڑ گئی۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون ـــــــــ

رفیقِ حیات کی جدائی اس دنیا کی سخت ترین آزمائشوں میں سے ہے اور مبارک ہے وہ جو اس مرد جو اس امتحان میں پورا اترے ـــ

طبعی صدمہ آں عزیز کو جتنا بھی ہوا ہو کم ہے۔ بہرحال عقلاً یہ موقع مسرت و اطمینان کا ہے کہ امانت اپنے مالک کو واپس پہنچ گئی۔ وطن سے اتنی دور وفات خود ایک سبب مغفرت ہے۔ اور پھر اتنی طویل اور جاں گسل بیماری جس سے مرحومہ گویا بالکل ڈھل گئی تھیں اسلام کا کلمہ پڑھنے والی کو اس سے زیادہ اور کیا چاہیے۔

رہے آپ تو آپ کو کیا خبر کہ گراں باری مصارف اور طویل و صبر آزما علاج کے مرحلوں نے کتنے اضطراری مجاہدے آپ سے طے کرا دیئے اور پھر یہ شرف کتنا گراں بہا آپ کو حاصل ہو گیا کہ جس نے خدیجۃ الکبریٰ کی ماتم داری کی تھی اس کی پیروی آپ کے حصہ میں آگئی۔

مبارک ہیں وہ بندے جن کے کڑے امتحانات ہوں اور وہ ان امتحانات میں پورے اتریں۔

دعاگو

عبد الماجد

بنام جناب منشی احترام علی صاحب[1] کاکوروی خیالی گنج لکھنؤ

(ان کے بھائی منشی انعام علی صاحب کے انتقال پر تعزیتی مکتوب)

دریاباد۔

۱۳؍جولائی ۱۹۶۴ء بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

بھائی کا صدمہ دنیا کے سخت ترین صدمات میں سے ہے مجھے یہ زخم کھائے ہوئے تین چار سال ہو گئے مگر زخم ابھی تک تازہ ہے۔ بہرحال اللہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل کی توفیق۔ میرا پیام تعزیت اپنی بھابی اور سب کو پہنچا دیجئے۔

آگے پیچھے ہم سب ہی چل رہے ہیں بس اللہ ہی سب کی مشکل آسان کرنے والا ہے۔

آپ کے والد ماجد مرحوم[2] کی صورت کا نقشہ اس وقت آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے۔

والسلام۔ دعاگو دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بڑے دین دار تھے اور ملی کاموں میں بڑے پیش پیش رہتے تھے اپنے والد مرحوم کی طرح انھیں بھی دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بڑی دلچسپی تھی اور اپنے والد کے انتقال کے بعد دارالعلوم کے ناظم مال رہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بھی بڑا تعلق تھا اس کے اولڈ بوائے تھے۔ یونیورسٹی کورٹ کے برسوں ممبر رہے۔ ۱۹۶۵ء کے افسوسناک ہنگامے کے بعد انھوں نے لکھنؤ میں قاضی عدیل عباسی وغیرہ کی مدد سے آل انڈیا مسلم یونیورسٹی اولڈ بوائز کنونشن کیا اور اس کی مجلس استقبالیہ کے صدر رہے تھے۔

(۲) منشی احتشام علی مرحوم رئیس جو مدتوں یوپی مسلم لیگ کے صدر رہے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔

حاجی مصباح الدین نقوی صاحب ریٹائرڈ ایگزیکیٹو آفیسر میونسپل بورڈ راجہ نواب علی روڈ لکھنؤ

دریاباد۔
۱۰ اگست ۱۹۶۲ء   بسم اللہ

کرم گستر!   السلام علیکم

حاجی مرحوم کی وفات پر دلی تعزیت قبول فرمائیں۔ اللہ بال بال مغفرت کرے۔
آپ کے تو بھائی ہی تھے اور میں جانتا ہوں کہ بھائی کی موت بھائی کے لیے کیا معنی رکھتی ہے
میرے بھی بڑے قدیم مخلص تھے گو اب سالہا سال سے کوئی مراسلت نہ تھی۔ دل میں ایک ہلکی
سی آس ضرور رہتی تھی کہ کیا عجب کہ کبھی آپ ہی کے ہاں لکھنؤ میں ملاقات ہو جائے۔ آج
وہ آس بھی جنت کی طرف منتقل ہو گئی۔ اناللہ۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

والدہ محمد عشیر مرحوم، قصر جاوید ۱۴۱ آر سرسید روڈ کراچی

دریاباد۔
۱۸ اگست ۱۹۶۲ء   بسم اللہ

غم زدہ بہن صاحبہ!   السلام علیکم

کل ہی خبر ملی کہ آپ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اناللہ۔
اولاد کی موت تو بچپن ہی میں صبر آزما ہوتی ہے نہ کہ اس سن والی۔ کھاتی کماتی صاحب
اقبال اولاد کی ــــ اور پھر جبکہ والدین بھی اس سن کو پہنچ چکے ہوں! یہ آزمائش ہی نہیں بلکہ

بہت بڑی اور سخت کڑی آزمائش ہے ۔

آزمائش ماں باپ کی بیوی کی سب ہی قریبی عزیزوں کی ہے ۔ ماں کا نمبر قدرۃً سب سے بڑھا ہوا ہے لیکن جب اجر اور اجر بے حساب ملنے کا آئے گا تو یہی اجڑی کوکھ والی ماں ہی سب سے آگے ہوگی ۔

کل کی نعمتوں اور راحتوں ، لذتوں کے مقابلہ میں آج کی بڑی سے بڑی مصیبتیں ایسی ہی معلوم ہوں گی جیسے جاگنے کے بعد کوئی پریشان خواب یاد آجائے ۔ جس طرح یہ دنیا بے ثبات و بے حقیقت ہے اسی طرح اس کے سارے دکھ درد بھی آنی فانی اور بے حقیقت ہیں اور جدائی کے دن چٹکی بجانے گزر جاتے ہیں ۔

اس پر پورا یقین اور اطمینان رکھئے اور یہ سمجھے رہئے کہ جس نے امتحان لیا ہے وہ خود آپ کے ظرف سے پوری طرح واقف ہے اور اللہ ہی جانے کہ وہ آپ کے درجے اور مرتبے کتنے بڑھانے والا ہے ۔

ہر عزیز اپنے اپنے درجۂ تعلق کے لحاظ سے ایسا ہی انعام پانے والا ہے جس کی کوئی نظیر دنیا کے فانی انعاموں میں موجود نہیں ۔

اس تسلی نامہ کو سرسری و بے حقیقت نہ سمجھئے اس کو دل میں اتار یئے اور اس کا نتیجہ انشاء اللہ خود ہی جلد دیکھنے میں آجائے گا جس نے وقت ڈالا ہے وہی آسانی سے کاٹ بھی دے گا ۔ غم و تعزیت اور ایصال ثواب میں ہم سب شریک ہیں ۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا جو مولانا مرحوم کی رشتہ میں قریبی بہن ہوتی تھیں کے بڑے صاحبزادے محمد عشیر کے انتقال پر یہ تعزیت نامہ ہے ۔ مرحوم صاحب اولاد تھے اور چوٹی کے انگریزی جرنلسٹوں میں تھے چودھری خلیق الزماں کے سگے بھتیجے تھے اور تقسیم سے پہلے پانیر لکھنؤ میں سب ایڈیٹر تھے ۔

اس کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے اور وہاں "ڈان" کے ایڈیٹر رہے۔ انتقال کے وقت تقریباً اٹھاون سال کا سن تھا۔

(۲) مکتوب الیہا اور ان کے شوہر دونوں کبیر سن تھے۔

مولوی محمد ہاشم صاحب فرنگی محلی لکھنوکے نام

ان کے والد مولوی صبغت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی کے انتقال پر

دریاباد۔

۲۵ دسمبر ۱۹۶۲ء بسم اللہ

عزیزم سلمۂ! السلام علیکم

اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ میری بے تکلف رفاقت قریبی عزیز داری کی حد تک پہنچی ہوئی، ۳۸،۳۷ سال کی آج ختم ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہ

اور یتیموں کے دل میں جو کچھ گزر رہی ہوگی اسے تو انھیں کا دل جانتا ہوگا۔ یتیمی کسی سن میں بھی ہو بہرحال یتیمی ہی ہوتی ہے اور اولاد کا سن کچھ بھی ہو جائے باپ کا سہارا دنیا میں سب سے بڑا سہارا ہوتا ہے۔

جس نے زخم دیا ہے وہی سب کے دلوں پر مرہم بھی رکھے گا۔

کل صبح تو ی آواز دیکھتے ہی میرا دل کھٹک گیا تھا۔ سہ پہر کو میاں آفتاب کے دستی خط نے سنادنی بھی سنا دی۔ وکان امر اللہ قدراً مقدوراً۔

تدفین کی اطلاع (وہ بھی میاں آفتاب ہی کے ذریعہ) ایسے وقت ملی کہ شرکت کا موقع باقی نہ رہا۔ کئی گھنٹے قبل مل گئی ہوتی تو آخری دیدار کی بھی حسرت پوری کرلیتا۔

اس درجہ بے تکلف مخلص اب زندگی بھر کیوں نصیب ہوگا۔

یہ خط اپنے بھائی بہنوں کو پہنچا دینا۔ ان شاء اللہ یکم جنوری کو صبح ۹، ۱۰ بجے تک لکھنؤ

پہنچنے کا قصد ہے، عجب نہیں کہ نماز جمعہ فرنگی محل میں پڑھوں اور وہیں سے تعزیت کے لیے گھر پر حاضر ہو جاؤں ــــــ

والدعا

عبدالماجد

(۱) مرحوم مولانا مرحوم کے بے تکلف مخلص دوست تھے۔ تعلقات کا ذکر تعزیت نامہ میں بھی ہے۔

(۲) حکیم عبدالقوی صاحب کا گھریلو نام۔

شاہ غیاث عالم صاحب[۱] سکریٹری سنی وقف بورڈ لکھنؤ کے نام

(عزیز عالم صاحب ڈی آئی جی کی وفات پر تعزیت نامہ)

لکھنؤ۔

۳۱ جنوری ۱۹۶۵ء بسم اللہ

مکرم بندہ! السلام علیکم

عزیز عالم مرحوم کی خبر وفات اخبار میں پڑھ کر دل دھک سے ہو گیا۔ اِنّا للہ

دعائے مغفرت دل سے نکلی اور ان کی مغفرت میں شک ہی کیا ہے آخری عشرہ مبارک مل گیا طویل علالت خود بھی ایک سبب مغفرت تھی۔

مجھ سے ملاقات تو ایک آدھ بار ہی کی تھی جب وہ بارہ بنکی میں کپتان پولیس تھے لیکن مجھ سے وہ اخلاص اور ارتباط رکھتے تھے۔ ان کے ساتھی اور جگری دوست قطب الدین احمد دلّا میرے بھانجے ہیں وہ دسمبر میں کراچی سے لکھنؤ آئے ہوئے تھے ان کے ہمراہ میں ان مرحوم کی عیادت کا ارادہ کرتا ہی رہ گیا۔

بہرحال اللہ آپ سب لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے، اب جنت میں انشاء اللہ

ملاقات ہوگی۔ اگر زحمت نہ ہو تو براہ کرم میرا یہ تعزیت نامہ مرحوم کی تازہ بیوہ تک پہنچا دیجیے۔
آہ بیوہ کی پہلی عید! ــــــ ایک عید وہ ہوگی جو آپ کے گھر میں دلہن کی پہلی عید منائی ہوگی
سب کا بدلہ یہاں سے کہیں بڑھ کر جنت میں ملے گا۔

دعا گو دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے یہ مرحوم عزیز عالم صاحب کے بڑے قریبی عزیز تھے۔

اقبال متین نگرامی لاٹوش روڈ لکھنؤ

(انہوں نے عبدالرحمٰن پسر مطلوب الرحمٰن کے انتقال کی خبر دی تھی اس کا جواب)

دریاباد۔

۱۳ مارچ ۱۹۶۵ء بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ ادھر بہت عرصہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن بہرحال
ان سے واقفیت تھی۔ والدہ غریب پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اللہ صبر کی توفیق عطا فرمائے
جو غم ڈالتا ہے وہی صبر اور اجر بھی دیتا ہے میری دلی تعزیت موصوفہ کو پہنچائیے۔

دعا گو

عبدالماجد

(۱) مرحوم مولوی مطلوب الرحمٰن ندوی نگرامی مولانا مرحوم کے ایک بہت پرانے اور
مخلص دوست مولانا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی کے بھائی تھے۔ مولانا مرحوم کو مولانا نگرامی سے
نہ صرف دوستی بلکہ عقیدت تھی ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری۔ مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب
بھی مولانا مرحوم کو بہت عزیز تھے اور وہ مرحوم بھی مولانا کے مخلصوں میں سے تھے اسی لیے ان کے

مرحوم صاحبزادے سے بھی تعلق تھا۔

(۲) مراد ان مرحوم صاحبزادے سے ہے۔

بنام مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف ایڈیٹر "المنبر" لائل پور

(ان کے والد کے انتقال پر تعزیت نامہ)

دریاباد۔

۷؍ جولائی ۱۹۶۵ء — بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

تازہ "المنبر" سے حادثہ کی اطلاع ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہ۔

سن کچھ بھی ہو جائے والد کا وجود دنیا کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک ہے یہ سایہ سر سے اٹھتے ہی اولاد اپنے آپ کو مسکین محسوس کرنے لگتی ہے۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ اللہ نے اتنے دن آپ کو مرحوم کی خدمت کا موقع دیا۔ اور جنت کا حق دار آپ نے اپنے کو ایک ایسی خدمت سے بنالیا۔

والسلام۔ دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

مولانا امین احسن اصلاحی ندوی ایڈیٹر "میثاق" لاہور

(ان کے صاحبزادے ابوصلح کے انتقال پر تعزیت نامہ)

دریاباد۔

۷؍ جولائی ۱۹۶۵ء — بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

حادثہ کی خبر جب اخباروں میں پڑھی اس وقت اچھا خاصا علیل تھا تعزیت نامہ لکھنے سے قاصر۔ دل ہی دل میں کڑھ کر رہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ۔ یہ کڑھن جب تمام تر عزیزوں کے لیے تھی تو اپنوں اور اپنے والدین کے لیے اس کا اشد ہونا ظاہر ہی ہے۔ پھر جب اچھا ہوا تو عرصہ گزر چکا تھا اور داعیہ تعزیت سرد ہو چکا تھا۔ کل "میثاق" پہنچا اور اس نے اس داعیہ کو پھر سے تازہ کر دیا ــــــ

موت والدین کے حق میں بچوں ہی کی کیا کم درد انگیز چہ جائیکہ جوان ہونہار اولاد اور جوان بھی جوان صالح[۲] ــــــ

مرحوم سے خود بھی ایک آدھ سرسری ملاقات ہوئی اور غائبانہ ملاقات خاصی طویل۔ حادثہ یقیناً صبر آزما ہے لیکن پھر اسی درجہ صبر کے لحاظ سے صلہ صبر بھی ہے! ــــ اتنی کڑی آزمائش صرف عالی ظرفوں ہی کی ہوتی ہے ــ

بدنصیب نہیں خوش نصیب ہیں وہ باپ جن کا نام صابرین کی فہرست میں لکھ لیا جائے ولا یلقٰھا الا الصابرون وما یلقٰھا الا ذو حظ عظیم اور صابروں کا جو مرتبہ ہوگا کیا وہ میرے یا کسی کے بتانے کا محتاج ہے!

اور پھر مرحوم کا انجام تو شہیدوں[۳] کا سا ہوا گو ناگوں اعتبار سے کیا آپ کی تسکین کے لیے یہ بس نہیں کہ اپنی زندگی ہی میں آپ نے اپنے لخت جگر کا یہ حسن انجام ملاحظہ کر لیا، ساری فکرمندی اسی دن اسی گھڑی کے لیے ہوتی ہے ــــ وہ بیڑا فضلِ الٰہی نے یوں پار کر دیا۔ اور آپ سے بھی شاید بڑھ کر مجاہدہ صبر کا انعام پانے والی آپ کی شریک زندگی ہوں ــ غم اس کا نہ کریں کہ کیا کھویا ــــ راحت و اطمینان تو اس میں محسوس کریں کہ کیا پایا۔ مہر و لطف کی کتنی تجلیاں قہر کی صورت و قالب میں ہوتی رہتی ہیں۔

والسلام، دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی مولانا مرحوم سے اخلاص اور ارادات مندی کا تعلق رکھتے تھے اور ان سے برابر سلسلۂ خط وکتابت قائم تھا۔

(۲) مرحوم کے صاحبزادے کا نام بھی ابوصالح تھا اور لاہور میں کسی اردو روزنامے سے متعلق تھے۔

(۳) مرحوم کا انتقال غالباً کسی ہوائی حادثے میں ہوا۔

عبدالرؤف عباسی صاحب مرشد آباد پیلس لکھنؤ کے نام

(ان کے بھائی کے انتقال پر تعزیت نامہ)

دریاباد —
۲۴ راگست ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن ۔ حادثہ کی خبر کل سہ پہر قومی آواز میں پڑھی۔ یہ کارڈ پہلی ڈاک سے روانہ ہے ——

بھائی کی جدائی کا صدمہ خانگی صدمات میں سے ایک سخت ترین صدمہ ہے خصوصاً جب مرحوم بھائی عاشق زار بھی ہوں۔ میں اس صدمے کا مزہ چکھے ہوئے ہوں۔

بہرحال اب دعائے مغفرت کے بجز اور ممکن ہی کیا ہے اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے بھی مولانا مرحوم کے بڑے گہرے تعلقات رہ چکے تھے۔ پندرہ برس تک مکتوب الیہ "صدق جدید" کے پیش رو "صدق" کے منیجر رہے اور ان کے بھائی سے بھی خاصے تعلقات تھے۔

(۲) دونوں بھائیوں میں مثالی اتحاد تھا اور بڑی محبت بھی۔

سیّد کلب عباس کے نام

(ان کے بھائی سیّد کلب مصطفےٰ کی اچانک موت پر تعزیتی مکتوب)

دریاباد ـــــ

۱۳ نومبر ۱۹۶۵ء بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

کل دوپہر کو قومی آواز میں حادثہ کی خبر اچانک پڑھ کر دل دھک سے رہ گیا۔ اِنّا للہ وَ اِنّا الیہ راجعون ط۔ ایک دفعہ پڑھنے کے بعد یقین ہی نہیں آیا۔ دوبارہ پھر پڑھا۔ اور یقین فرمایئے کہ خبر پر یقین جد و جہد کے بعد آیا ـــــ

میرے دوستوں میں نہیں خصوصی مخلصوں میں تھے۔

آپ کے تو حقیقی بھائی ہی تھے جب میں نے ایسا صدمہ محسوس کیا تو ظاہر ہے کہ آپ پر اور مرحوم کے بیوی بچوں پر کیا گزری ہوگی۔

اطلاع اگر کل صبح ہی مل گئی ہوتی تو عجب نہیں کہ میں سفر کر کے تدفین میں شریک ہو جاتا۔ میرے شیعہ دوستوں میں اب خان بہادر ظہیر حسین مرحوم کے بعد سب سے اول نمبر انھیں کا تھا۔ لکھنؤ آنے پر انشاء اللہ کسی رہنما کو ساتھ لے کر فاتحہ پڑھنے غفران مآب کے امام باڑے کو جاؤں گا۔ آپ لوگوں کو اللہ صبر جمیل عطا فرمائے۔

ہم لوگوں کے بس میں بجز دعائے خیر کے اور اب ہے کیا۔ یہ میرا کارڈ مرحوم کے اہل و عیال کی نظر سے بھی گزار دیجئے ـــــ والسّلام

آپ لوگوں کا شریک غم ـــ

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ جواب کئی برس ہوئے مرحوم ہو چکے ہیں نامور شیعہ لیڈر تھے اور شیعہ کانفرنس کے برسہا برس جنرل سکریٹری رہے اور اپنے جوش عمل کے لحاظ سے منفرد تھے یہ مولانا کے کالج فیلو رہ چکے تھے۔

(۲) سید کلب مصطفےٰ مکتوب الیہ کے چھوٹے بھائی تھے بڑے مخلص ملی کارکن تھے۔ شیعہ سنی اتحاد کے علم بردار، مولانا مرحوم سے جو تعلق تھا اس کا اندازہ اس تعزیتی مکتوب سے ہوگا۔ مرحوم صدق کے بھی قدر داں تھے۔

مولوی حاجی مسعود علی ندوی ناظم دارالمصنفین کے نام

(تعزیت نامہ ان کی بیوی کے انتقال پر)

دریاباد ـــ

۳۰ نومبر ۱۹۶۵ء

بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

حادثہ کی خبر شاہ صاحب نے سنائی۔ اناللہ۔

رفیق زندگی کی جدائی تکلیف دہ ہر سن میں ہوتی ہے۔ اس سن میں تو ایک خصوصی آزمائش شوہر کے لیے ہوتی ہے اللہ اس آزمائش میں آپ کو پورا اتار دے۔

علاوہ برسوں کی طویل و مسلسل علالت کے مرحومہ کو یوم جمعہ کیا مبارک مل گیا۔ خوش ہوجیے اور اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کیجیے۔

ہم سب آگے پیچھے چل ہی رہے ہیں اور مستقل ملاقات و رفاقت کے جنت میں امیدوار ہیں

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے مولانا مرحوم سے تقریباً ۵۰ سال مخلصانہ اور گہرے تعلقات رہے یعنی

زمانہ طالب علمی سے مکتوب الیہ کے انتقال تک مکتوب الیہ اپنی قابلیت اور خوش انتظامی کے لیے بڑی شہرت رکھتے تھے۔

ڈاکٹر شجاعت سندیلوی[1] و شفاعت علی سندیلوی[2]

صاحبان کے نام تعزیت نامہ ان کے والد کے انتقال پر ـــــــ

دریاباد ـــ

۶ر جنوری ۱۹۶۷ء بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

میں اگرچہ مرحوم سے واقف نہ تھا لیکن عین ماہ رمضان میں اور اس کے بھی دوسرے عشرہ کے شروع میں وفات خود ایک دلیل مغفوریت کی ہے۔ اللہ ہر طرح رحمت و مغفرت نصیب کرے ـــ

اولاد کا سن کچھ بھی ہو جائے باپ کا وجود بابرکات ہی رہتا ہے اور اس سائے کا سر سے ہٹ جانا اولاد کو بے سہارا بنا دیتا ہے۔ اللہ آپ سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے ـــ

والسلام
دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے بڑے مخلصوں اور ارادت مندوں میں ہیں لکھنؤ یونیورسٹی سے کئی برس ہوئے ریٹائر ہو چکے ہیں۔ لیکن اردو کی خدمت میں بڑی تندہی اور سرگرمی سے لگے ہوئے ہیں اگر اردو کو ان سے بے لوث اور مخلص کارکن اور میسر آجاتے تو شاید اردو کا یہ حال نہ ہوتا ـــ

(۲) مکتوب الیہ پیسر نمبر ۳ آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ میں ہیں ان کو بھی مولانا مرحوم سے بڑا اخلاص تھا۔

جناب جگن ناتھ آزاد صاحب موتی باغ نئی دہلی کے نام

ان کے والد اور اردو کے نامور اور پختہ مشق شاعر تلوک چند محروم کے انتقال پر تعزیت نامہ ———

دریاباد۔

۸ر جنوری ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

کرم گسترا! تسلیم

سن کچھ ہو جائے سایہ پدری سے محروم ہو جانا ہے ایک بڑی مصیبت کی چیز اور کڑی آزمائش کی گھڑی۔ بڑی بے فکری باپ کے دم سے رہتی ہے اور یہ سایہ اٹھتے ہی جیسے ذمہ داریوں کا بار عظیم اپنے سر آپڑتا ہے بے آس تو میں شدید علالت کی خبر پڑھ ہی کر ہو گیا تھا پھر بھی کچھ آس تو آخری سانس تک لگی رہتی ہے۔

اپنے رنگ میں لکھنے خوب تھے اور کلام پختگی کی خاص شان رکھتا تھا۔

ملاقات کا شرف تو حاصل نہ تھا لیکن لکھنؤ میں انجمن ترقی اردو کی ایک بڑی کانفرنس غالباً ۱۹۵۳ء میں زیارت ہوئی تھی۔

اللہ آپ کو اور سارے عزیزوں کے دل کو تسکین دے۔

والسلام

عبدالماجد

———

پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

دریاباد۔
۲۵ر جنوری ۱۹۶۶ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

جہاں بانو نقوی(۱) کے گزرنے کی خبر آپ ہی کے پرچے(۲) نے سنائی۔ انا للہ۔
مرحومہ کے اعزہ کا مجھے پتہ نشان نہیں معلوم۔ آپ کا احسان ہوگا اگر آپ میری تعزیت کسی طرح ان لوگوں تک پہونچا دیں۔ اللہ مغفرت فرمائے۔ ماہ رمضان میں موت خوش نصیبوں ہی کے نصیب میں آتی ہے اور پھر کینسر سا موذی مرض تو خود ہی سارے گناہ دھو دیتا ہے

والسلام
عبد الماجد

(۱) حیدر آباد کی ایک مشاق لکھنے والی۔
(۲) مراد "ہماری زبان" انجمن ترقی اردو ہند کے ہفتہ وار ترجمان سے ہے۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کے نام

(ان کے بھائی کے انتقال پر)

دریاباد۔
۲۵ر مارچ ۱۹۶۶ء بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

رہنمائے دکن میں سانحہ کی خبر نظر سے گزری۔ میں مرحوم سے واقف نہ تھا لیکن بہرحال یہ تو جانتا ہی ہوں کہ بھائی کی ہستی کیا چیز ہوتی ہے۔

بھائی بڑا ہو یا چھوٹا، بہرحال قوت بازو ہوتا ہے۔ اس کا صدمہ اور پھر بالکل اچانک مسلمان کیلئے دنیا کی عظیم آزمائشوں میں سے ہے۔

اللہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور آپ سب لوگوں کو اس آزمائش میں ثابت قدم رکھے ــــــــ

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی مولانا مرحوم سے حد درجہ اخلاص اور ارتباط رکھتے تھے اس کے بعد مکتوب الیہ کئی برس تک شعبۂ سائنت کے صدر و پروفیسر رہے اب ریٹائر ہو گئے ہیں۔

سید عقیل احمد جعفری ڈرگ روڈ کراچی

(ان کی والدہ کے انتقال پر)

دریاباد۔

۲۰ر اپریل ۱۹۶۶ء بسم اللہ

برادرم سلمۂ! السّلام علیکم

اِنّا للہ اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور کیوں نہ فرمائے گا جب مغفوریت کے اسباب خود ہی اس نے لکھے کر دیئے ــــ

خوش نصیب ہے وہ اولاد جسے اتنے عرصے تک والدہ کی خدمت کی سعادت نصیب ہو جائے اور وہ جنت پر اپنا حق ایک اسی خدمت کے سہارے قائم کرے۔

دُعاگو

عبدالماجد

عزیز الٰہی صاحب بی۔ اے (علیگ) آخون منزل حسن پور مراد آباد

اپنے بہنوئی اور دو بھانجوں کی موٹر کے حادثے سے اچانک موت کا حال لکھا تھا
اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تعزیت نامہ گیا ——————

دریاباد۔

۲۵ر اپریل ۱۹۶۶ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السّلام علیکم

تین خط تو نہیں دو خط پہلے پہنچے یاد پڑ گئے، جواب اپنی حسب عادت ضرور دیا ہوگا ڈاک میں خط ضائع ہو جانا اب تو بالکل ایک عام واقعہ ہو گیا ہے۔

تازہ خط پڑھ کر دل پر جو کچھ گزری لفظ و عبارت سے اس کا اظہار دشوار ہی ہے۔ اِنَّا للہ۔ ثم اِنَّا للہ۔ خط پڑھنا مشکل ہو گیا کس مشکل سے اسے ختم کیا لڑکوں لڑکیوں میں سے جس کسی کو اسے پڑھنے کو دیا سب کا یہی حال ہوا۔ المیہ ہو اہی اس قدر سخت ہے کہ غیر و بیگانہ ہی جو پڑھے اس کا دل بھر آئے۔

اپنوں کے دلوں پر جو کچھ بیت کر رہی ہوگی اور اب بھی بیت رہی ہوگی اس کا تو تصور اور اندازہ کرنا بھی روح فرسا ہے۔ بار بار اسی اِنَّا للہ کی تکرار کرنے کو جی چاہتا ہے —— اکیلے بہنوئی یا داماد یا شوہر کا خود ہی ہلاکت کا صدمہ کیا کم تھا کہ اکبارگی پہاڑ پر پہاڑ ٹوٹ پڑے! —— معمولی اور عام بندوں کا کام تو اس درجہ شدید صدمہ کو سنبھال لے جانے کا نہیں۔

امتحان کس درجہ صبر آزما امتحان! ایسے امتحان تو بس کاملین اور بڑے ہی عالی ظرف مومنین کے لیے جاتے ہیں۔ جذبات پر جو کچھ گزر جائے عقلی حیثیت سے آپ لوگوں یعنی سارے خاندان کو مبارک ہو مشیت الٰہی میں آپ لوگ اتنے سخت امتحان کے اہل و قابل سمجھے گئے

یقین کیجئے اور بلا شائبہ ریب و شک یقین کیجئے کہ ابتلا جس درجہ کا ہوتا ہے صلہ و انعام بھی اسی مرتبہ اور اسی وزن کا مرحمت ہوتا ہے۔ درد و غم صدمہ و حزن عارضی و فانی ہیں جس طرح خوشی و لذت دم بھر میں ختم ہو جاتے ہیں حزن و الم بھی ختم ہو جائے گا اس کا وہ صلہ و انعام کبھی ختم ہونے میں نہ آئے گا۔ آپ لوگوں کے ہر اندازہ ہر تخمینہ سے کہیں بڑھ کر ایسا کہ اسے دیکھ کر خود حیرت میں غرق ہو جائیں گے اور تمنا یہ کرنے لگیں گے کہ کاش یہ امتحان اس سے بھی سخت تر ہوا ہوتا۔ یہ اللہ کی طرف سے وعدے ہیں بس انھیں مستحضر رکھئے آگے سارا بیڑا پار ہے ان سچے اور حقیقی وعدوں پر ایمان جس قدر واثق اور واضح ہوگا بس اسی درجہ میں قلب کو تسکین بھی انشاء اللہ حاصل رہے گی۔

ہم سب کے سب، ہمارے مال ہماری اولاد، ہمارے گھر بار، ہمارے اعزہ، ہماری باتیں، ہماری راحتیں و لذتیں سب اللہ ہی کی ہیں اور اللہ ہی کے لیے ہیں۔ ہماری اپنی کوئی ملک ہی نہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔

اور ہم سب آگے پیچھے چل تو اسی ایک منزل کی طرف رہے ہیں۔ کوئی صبح گیا کوئی شام جدائی کیسی، بچھڑنے کا کیا سوال یا فرق کا کیا سوال۔ سب بے اختیار ایک ہی منزل کی طرف دوڑ رہے ہیں

والسّلام، دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے خصوصی ارادت مندوں میں ہیں۔ مسلم یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے اور شروع ہی سے گہرے مذہبی۔ کئی برس دارالعلوم ندوۃ العلماء میں انگریزی کے مدرس رہے تبلیغی جماعت اور دوسری دینی تحریکوں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ مولانا سے ان کی خط و کتابت کا سلسلہ آخر تک جاری رہا۔

غریب صاحب کٹلری بازار بمبئی کے نام
(ان کی والدہ کے انتقال پر)

دریاباد۔
۸ مئی ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

مشتاق[1] صاحب نے حادثے کی خبر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔
مکہ مکرمہ میں تو موت خوش نصیبوں ہی کو نصیب ہوتی ہے پھر جس نے ایسے دین دار فرزند[2] چھوڑے وہ ماں یوں بھی بڑی خوش نصیب تھی۔
اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور درجات عالیہ عطا فرمائے۔
آپ اور بھائی صدیق[3] دونوں خوش نصیب ہیں کہ اتنے عرصے تک ان کی خدمت کی سعادت نصیب رہی۔ بس جو کچھ بھی ہو جائے ماں کا وجود ایک نعمت الٰہی ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔

والسّلام
دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) گجرات کے ایک مشہور ایڈیٹر جو اپنی اسلامیت اور حمیت دینی میں ممتاز تھے۔ اور مولانا مرحوم کے بڑے مخلص، مولانا کی ایک آدھ کتاب کو گجراتی زبان میں منتقل کیا تھا۔ مثلاً "محمد علی ذاتی ڈائری"۔
(۲) مراد مکتوب الیہ کے بھائی ہیں جو ماشاء اللہ سب کے سب بڑے ہی دیندار اور متقی تھے۔
(۳) مکتوب الیہ کے چھوٹے بھائی جو مذہبیت، جوش دینی اور مرحوم سے تعلق اخلاص رکھنے میں بالکل اپنے بڑے بھائی یعنی مکتوب الیہ کے قدم بہ قدم تھے۔

نادم سیتاپوری محلہ قضیارہ، سیتاپور

(ان کے بھائی کے انتقال پر)

دریاباد۔

۳۱ مئی ۱۹۶۶ء بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

کل سہ پہر کو حادثہ کی خبر قومی آواز میں پڑھی۔ اِنّا للہ وَاِنّا اِلیہ راجعون۔
بھائی کا زخم والدین کے زخم سے بس کچھ ہی کم ہوتا ہے۔ اللہ ہر طرح توفیق صبر جمیل دے۔

والسّلام۔ دعاگو

عبد الماجد

بجواب سیّد مکارم احسن گیلانی ضلع مونگیر

اپنے داماد کے انتقال اور ان ہی کے چار سالہ بچے کی اچانک موت کا حال لکھا تھا اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تعزیت نامہ گیا۔

دریاباد۔

۷ جولائی ۱۹۶۶ء بسم اللہ

اِنّا للہ وَاِنّا اِلیہ راجعون۔ بے شک صدمہ آپ سب کے لیے بڑا سخت اور صبر آزما ہوا۔ خط پڑھتے ہی بے اختیار دعائے مغفرت مرحوم کے لیے کردی۔ اس وقت بھی کر رہا ہوں۔ اللہ آپ سب کو صبر توفیق دے ـــــ جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہی اس کو کاٹے گا بھی۔

بیٹی سلمہا اللہ (تازہ بیوہ) کو سمجھایئے کہ جس درجہ کا صدمہ ہوتا ہے اجر و نعمتیں بھی اسی پایہ کی ملتی ہیں اور جن کے آگے انسان صدمہ کو بالکل بھول جاتا ہے۔ فرق صرف آج اور کل کا ہے۔

بچے کے صدمہ نے ظاہر ہے کہ اصل صدمہ کو اور دوگنا کر دیا معصوم بچے شفاعت کے لیے آئیں گے اور والدین کو اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے ۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حضرت سید مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی تھے ۔ دونوں بھائیوں میں بے حد محبت تھی ۔ مولانا گیلانی مرحوم کے سارے کاموں کے منتظم بھی یہی تھے ۔ مولانا مرحوم سے مکتوب الیہ کا حضرت گیلانی کے تعلق سے ارتباط تھا

حبیب احمد قدوائی[۱]، دادرہ ضلع بارہ بنکی

دریاباد ۔

۱۲ر جولائی ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

عزیزم ! وعلیکم السّلام

سانحہ کی خبر دو چار دن ہوئے سنی تھی اور خط لکھنے کو سوچ ہی رہا تھا کہ کل کارڈ بن گیا ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ دعائے مغفرت اسی وقت کر دی تھی ۔ اس وقت بھی کر رہا ہوں ۔

مرحوم[۲] میرے قدیم ترین شاگردوں میں ہونے کے علاوہ یوں بھی اپنے اخلاص محبت کی بنا پر دل سے عزیز تھے ۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور اعزہ کو صبر جمیل کی توفیق دے ۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے ہم لوگوں کی قرابت ہوتی تھی ۔
(۲) مرحوم سے مراد مکتوب الیہ کے بڑے بھائی عزیز احمد قدوائی صاحب مراد ہیں ۔

جمیل الرحمٰن قدوائی صاحب[1] ایم۔ایل سی رائل ہوٹل لکھنؤ

دریاباد۔
۱۶ ستمبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السلام علیکم

الطاف میاں مرحوم[2] کی اللہ مغفرت فرمائے۔ سو وصفوں کا ایک وصف یہ تھا کہ نماز اور پھر نماز باجماعت کے شدت سے پابند تھے اور بیماری تو اتنی تکلیف دہ اور طویل اٹھائی کہ ہر طرح سے ڈھل ڈھلا کر دینا سے گئے۔

اتفاق سے میرا پروگرام ۱۴ کو لکھنؤ کا تھا اور گھر پہنچتے ہی عنایت حبیب اللہ سلمہٗ[3] کے ہاں جانے کا تھا۔ دوپہر کی ٹرین حسب معمول لیٹ ہوگئی اور گھر پہنچ لیا تو یہ خبر معلوم ہوئی اگر کہیں یہ خبر اسٹیشن پر مل جاتی تو سیدھا وہیں سے تدفین میں شرکت کے لیے روانہ ہو جاتا البتہ کل صبح روانگی سے قبل باغ جا کر قبر پر فاتحہ پڑھ آیا۔ دیر تک ان کی صورت۔ صحت والی ہشاش بشاش نظر کے سامنے پھرتی رہی ان کے بھتیجوں کا نہ نام یاد ہے اور نہ پتا اس لیے یہ تعزیت نامہ آپ کو لکھ رہا ہوں یوں بھی بڑے آپ ہی تھے۔ بہرحال یہی ان لوگوں تک پہونچا دیا جائے دعائے مغفرت اس وقت پھر کرتا ہوں۔

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے ہم لوگوں کی قرابت ہوتی تھی۔ یہ بھی ۱۹۷۰ء میں مرحوم ہو گئے۔
(۲) شیخ الطاف الرحمٰن قدوائی مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے مرید خصوصی تھے اور مکتوب الیہ کے قریبی عزیز اور مولانا مرحوم سے تحریک خلافت کے زمانے میں خاصے تعلق رہ چکے تھے اور اس کے بعد بھی۔
(۳) مراد میجر جنرل عنایت حبیب اللہ صاحب۔

(۴) یہ ٹرین مغل سرائے لکھنؤ پسنجر تھی جو دریاباد سے پونے بارہ بجے چلتی تھی اور لکھنؤ ۲½ بجے پہنچتی تھی ــــ

(۵) دریاباد کے لیے روانگی۔

(۶) علمائے فرنگی محل کا قبرستان باغ ملا انوار صاحب کے نام سے رکاب گنج میں ہے چونکہ مرحوم قدوائی صاحب کو اپنے پیر و مرشد کی وجہ سے فرنگی محل کی ہر چیز سے عقیدت تھی اور لکھنؤ میں فرنگی محل ہی میں ان کا قیام رہتا تھا اس لیے ان کی تدفین بھی وہیں ہوئی جس میں ان کے پیر و مرشد اور دوسرے فرنگی محلی علماء مدفون ہیں۔

(۷) قدوائی صاحب کے کوئی اولاد نہ تھی ان کے دوسرے بھائی حمید الرحمٰن صاحب کے دو لڑکے ہیں انھیں سے مُراد ہے۔

شاہد احمد صاحب ایڈیٹر "ساقی" کراچی

دریاباد۔
۱۲؍ اکتوبر ۱۹۶۶ء
بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

ابھی ابھی فرحت انوار سلمہا کے خط سے آپ کے ہاں کے سانحہ کی خبر ملی۔ اللہ آپ لوگوں کو صبر و تسکین عطا فرمائے اور مرحومہ کو خود آپ لوگوں کے لیے وسیلۂ رحمت و مغفرت بنادے مومن کی تو کوئی ادنیٰ سی تکلیف بھی بغیر اجر کے نہیں رہتی چہ جائیکہ ایسا صدمہ جانکاہ ــــ اجر جزیل ایک ایسی صدمے سے آپ کا حصّہ ہوگیا۔

ہم اور آپ بوڑھے اور بچے سب ایک ہی منزل کے لیے رواں دواں ہیں، دلی خوشی یہ سن کر ہوئی کہ آپ نے اس موقع پر صبر جمیل سے کام لیا۔ آزمائش بڑی اور کڑی تھی مبارک ہو کہ آپ اس امتحان میں پورے اترے۔

والسّلام دعاگو۔

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم کی ایک مخلصہ خصوصی اور بہت ہی اچھا لکھنے والی۔ مولانا مرحوم ان کی طرز تحریر کے بڑے معترف تھے اور کہتے تھے بالکل سرشار کی زبان لکھتی ہیں۔

(۲) مکتوب الیہ کے کسی قریبی عزیز کا انتقال ہوا تھا جس کی اطلاع فرحت انوار صاحبہ نے دی تھی۔

سعید اختر صاحب[1] ایم۔اے ایڈیٹر "مدینہ" بجنور

دریاباد۔

۲۲ر نومبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ

عزیزم! السّلام علیکم

مجید حسن مرحوم[2] کی خبر وفات تو کئی دن ہوئے پڑھ چکا تھا اور دعائے مغفرت اسی وقت کردی تھی یہ بھی علم تھا کہ آں عزیز ان کے قریبی عزیز ہیں۔

البتہ اس کی تحقیق اتفاق سے کل شام کو تسنیم اختر بجنوری علیگ سے ہوئی کہ مرحوم آں عزیز کے والد ماجد تھے اس لیے تعزیت نامہ پہلی ڈاک سے بھیج رہا ہوں۔

عمر کچھ بھی ہو باپ کا سایہ سر پر رہنا ایک بڑی نعمت ہوتا ہے۔ بچے کو لڑکا ہی سمجھتا رہتا اور بے فکری کی زندگی گزارتا رہتا ہے۔ مرحوم کی خدمات ملّی کا کیا کہنا اللہ ہر طرح انھیں غریق رحمت کرے اور آپ سب لوگوں کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ راقم مرتب کے شاگرد ہیں مسلم یونیورسٹی سے سیاسیات میں ایم، اے کیا

اور بڑے اچھے لکھنے والے ہیں، طالب علمی کے بعد اپنے والد کے اخبار۔ روزنامہ مدینہ"کی ادارت سے منسلک ہو گئے اور بند ہونے تک اڈیٹر رہے۔

(۲) مکتوب الیہ کے والد مدینہ اخبار اور مدینہ پریس کے مالک تھے اور خدمت قرآنی کے لیے خاص طور سے ممتاز تھے۔ اپنے پریس سے قرآن مجید شائع کرتے تھے جو حسن طباعت اور صحت کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتے تھے اور خود سہ روزہ مدینہ اخبار حسن طباعت اور پابندی وقت اور ٹھوس و سنجیدہ مضامین کی وجہ سے بڑی امتیازی حیثیت رکھتا تھا یہ تقریباً ساٹھ برس تک جاری رہا مولوی صاحب مرحوم بڑے دین دار شخص تھے اور حضرت شیخ الہند اور حضرت شیخ الاسلام سے ارادت رکھتے تھے۔

(۳) یہ بھی مسلم یونیورسٹی کے ممتاز طالب علموں میں تھے۔ جب ۱۹۶۵ء کے افسوسناک ہنگامے کے بعد میں پراکٹری کے عہدہ پر مامور کیا گیا تو میں نے انھیں سینیر پراکٹر مقرر کیا اور یونیورسٹی کے حالات کو معمول پر لانے خاص کر لڑکوں میں ڈسپلن رکھنے میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔

مولوی حافظ احمد الزماں صاحب موتی مسجد رامپور

اپنی والدہ کے انتقال کا تار دیا تھا اس پر یہ تعزیتی مکتوب گیا

دریاباد۔

بسم اللہ

۱۴ دسمبر ۱۹۶۶ء

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

کل قریب شام کو تار سے حادثہ کی اطلاع ہوئی۔ اِنّا للہ وَاِنّا الیہ راجعون۔

دعائے مغفرت اسی وقت کردی۔ اللہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ میری تو عرفاتی بہن بھی تھیں۔ سفر حج میں ان کا ساتھ بہت خوشگوار رہا تھا اور ہر جگہ ان سے مدد ہی ملتی رہی علالت کا حال معلوم نہ ہوا اس لیے یہ خبر اچانک ہی ملی واللہ اعلم بیماری میں خدمت

کسنے کی اور خانہ داری کا انتظام کون کرتا رہا۔ اور اب تمہارے کھانے پینے کا کیا انتظام ہے؟

والدین کسی کے بھی نہیں بیٹھے رہتے ایک دن تو یہ پیش آنا ہی تھا ماں کا سایہ تو ایک بہترین نعمت الٰہی ہے اللہ توفیق صبر دے۔ وہ اولاد خوش قسمت ہے جسے اتنے دن خدمت کا موقع مل جائے۔

مشیر میاںؓ تو خود اس وقت تک پہنچ گئے ہوں گے اب ان کا پروگرام معلوم نہیں کیا ہے والدہ رافتؒ تو عرصے سے لکھنؤ میں ہیں اور علیل میں یہاں تنہا ہوں صرف ایک لڑکی حمیرا ساتھ ہیں۔

مرحومہ کو میں نے پچھلے سال لکھنؤ اور دریاآباد بلانا چاہا ایک نہیں دو دو خط لکھے تھے ملاقات اس دنیا میں مقدر ہی نہ تھی اس وقت بھی مرحومہ کی دونوں بھانجیاں تو یہی سمجھ رہی تھیں کہ مرحومہ عن قریب لکھنؤ آئیں گی مشیر میاں کے ساتھ۔ بہرحال اب تو دعائے مغفرت ہی کرتے رہنا ہے۔ تمہارا حافظ قرآن ہونا اس وقت کتنا کام آیا ہوگا۔

لکھنؤ اگر اطلاع پہنچی ہو گی تو والدہ رافت کو بھی خبر ہو گئی ہو گی اور ظاہر ہے کہ انھیں صدمہ بھی دلی ہوا ہوگا ——

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نابینا تھے اور ان کا قیام مستقل رامپور ہی میں رہتا تھا۔

(۲) مکتوب الیہ کی والدہ مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کی رشتے میں خالہ ہوتی تھیں۔ لیکن مخلصانہ اور گہرے تعلقات کی بنا پر سگی خالہ معلوم ہوتی تھیں۔

(۳) ۱۹۲۹ء میں مولانا مرحوم اور ان کی بیگم صاحبہ کے ساتھ مرحومہ نے حج کیا تھا ساتھ ہی ان کے سگے بھائی مشیر الزماں صاحب بھی تھے جن کا مستقل قیام حیدرآباد میں رہتا تھا۔

(۴) چونکہ مکتوب الیہ نابینا تھے اس لیے خود اس کی خدمت کے لیے کسی کی ضرورت رہتی تھی۔

(۵) مرحومہ کے بھائی جن کا انتقال بھی مولانا مرحوم کی زندگی میں ہو چکا تھا ان کا مستقل قیام حیدرآباد میں رہتا تھا۔ بڑے ہمدرد اور سب کے کام آنے والے تھے سفر حج میں وہ مولانا مرحوم کے قافلے میں اپنی بہن کے ساتھ تھے اور سب سے زیادہ عملی کام وہی کرتے تھے اس لیے مولانا مرحوم ان سے بہت خوش تھے۔

(۶) مراد مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ۔

(۷) مولانا مرحوم کی منجھلی صاحبزادی جو منجھلے بھتیجے حبیب احمد قدوائی صاحب کی بیوی ہیں۔ یہ مولانا مرحوم کی بہت زیادہ مزاج شناس تھیں اور سب سے زیادہ یہی ان کے ساتھ دریاباد میں رہتی تھیں اور ان ہی کو مولانا مرحوم کی علالت کے دوران سب سے زیادہ خدمت کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

(۸) مراد مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ اور ان کی سگی بڑی بہن بیگم نواب ناظر یار جنگ ہیں۔

دختر صدق جائسی بمعرفت کیپٹن جی این سنگھ تلک نگر کانپور

دریاباد۔

۱۱ر جنوری ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

مرحوم کی خبر وفات دفعتہً پا کر دل دھک سے رہ گیا۔ انا للہ۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ میرے پرانے مخلص تھے۔

مغفوریت کی یہ دلیل کافی ہے کہ ماہ مبارک وفات کے لیے پایا اور اس کا بھی اخیر عشرہ جو مغفرت کے لیے مخصوص ہے۔ صدق میں ان شاء اللہ خبر شائع کر دوں گا۔

• "دربار دُربار" کے دوسرے حصے کا مسودہ خدا معلوم کس منزل میں ہے۔

غم و صدمہ جب میں محسوس کر رہا ہوں تو ظاہر ہے کہ بیٹی کے دل پر کیا گزر رہی

ہوگی، اللہ ہی صبر دے گا۔ والدعا

عبدالماجد

(۱) صدق صاحب جائسی ضلع رائے بریلی کے رہنے والے خوش گو اور سخن سنج شاعر تھے۔ اور بڑی صحیح اور شگفتہ نثر لکھنے پر قادر تھے۔ ریاست حیدرآباد میں ملازم رہے۔ پرنس معظم جاہ کے دربار میں انھیں فانی بدایونی کے ساتھ تقرب حاصل تھا۔ مولانا مرحوم اور ان کے بڑے بھائی یعنی راقم مرتب کے والد ماجد مولوی عبدالمجید صاحب سے ان کے خاصے تعلقات تھے۔ یہ تعزیت نامہ ان کے انتقال پر ان کی لڑکی کے نام لکھا۔

(۲) مراد ماہ رمضان۔

(۳) جناب جائسی کی بڑی دلچسپ اور مشہور کتاب ہے جس میں انہوں نے حیدرآباد اور خاص کر پرنس معظم جاہ کے دربار کے دلچسپ حالات لکھے تھے۔ اس کو مولانا مرحوم نے بہت پسند کیا تھا اس کا پہلا حصہ پروفیسر مسعود حسن رضوی نے اپنے مکتبہ سے شائع کرایا تھا اور دوسرا حصہ پاکستان سے شائع ہوا۔

پرنس مکرم جاہ کنگ کوٹھی حیدرآباد دکن کے نام

ان کے دادا میر عثمان علی خاں صاحب سابق نظام حیدرآباد کے انتقال پر تعزیتی مکتوب

دریاباد۔

۲۲ر فروری ۱۹۶۷ء بسم اللہ

والامناقب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اعلیٰ حضرت مرحوم کو اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے میرے تو بڑے محسن تھے دعائے مغفرت خبر پاتے ہی کر دی اور یہ دعا تہ دل سے نکلی۔

اگر فکر معاش سے انہوں نے فارغ نہ کر دیا ہوتا تو دین اور علم و ادب کی جو بھی بری بھلی خدمت مجھ سے اپنی زندگی بھر بن پڑی یہ کہاں سے کرتا ___ اور ایک مجھ ہی پر کیا موقوف بیشمار بیواؤں، یتیموں، مسکینوں کے دلوں اور لاتعداد درس گاہوں اور علمی اداروں کے در و دیوار سے صدائے ماتم اُٹھ رہی ہوگی ۔

اللہ اس بذل و کرم و فراخ دستی میں آپ کو بھی ان مرحوم کے نقش قدم پر چلائے ۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) آخری نظام میر عثمان علی خاں کے پوتے اور جانشین ۔

(۲) مراد میر عثمان علی خاں صاحب ریاست حیدرآباد کے آخری فرماں روا، ان کی فرمانروائی ستمبر ۱۹۴۸ء میں ختم ہوئی ۔

(۳) مرحوم نظام بڑے علم دوست تھے اور ذاتی زندگی بہت سادہ گزارنے کے باوجود ملی اور علمی اداروں کی بہت زیادہ مدد کرتے تھے ۔ ہندوستان کے نہ معلوم کتنے ادارے ان کی مدد سے چلتے تھے ۔ اسی طرح نہ معلوم کتنے کے وظیفے مقرر تھے ۔ یہ ان کا بڑا ہی روشن پہلو تھا ۔

بیگم صاحبہ نواب جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی کشمیری محلہ لکھنؤ

دریاباد ۔

۹ر جون ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

خاتون محترم ! السّلام علیکم

اپنے مرحوم شوہر نامدار کی وفات پر دلی تعزیت قبول فرمائیے ۔ اللہ ان کے مرتبے عالی کرے ___

اپنے رنگ میں فرد تھے ۔ سخن گوئی، سخن فہمی نقادی کہنا چاہیئے ان پر ختم تھی اور میرے

لیے توسراپا محبت واخلاق تھے۔ جب کبھی حاضر ہوتا بغیر کھلائے پلائے اور وہ بھی پورے تکلف اور اہتمام کے ساتھ واپس نہ آنے دیتے۔

صدمہ تنہا آپ کے اور قریبی عزیزوں کے لیے نہیں ہم سب شریک غم وماتم ہیں اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلیہ رَاجِعُون۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) اثر صاحب مرحوم سے مولانا مرحوم کے بڑے مخلصانہ تعلقات تھے اور وہ اثر صاحب کی زبان دانی، سخن گوئی، سخن فہمی کے بہت زیادہ قائل تھے خاص کر زبان دانی اور ان سے برابر استفسارات بذریعہ تحریر کیا کرتے تھے۔

اہل خانہ ارتضیٰ کریم صاحب قصر جاوید سید احمد روڈ کراچی

دریاباد۔

۳۰ رجون ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

بہن صاحبہ! السّلام علیکم

پرسوں میاں توکّل کے خط سے سانحہ کی خبر ملی۔ انا للہ۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے عورت کے لیے یہ وقت نہایت سخت ہوتا ہے اللہ ہی مدد فرمائے گا اور جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہی اسے کاٹ بھی دے گا۔

مرحوم نے اتنی شدید تکلیفیں اٹھائی تھیں کہ وہی ان شاء اللہ مغفرت کے لیے کافی ہوجائیں گی اور یہی حال ہوگی کی آزمائش کا ہے اسے صبر کے ساتھ جھیل لے جانا خود جنتی بنا دینے کے لیے کافی ہے۔ اللہ ہر طرح توفیق صبر دے۔

اس تعزیت نامے میں سارا گھر شریک ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) یہ مرحوم پاکستان منتقل ہوجانے سے پہلے امیر الدولہ اسلامیہ کالج کے اسکول سکشن میں برسہا برس ماسٹر رہے۔ اور یہ مولانا مرحوم کے رشتے میں بھائی اور چودھری خلیق الزماں صاحب کے سگے سالے ہوتے تھے۔

(۲) مکتوب الیہا رشتے میں مولانا مرحوم کی بہن ہوتی تھیں اور بڑی ہی محبت کرنے والی سارے گھر بھر میں اپنی محبت اور خلوص کی وجہ سے بہت ممتاز تھیں۔

(۳) مکتوب الیہا کے سگے بھتیجے اور مولانا مرحوم کے بھی رشتے میں بھانجے لیکن مخلصانہ تعلقات کی بنا پر سگے بھانجے۔ ان کا ذکر پچھلے خطوں میں آچکا ہے۔

(۴) یعنی ارتضیٰ کریم صاحب کے انتقال کی۔

(۵) علاوہ بیماریوں کے ۱۹۶۴ء میں اپنے بڑے صاحب اولاد اور بڑے ہی سعید صاحبزادے محمد عشیر صاحب ایڈیٹر ڈان کی دفعتہً وفات کا بھی صدمہ اٹھانا پڑا۔

ملّا واحدی صاحب ایڈیٹر نظام المشائخ ناظم آباد کراچی کے نام

دریاباد۔

۳ر جولائی ۱۹۶۷ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

اہلیہ خانہ کی وفات کی خبر فردوی کی اب جاکر ۳ر جون کو معلوم ہوئی وہ بھی محض اتفاق سے منادی پر نظر پڑجانے سے اپنے کمال بے خبری پر افسوس کرتا رہا۔

عمر بھر کی رفاقت اور وہ بھی بالکل دفعتہً ساتھ چھوٹ جانا طبیعت کو جتنا شاق مگر صدمہ کتنا صبر آزما ہوسکتا ہے ظاہر ہی ہے۔

اللہ نے آپ کی آزمائش پوری کرلی۔ مرحومہ کے حق میں دعائے مغفرت کرتا ہوں اور آپ کے لیے توفیق صبر جمیل چاہتا ہوں۔

والسّلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے مخصوص مخلصوں اور خواجہ حسن نظامی کے پرانے رفیقوں میں تھے جس زمانے میں مولانا مرحوم کے خواجہ حسن نظامی سے تعلقات بڑھے تب ہی سے مکتوب الیہ سے مولانا کے بڑے گہرے اور مخلصانہ تعلقات قائم ہو گئے اور یہ تعلقات مکتوب الیہ کے انتقال تک قائم رہے۔ مکتوب الیہ کے پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد بھی خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا مولانا مرحوم ملا صاحب کی سلاست تحریر، صحت زبان، وضع داری اور اخلاص کے بہت زیادہ قائل تھے اور ان کی تحریروں کو بہت ذوق و شوق سے پڑھتے رہتے تھے۔

۲) خواجہ حسن نظامی صاحب کا رسالہ جسے ان کے صاحبزادے خواجہ حسن ثانی نظامی بڑی پابندگی اور باقاعدگی سے دہلی سے نکالتے ہیں۔

قطب الدین احمد صاحب عرف ملا میاں ناظم آباد کراچی

دریاباد۔

۶ر جولائی ۱۹۶۷ء بسم اللہ

سانحہ کی خبر میاں تو کل سلمہٗ کئی دن ہوئے دے چکے تھے اور پھر روزنامہ "حریت" میں محض اتفاق سے قرآن خوانی کی خبر بھی نظر پڑ گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

تعزیت نامہ کئی دن ہوئے نصر جاوید کے پتے پر لکھ دیا تھا خدا معلوم وہ پتا اب بھی ہے یا نہیں۔ احتیاطاً ہم لوگوں کی طرف سے مکرر تعزیت اپنی خالہ تک پہنچا دیجیے۔ ظاہر ہے کہ عورت کی زندگی تو شوہر کے بعد ہی اُجڑ جاتی ہے اور ان بیچاری کے لیے تو عشیر مرحوم کا صدمہ ہی کیا کم تھا لیکن اللہ کے ہاں اجر بھی تو ہر صدمہ کی مناسبت ہی سے ملتا ہے۔ صابر و شاکر بندی کے بڑے درجے ہوتے ہیں۔ میری بہنوں میں تو ایک ہی بیچاری باقی ہیں۔

والسلام ۔ دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے رشتے میں بھانجے تھے لیکن مخلصانہ تعلقات کی بنا پر بالکل سگے بھانجے کی طرح تھے ۔ اور مولانا مرحوم کے تربیت یافتہ بھی۔ مولانا کو بھی ان سے بڑا تعلق تھا یہ محسنہ قدوائی کے والد ماجد تھے ۔

(۲) ان کے خالو ارتضیٰ کریم صاحب کا انتقال ۔

(۳) مکتوب الیہ کے سگے ماموں زاد بھائی ۔

(۴) کراچی کا مشہور روزنامہ ۔

(۵) مکتوب الیہ کی خالہ کی قیام گاہ ۔

(۶) مکتوب الیہ کے سگے خالہ زاد بھائی اور "ڈان" کے ایڈیٹر جن کی لندن میں اچانک وفات ہوئی ۔

حاجی صدیق میمن صاحب بمبئی کے نام

دریاباد ۔

۱۸ر جولائی ۱۹۶۷ء بسم اللہ

برادر عزیز! السلام علیکم

منصوری صاحب کے خط سے گویا دفعۃً بجلی گر پڑی ۔ دل اچانک حادثے کے لیے کسی طرح تیار نہ تھا ایک بار نہیں بار بار پڑھا اور کئی منٹ تک ہاتھ میں لیے رہا کسی طرح یقین ہی نہیں آتا تھا ۔ اناللہ ثم اناللہ ۔

مغفرت و درجات عالیہ کی دعائیں بار بار کیں جنازہ غائبانہ بھی مضطر ہوکر (موافق مسلک اہل حدیث) پڑھ دیا ۔ یہ محسوس ہو رہا ہے کہ آپ کا بھائی نہیں میرا بھائی دنیا سے اُٹھ گیا اور یہ

تعزیت میں آپ کے بھائی کی حیثیت سے نہیں اپنے بھائی کی حیثیت سے کر رہا ہوں کون جانتا تھا کہ اخلاص و یگانگت کا ۴۰ سالہ دوریوں یک بیک اور یک لخت ٹوٹ جائے گا۔

اللہ اس بندہ مومن کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ نصیب فرمائے۔ صدق کے اس نمبر کی تو کتابت ہو چکی اب انشاء اللہ اس کے بعد والے نمبر میں دعائے مغفرت کروں گا۔ علی میاںؒ کو بھی ایسا ہی صدمہ ہوا ہوگا۔

پیام تعزیت میری طرف سے، بیوی۔ لڑکوں لڑکیوں سب سے نام بنام کر دی جائے۔ اپنا موجودہ پتہ بھی ضرور لکھ دیجئے گا۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی مولانا مرحوم کے مخلصوں میں تھے ان کے بڑے بھائی غریب صاحب مولانا مرحوم کے خاص مخلصوں میں تھے۔ مولانا کو ان کے انتقال سے جو صدمہ ہوا اس کا اظہار اس تعزیت نامہ سے ہوتا ہے۔ اور ان کے تعلقات اور گہرے تعلق اخلاص و یگانگت کا اندازہ بھی اس سے ہوتا ہے۔ مولانا ان کے اخلاص کے بے حد قائل تھے۔ مرحوم بڑے ہی دین دار شخص تھے اور جملہ دینی تحریکوں سے بڑا شغف تھا۔

(۲) مراد مولانا ابوالحسن علی میاں، ان سے بھی غریب صاحب کے بڑے مخلصانہ تعلقات تھے۔

بیگم چودھری عرفان حسین صاحب احسان منزل نیا گاؤں کے نام

(تعزیتی مکتوب ان کے بہنوئی کے انتقال پر)

دریاباد۔
۲۰ اگست ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! وعلیکم السلام

بے شک صابرہؑ سلمہا کا غم تم سے بڑھ کر کس کو ہو سکتا ہے۔ رہیں تمہاری والدہ تو اس سن پر پہونچ کر خود احساس ہی مردہ یا نیم مردہ ہو جاتا ہے یہ بھی اللہ کی رحمت ہی ہے۔

مرحومؒ کا حافظ قرآن ہونا خود ہی کیا کم تھا پھر جمعہ کا دن پانا اور صبح کی نماز بلکہ تلاوت سے بھی فراغت پائے ہوئے گویا بید حاجت کا پاسپورٹ ہاتھ میں لیے ہوئے۔

لڑکی کی شادی کی پوری خوشیاں نہ دیکھ سکنے کی جو حسرت باقی رہ گئی وہ بھی انشاء اللہ پورے اجر کا کام دے گی۔ غرض یہ کہ ہر طرح اچھے ہی گئے اور اب ہم لوگوں کا کام ان کے حق میں صرف دعائے مغفرت کرنا ہے۔

میرے نام فہیم سلمہ کا خط آیا تھا اس میں بھی مفصل حال درج تھا۔

دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کی حقیقی خالہ زاد بہن تھیں اور ان سے مولانا مرحوم کے بڑے ہی مخلصانہ تعلقات تھے اور یہی صورت ان دونوں مرحومین کے بعد موصوفہ کی ہم سب سے ہے۔

(۲) مکتوب الیہ کی چھوٹی بہن اپنے شوہر اور بچوں کے ہمراہ پاکستان منتقل ہو گئی تھیں۔

(۳) چودھری شفیق الزماں صاحب تعلقہ دار گڑھی بہلول کی بیوی اور مولانا مرحوم کی بیگم کی سگی خالہ۔

(۴) مراد مکتوب الیہا کے چھوٹے بہنوئی حافظ سلطان احمد صاحب ایڈوکیٹ۔

(۵) مرحوم کا انتقال لڑکی کی شادی کے ایک ہی ہفتے کے بعد ہوا تھا۔

(۶) مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کے بھائی اور مولانا مرحوم کے بڑے ہی مخلص جو پاکستان بنتے ہی وہاں منتقل ہو گئے تھے مولانا کے آخر دم تک ان کا گہرا تعلق قائم رہا اور برابر خط و کتابت

سلسلہ جاری رہا اور اب ہم لوگوں سے وہی خصوصی اور مخلصانہ ارتباط قائم رکھا ہے۔

محمد طارق صاحب بھیارہ ضلع بارہ بنکی کے نام

دریاباد۔
۵ر ستمبر ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

مرحوم کی وفات کی خبر پاتے ہی صدق میں لکھ دیا تھا چنانچہ ۸ کے پرچے میں نکل چکا۔ تمہارے نام ذاتی تعزیت نامہ البتہ آج کل پر ٹلتا رہا۔ یہ بھی تحقیق نہ تھی کہ تمہاری والدہؒ مع البعضؒ وطن چلی آئیں یا وہیں ہیں، بہرحال دعائے مغفرت اسی وقت کر دی تھی اب پھر کر رہا ہوں۔ بیماری اتنی لمبی اور تکلیف دہ اٹھائی کہ اس میں دھل گئے اور پاک صاف دنیا سے رخصت ہوئے اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔

تمہاری والدہ وغیرہ کی یہ خوش نصیبی ہے کہ جی بھر کر خدمت کا موقع انھیں مل گیا کوئی عبادت ماں باپ کی خدمت سے بڑھ کر اور کون ہوسکتی ہے۔

میرا ساتھ ۷۰ برس کا چھوٹا۔ ان کی نوجوانی، بھرپور جوانی کا نقشہ نظر کے سامنے پھر رہا ہے۔ اِنّا للہِ وَاِنّا اِلیہِ راجِعُون ــــــ

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے قدیم ترین مخلص دوست جناب مولوی مسعود علی ندوی منیجر دارالمصنفین اعظم گڑھ کے نواسے تھے۔ مرحوم کے انتقال کے بعد یہ تعزیت نامہ ان کو لکھا

(۲) مرحوم کی وفات پر مولانا مرحوم کا موثر تعزیتی مضمون شائع ہوا تھا۔

(۳) صدق ۸ر ستمبر کی اشاعت۔

(۴) مرحوم کی صاحبزادی اور مکتوب الیہ کی والدہ۔
(۵) مرحوم کے انتقال کے بعد مرحوم کا انتقال دارالمصنفین اعظم گڑھ میں ہوا تھا۔
(۶) مراد بھیارہ۔
(۷) مراد اعظم گڑھ۔
(۸) مرحوم مدتوں علیل رہے اور چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہوگئے تھے۔
(۹) مولانا مرحوم کا اور مرحوم کا ۵۰ برس تک ساتھ رہا۔

بنام مولوی شاہ غلام محمد[۱] صاحب کراچی

دریاباد۔
۲۸ر اکتوبر ۱۹۶۷ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

حادثہ کی خبر آپ ہی نے سنائی۔ ہم لوگ بالکل بے خبر تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنْ
اتنی کم سنی میں ہوگی کسی کی بھی ہو قابل ہمدردی ہوئی چہ جائیکہ ہماری سیّد زادی کی۔ گھر
بھر کو ایسی ہی تکلیف پہنچی جتنی اپنی کسی عزیز کے لیے ہوتی۔
مرحوم محی الدین کی موت یوں ہی دردناک ہوئی چہ جائیکہ وہ ان خوبیوں کے مالک
تھے۔ میں ان سے بہت ہی کم واقف تھا یہ سارا حال تو آپ کے خط سے معلوم ہوا۔ اللہم
اغفر لہٗ وارحمہٗ بہرحال۔

ع۔ ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود

والسلام دعاگو دُعاخواہ

عبدالماجد

(۱) یہ تعزیت نامہ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد کے انتقال پر۔

مکتوب الیہ سے اطلاع پانے پر لکھا۔

(۲) مراد حضرت سید کی صاحبزادی۔

(۳) حضرت سید صاحب کے چھوٹے داماد۔

چودھری رحم علی الہاشمی[۱] علی گڑھ

دریاباد۔

۲۲/ اپریل ۱۹۶۸ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

مولوی افضل علی مرحوم[۲] کی اللہ مغفرت فرمائے۔

بھائی کا صدمہ بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ اختلاف مذاق و مسلک[۳] کے باوجود بھی کم سے کم اتنا تو ہوتا ہے ہی کہ انسان اپنے سے بڑے کی موجودگی میں اپنے کو چھوٹا اور کم سن سمجھتا رہتا ہے اور اس کے اٹھ جانے کے بعد اپنی کبرسنی کا احساس ہونے لگتا ہے۔

کل کے "ہماری زبان[۴]" میں جو مضمون ڈاکٹر عبدالحق مرحوم[۵] پر دیکھا اس کا ایک بڑا ٹکڑا "صدق" میں لینے کے قابل ہے ________

والسلام۔ دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھلوارہ ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے ہیں اور انگریزی و اردو کے نامور صحافی رہ چکے ہیں۔ پنڈت موتی لال نہرو کے اخبار انڈیپنڈنٹ الہ آباد سے منسلک ہے اور روزنامہ ہمدم لکھنؤ کے بھی ایڈیٹر رہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف، مذہبیات سے بھی خاصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ مولانا مرحوم کے بڑے پرانے ملنے والوں اور دوستوں میں ہیں۔

(۲) مکتوب الیہ کے برادر بزرگ جو حضرت تھانوی سے بیعت تھے۔

(۳) مکتوب الیہ کا رنگ ان کے مرحوم بھائی کے مذاق سے بالکل مختلف تھا۔

(۴) انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار ترجمان۔

(۵) بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق جن کے ساتھ دفتر انجمن ترقی اردو دہلی میں مکتوب الیہ نے برسوں کام کیا۔

ایم اسلم صاحب[۱] بارود خانہ لاہور کے نام

(ان کی بیوی کے انتقال پر تعزیتی مکتوب)

دریاباد۔

۲۴ اپریل ۱۹۶۸ء

بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم

سید ناظم علی دریابادی کے خطوط سے آپ کی خانہ ویرانی کا حال کچھ روز ہوئے معلوم ہوا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ رفیق حیات کی مفارقت کا صدمہ ہمیشہ ہی سخت ہوتا ہے اور کبر سنی میں تو جوانی سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ ہر قسم کی عادتیں جو اس رفیقۂ حیات کے ساتھ پختہ ہو چکی ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے حقیقتہً چولی دامن بن چکے ہوتے ہیں۔ خیر اللہ صبر دے اللہ ہی صبر دیتا ہے۔

اجر عظیم کا بھی استحضار کر لیجئے۔

اور اسے بھی حافظہ میں تازہ کر لیجئے کہ بی بی خدیجہ رضہ کا غم اٹھانے والا کون ہوا ہے یہ اضطراری اتباع سنت تو تعزیت کے بجائے تہنیت کے قابل ہے۔

بہرحال ہم سب آگے پیچھے وہیں چل رہے ہیں اس کا کیا غم کہ فلاں اس ٹرین سے گیا اور فلاں اس ٹرین سے۔ والسلام

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) ہندوپاکستان کے پرانے اور مشہور اصلاحی اور اسلامی ناول نگار اور افسانہ نویس
(۲) مولانا مرحوم کے بڑے مخلص ہم وطن۔ مولانا سے ان کی آخر زندگی تک برابر خط وکتابت کا سلسلہ قائم رکھے رہے۔

ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب ایم، بی بی ایس شریف منزل بلیماران دہلی

(ان کی بیوی آصفہ مرحومہ کے انتقال پر تعزیتی مکتوب)

دریاباد۔

۳؍جون ۱۹۶۸ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

ہماری آصفہ تو خوب ہلکی پھلکی اپنے وطن اصلی کو روانہ ہو گئی۔ ہم معمر لوگوں کی طرح بوجھل بننے کا انتظار نہ کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اس دنیا میں زیادہ جی کر بجز اس کے حاصل کیا ہے کہ غم اور صدمہ ہی روز زادر سہنے کو ملیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ہلکے پھلکے روانہ ہو جاتے ہیں

آں عزیز کے دل کو صدمہ جس درجہ کا بھی پہنچا ہو بالکل قدرتی ہے۔ بیوی اور پھر اچھی بیوی پیاری اور محبوب بیوی زندگی کا بہترین سرمایہ ہوتی ہے جس کا بدل ممکن نہیں۔ یاد اس مرحومہ کی بات بات پر آئے گی اور خون کے آنسو رلائے گی۔ لیکن خوب یاد رہے کہ اجر بھی ٹھیک اسی درجے کا ملے گا۔ امتحان جتنا سخت ہوتا ہے انعام بھی اسی مناسبت سے ملتا ہے۔

ماں، بہنیں، چاہنے والا شوہر سب پر کیا کیا گزری ہوگی، سب سے بڑا مسئلہ بچوں کے سنبھالنے کا ہے خاص کر سب سے چھوٹے بچے کا، اللہ ہی یہ بیڑا پار لگائے۔

یہاں خبر کل دوپہر کو پہنچی اس وقت سے رات تک برابر خیال مرحومہ ہی کا بندھا رہا اب غسل ہو رہا ہوگا اب تکفین ہو رہی ہوگی اب جنازہ چلا ہوگا، اب نماز ہو رہی ہوگی۔ اب تدفین

کا وقت ہوگا۔ ظہر اور عصر کی نمازوں کے بعد خیال کرکے دعائے مغفرت کی توفیق ہوگئی۔

ہر انسان سے کتنے حق ادا کرنے رہ جاتے ہیں۔ اللہ کے بھی بندوں کے بھی۔ مرحومہ کے ساتھ دوستی یہی ہے کہ ان کے حقوق کو ادا کردیا جائے یا انھیں معاف کرالیا جائے۔ حقوق اللہ (مثلاً نماز، روزہ چھوٹ جانے) کی حد تک تو معاملہ آسان ہے محض استغفار کافی ہوجاتا ہے۔ بندوں کے حقوق کا معاملہ ذرا دشوار ہے۔ اس کی طرف فوراً توجہ ہونی چاہیے۔ سابقہ میں جس کسی کے بھی حقوق باقی رہ گئے ہوں وہ تو فوراً ادا کردیے جائیں (کسی کا قرض، کسی کی مزدوری وغیرہ۔ رہے زبان اور ہاتھ پیر کے حقوق (کسی کی بے جا مار اور بدزبانی وغیرہ) تو ایسی صاحب معاملہ سے معاف کرالیا جائے یا انھیں کچھ دے دلا کر راضی کرلیا جائے۔ بس ان مراتب سے فارغ ہوکر جنت ہی جنت، راحت ہی راحت ہے۔ ایسی راحت جس کا دنیا میں تصور نہیں ہوسکتا۔

موت کو لوگوں نے ہوّا بنا رکھا ہے۔ یہ ہرگز کوئی عذاب یا بری حالت نہیں۔ جو منزل پیمبروں تک کے لیے ناگزیر رکھ دی گئی ہے وہ بری کیوں کر ہوسکتی ہے یہ تو مادی آلائشوں سے آزاد ہونے اور روح کو اپنے جوہر لطیف کی طرف رجوع ہونے کا مبارک وقت ہوتا ہے۔ ہر مسلمان کے لیے سرتاسر برکت و رحمت۔ طبعی طور پر جدائی کا رنج و قلق تو ہوتا ہی ہے اور ہونا چاہیے بھی۔ باقی عقلی طور پر مسرت و ادائے شکر کا موقع۔ وہاں جس جس سے ملاقات ہو رہی ہوگی اس خوشی کا اندازہ دنیا کی عام خوشیوں سے کوئی مقابلہ نہیں۔

مجھے چاروں بہنوں میں اس لڑکی کے ساتھ خصوصی لگاؤ تھا۔ ساتھ بھی بہت رہا۔ بعض وقت تو بالکل اپنی ہی لڑکی معلوم ہونے لگتی تھی۔ اب کی جاڑوں میں جب ان کا دریاباد آنا ہوا تو سب سے زیادہ گھل مل کر آصف ہی ملیں کیا خبر تھی کہ یہ ملنا عالم ناسوت میں آخری تھا۔

جدائی کتنے دن! بات کہتے ہی یہ مدت بھی ختم ہوجائے گی۔ اور ہر عزیز کے ساتھ دائمی وصال، ناقابل انفصال! اصل رشتہ تو وہیں کا ہوگا ـــــ یہ دنیا کا بود اکثر در تار عنکبوت

کا سارشتہ بھی کوئی رشتہ ہوتا ہے! یہاں لڑکیاں اور ان کی والدہ سب اپنے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے نہایت رنجیدہ، غمزدہ ملول ومتاثر، اور خبر چونکہ بڑی حد تک دفعۃً معلوم ہوئی، سب کے ہاتھوں سے گویا طوطے اُڑ گئے۔ کل شام تک لوگ آتے سب اخلاص کے ساتھ شریک منفرت رہے یہاں کی خاص نائن جو نابلہ گری کے سلسلے میں وہاں گئی تھیں اور مالا مال ہوکر لوٹی تھیں وہ آئیں اور رو رو کر دیر تک مرحومہ کو دعائیں دیتی رہیں۔ اور آں عزیز نے تو طویل تیمارداری میں خدا معلوم کتنے مجاہدے کر لیے اور اپنی تربیت وتزکیہ روح کے مراتب طے کر لیے۔ بارہا اپنے فن پر جھنجھلانا اپنے اور اپنے ساتھیوں کی کسی تدبیر کسی مخلصانہ کوشش کا کام نہ آنا مرحومہ کی تکلیفوں کو ذرا بھی کم کر سکنا۔ یہ سارے اپنی بے بسی کے مشاہدے بے کار نہیں کرائے گئے سب کچھ انھیں کے اندر آگیا راحتوں، لذتوں، بے اندازہ مسرتوں کے یہ جوہری خزانے جب جنت میں پوری شدت اور قوت کے ساتھ کھلیں گے تو اس وقت حسرت ہوگی کہ ان کا ذخیرہ اور زیادہ کیوں نہ ہوا۔ مالک ومولا کی بے پناہ شفقتوں اور بے اندازہ احسانات کا اندازہ ہی آج کون کر سکتا ہے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ دہلی کے نامور ڈاکٹروں میں ہیں۔ مرحومہ مکتوب الیہ کی بیوی مولانا مرحوم کے رشتے کے قریبی بھائی مولوی احمد کریم صاحب کی منجھلی صاحبزادی تھیں اور مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کے سگے پھوپھی زاد بھائی کی لڑکی یعنی دونوں کی بھتیجی ہوتی تھیں اور مولانا مرحوم کی تربیت میں عرصہ تک رہی تھیں۔ اس لیے ان کے انتقال سے مولانا مرحوم کو بہت صدمہ ہوا۔ مرحومہ کا انتقال کینسر کے مرض میں ہوا۔

(۲) مکتوب الیہ اور مرحومہ میں بڑی ہی محبت تھی۔

(۳) مرحومہ کی تین بہنیں اور ہیں جو ماشاء اللہ سب بقید حیات ہیں۔

(۴) مرحومہ شادی سے کئی برس قبل دریاباد میں منتقل رہیں اور تقریباً روزانہ مولانا مرحوم کے ہاں آیا کرتی تھیں اور ہر قسم کے معاملوں میں نہ صرف مولانا مرحوم سے مشورے لیتی تھیں بلکہ بڑی حد تک ان پر عمل کرتی تھیں۔
(۵) آخری بار مرحومہ دسمبر ۱۹۶۷ء میں اپنی بہنوں اور والدہ کے ساتھ دریاباد آئیں۔
(۶) مولانا کی بیگم صاحبہ اور مرحومہ کی بھوبھی۔

سید عقیل احمد جعفری کراچی کے نام

دریاباد۔
۱۲ اکتوبر ۱۹۶۸ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا اگر برادر جان برابر دنیا سے اُٹھ گیا تو دنیا میرے بھی ایک مخلص عاشق سے خالی ہوگئی۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ ع آعندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں۔
تعزیت کے جتنے بھی مستحق آپ ہیں بس اس سے کچھ ہی کم میں بھی ہوں۔ اللہ جنت کروٹ کروٹ نصیب کرے۔
تفصیل اس وقت تک کچھ علم میں نہ آئی اور کچھ ضرورت بھی اس کی نہیں اب کل پرسوں کے اخباروں میں آتی ہو۔ کام کی چیز اس وقت دل سے نکلی ہوئی دعائے مغفرت ہی ہے۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی اپنے چھوٹے بھائی کی طرح مولانا مرحوم کے خاص مخلصوں میں تھے اور طرز تحریر میں مولانا کے متبع تھے چھوٹے بھائی کا نمبر اس باب میں بڑھا ہوا تھا۔
(۲) مراد مولوی سید رئیس احمد جعفری صاحب جن کو مولانا مرحوم سے ارادت وعقیدت

ندوۃ العلماء کی طالب علمی کے زمانے سے تھی یہ تعلق تقریباً ۴۰، ۴۲ برس قائم رہا جعفری صاحب اردو کے بڑے اچھے لکھنے والوں میں تھے۔ طرز تحریر میں وہ مولانا مرحوم کے مقلد تھے۔ وہی سلاست وہی شگفتگی اور وہی آمد۔ خلافت کے برسوں اڈیٹر رہے پاکستان منتقل ہوجانے کے بعد کچھ دنوں تک زمیندار کے بھی اڈیٹر رہے۔ رسالہ ثقافت لاہور سے بھی تعلق رہا۔ اپنا ذاتی رسالہ ریاض کچھ دن کراچی سے نکالا۔ مولانا کے مخلص خصوصی تھے۔ انگریزی اردو تفسیر کی اشاعت کا مسئلہ تاج کمپنی سے انھوں نے ہی طے کرایا اور بعض دوسری کتابوں کا بھی۔ مولانا محمد علی کے بھی عاشقوں میں تھے۔

مولانا سید محمد اسعد مدنی ناظم جمیعتہ العلماء ہند دہلی

دریاباد۔

۲۱ نومبر ۱۹۶۷ء

بسم اللہ

عزیز مکرم! السلام علیکم

آپ کی آزمائش پہلی ہی کیا کم تھی کہ اب اس پر یہ قیامت خیز اضافہ ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ صرف اتنا یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہر ایک کا امتحان بہ قدر اس کے ظرف و درجے کا ہوتا ہے اور میزان الٰہی میں آپ کا ظرف اتنا عالی بلکہ اعلیٰ پایا گیا! مبارک ہو اجر کا وہ مرتبہ جس کا آج آپ کو اندازہ بھی نہیں ہوسکتا۔ ان اللہ مع الصابرین۔

آپ سے بڑھ کر تو قابل ہمدردی وہ عفیفہ ہے جسے سایہ پدر اور نور نظر دونوں سے بیک وقت محروم ہوجانا پڑتا ہے۔

درد اور درماں دونوں ایک ہی کے ہاتھ میں؟ فاصبروا وصابروا الا باللہ۔ مہینہ بھی تو عین صبر و ضبط[۲] کا آپہنچا۔

والسلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) چونکہ مولانا مرحوم حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی سے بیعت تھے اس لیے مکتوب الیہ سے بھی خاصا تعلق تھا خود مکتوب الیہ بھی مولانا مرحوم کا بڑا احترام کرتے تھے۔ مولانا مرحوم مکتوب الیہ کی خالیت اور جوشِ عمل کے قائل تھے۔ مکتوب بالا اس حادثے کی خبر پڑھ کر لکھا گیا کہ مرحوم کے نو سالہ صاحب زادے اور ان کے خسر اور ممتاز عالم جناب مولانا حمید الدین صاحب سابق شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء کار کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔

(۲) مراد ماہ رمضان۔

چودھری شرف الزماں صاحب علیٰ احسان منزل لکھنؤ کے نام

دریاباد۔

۱۷ر نومبر ۱۹۶۸ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

سانحہ کی خبر یک بیک سن کر ہم لوگ تو سناٹے میں رہ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن اور والدہ رافت[۲] پر جو اثر پڑا وہ ظاہر ہی ہے۔ اللہ بچوں بچیوں اور سب ہی عزیزوں کو صبر دے۔

مرحومہ کی مغفرت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ مغفور نہ ہوتیں تو ماہِ رمضان کیوں نصیب ہوتا یہ مہینہ تو خوش نصیبوں ہی کے حصہ میں آتا ہے۔

اور رحمت در رحمت یہ کہ جمعہ کی رات شروع ہو چکی تھی گویا پہلی شب جمعہ کی ملی۔ یہ مہینہ اور یہ رات دونوں ہی اکٹھی مل گئیں اس سے زیادہ ایک کلمہ گو کو اور کیا چاہیے۔ اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

والدہ رافت کا فوری سفر ممکن ہی نہیں ہوتا اور اگر ارادہ کر لیتیں تو بھی کچھ بے کار ہی سا تھا۔ یہاں اطلاع جمعہ کو دس بجے کے قریب پہنچی۔ انشاء اللہ اب سنیچر کو دوپہر کی گاڑی

سے ارادہ کر رہی ہیں[۳] ۔ والسّلام

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کے حقیقی خالہ زاد بھائی تھے اور ان کے گھر سے ہم سب کے مخلصانہ تعلقات تھے۔ ان کی بیوی بھی اسی درجہ ہم سب سے محبت کرتی تھیں خاص کر مولانا کی بیگم صاحبہ سے۔ اس خط سے ان مخلصانہ تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۲) مراد مولانا کی بیگم صاحبہ۔

(۳) لکھنؤ جانے کا۔

ڈاکٹر محمد یوسف[۱] جے جے آیٹکل ورکس حضرت گنج لکھنؤ کی اہلیہ کی وفات پر

دریاباد۔

۱۲ر دسمبر ۱۹۶۸ء

بسم اللہ

عزیزی وشفیقی! السّلام علیکم

ڈاک یہاں سہ پہر کو آتی ہے کل سہ پہر کو حقیقت نے آپ کے یہاں سانحہ کی خبر سنائی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعون۔ دعائے مغفرت معاً کردی اور بعد مغرب دوبارہ کی۔ اس وقت بھی کر رہا ہوں۔

حالانکہ یہ بھی جانتا ہوں کہ رمضان اور پھر اس کے عین وسط میں اُٹھ جانے والی ہر دعائے مغفرت سے بے نیاز اور خود ہی مغفور وغریق رحمت ہے۔

اللہ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے بلکہ مرحومہ کی خوش قسمتی پر خوش ہوجیے کہ اتنا بہترین وقت انھیں نصیب ہوا۔ والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ ماہر امراض چشم ہیں اور مولانا کے بھی معالج رہے ہیں۔ کئی بار عینک کا نمبر بدلا۔ نہ صرف معالج چشم رہے بلکہ ارادت مند بھی۔

(۲) لکھنؤ کا یہ اردو روزنامہ جو مولانا کے ایک دور کے عزیز اور تعلقات کے لحاظ سے بالکل قریبی عزیز انیس احمد عباسی صاحب نکالتے تھے تقسیم کے بعد یہ پرچہ سہ روزہ ہو کر رہ گیا اور اس کی اشاعت بھی بہت گھٹ گئی لیکن لکھنؤ کی خبریں اس میں بہت تفصیل سے نکلتی تھیں۔

ماسٹر صغیر احمد صاحب[۱] ماسٹر سیدنا طاہر سیف الدین ہائی اسکول منتوسرکل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

دریاباد۔

۱۲ر دسمبر ۱۹۶۰ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السلام

انشاء اللہ اب بالکل طبیعت ٹھیک ہوگی۔ اور ضعف وغیرہ جاتا رہا ہوگا۔ رحمت الٰہی کے بھی کتنے ڈھنگ اور طریقے ہیں کسی کی آزمائش عبادات اختیاری (روزہ وغیرہ) سے ہوئی اور کسی سے مجاہدات اضطراری بیماری وغیرہ کی شکل میں کرائے جاتے ہیں۔ مقصود و ماحصل ہر صورت میں رحمت ہی رحمت ــــ

ماں کی مفارقت دنیا کا ایک شدید ترین صدمہ اور شدید ترین محرومی ہے لیکن اجر بھی صبر پر اسی اندازہ و حساب کے مطابق ــــ

اللہ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے ان کے اعمال صالحہ طویل بیماری خود کیا کم اسباب مغفرت ہیں پھر رمضان کا عین قرب۔ ۲۰ر نومبر تو شعبان کی ۲۸ تھی اور رمضان ابھی ۹ ہی کی شام سے شروع ہو گئے۔ دعا کرنے والی اولادؓ اس پر مستزاد۔

مشورے اور گزارشوں کے کالم میں انشاء اللہ اور تفصیل ہوگی۔ موقع جب بھی مل سکے۔

دوبارہ خیال کرنے سے معلوم ہوا کہ تاریخ انتقال ۲۹ نہیں، ۳۰ تھی یعنی عین بھرپور رمضان
ایسی تاریخ تو کسی خوش نصیب ہی کے حصہ میں آتی ہے ایسی وفات قابل تعزیت نہیں
قابل مبارک باد۔ والسّلام

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ جو مولانا مرحوم کی زندگی میں مرحوم ہو چکے تھے مولانا کے مخلص اور خصوصی ارادت مندوں میں تھے۔

(۲) یہ تعزیت نامہ مکتوب الیہ کی والدہ کے انتقال پر ہے۔

(۳) مکتوب الیہ بڑے ہی صالح اور سعید تھے۔

(۴) صدق کا ایک کالم جو تقریباً ہر دو ہفتے کے بعد شائع ہوتا تھا اور اس میں بڑی کام کی باتیں مولانا کے قلم سے ہوتی تھیں۔

حافظ عابد شوکت علی[1] خلافت ہاؤس بمبئی کے نام

(ان کے بڑے بھائی زاہد شوکت علی[2] صاحب کے انتقال پر تعزیتی خط)

دریاباد۔

۲۴ر دسمبر ۱۹۶۸ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہ اللہ! السّلام علیکم

باپ کے بعد بڑے بھائی ہی کا مرتبہ ہوتا ہے۔ مرحوم کی اللہ پال پال مغفرت فرمائے
خبر پڑھتے ہی دعائے مغفرت کر دی اور اس کے بعد بھی بار بار کی اس وقت بھی کر رہا ہوں۔

اللہ بیوی بچوں اور سب عزیزوں کو صبر و تسکین دے۔
پرانا زمانہ ۲۳۔۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۴ء تک کا بلکہ مرحوم کی طالب علمی کا بھی نظر کے سامنے پھر گیا۔
اب وہ منظر کبھی کیوں دیکھنے میں آنے لگے۔ صدق کے لیے بھی نوٹ بھجوا رہا ہوں۔

دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا شوکت علی کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔
(۲) مکتوب الیہ کے بڑے بھائی اور وہی مولانا شوکت علی کے انتقال کے بعد سنٹرل خلافت کمیٹی کے دفتر کو قائم رکھے ہوئے تھے۔ اور مرحوم کے انتقال کے بعد عرصے تک روزنامہ خلافت نکالتے رہے۔ مولانا مرحوم سے ان کے خاصے تعلقات تھے۔ علی برادران سے مولانا مرحوم کے جو تعلقات تھے۔ اسی کی وجہ سے مولانا مرحوم ان دونوں کی اولاد سے سگے عزیزوں کا سا برتاؤ کرتے تھے۔
(۳) مرادزاہد شوکت علی صاحب۔
(۴) تعزیتی نوٹ۔

محمد ابراہیم قدوائی لیاقت آباد، کراچی

دریاباد۔
۷، ۲۸ر جنوری ۱۹۶۹ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السلام

کل سہ پہر کو تمہارے کارڈ آفتاب کے نام والے نے عزیز وبشیر کے سفر آخرت کی خبر سنائی۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔ کس قیامت کا یہ سانحہ ہوا ان کی بیوی بچوں اور سب سے بڑھ کر ان کی والدہ کے لیے۔ کیا کہہ کر اور کن لفظوں میں ان بے چاری سے تعزیت

کی جائے۔ بس اللہ ہی انھیں صبر دے جیسا کہ انھیں دوچار بار قبل دے چکا ہے۔ ایک عشیر[۱] مرحوم ہی کا صدمہ ان کے لیے کیا کم جانکاہ تھا کہ یہ دوسرا زخم کاری ان کے دل دجگر پر لگا۔

اتنا سخت امتحان بڑے ہی عالی ظرف بندوں کا لیا جاتا ہے اور اس کے اعتبار سے وہ بڑی خوش نصیب ٹھہریں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ مصیبت بڑی شدید اور ہوشں ربا ہے۔ لیکن بہرحال کتنے دن کی دیکھتے دیکھتے انشاء اللہ کٹ جائے گی اس کے بعد چین ہی چین راحت ہی راحت جس پر دوسروں کو رشک آجائے گا۔

ہم سب لوگوں پر جو ابھی تازہ صدمہ میں مبتلا تھے۔ غم کی ایک تازہ رَو دوڑ گئی اور دعا کے سوا کوئی چارہ نہ اس غم سے ہوا نہ اس غم سے ہے۔ میری بہنوئی[۲] میں تو وہی بےچاری اب ایک رہ گئی ہیں یہ خط دراصل انھیں کے نام ہے یہ خط ان کو پڑھ کر سنا دینا ان کا پتہ معلوم نہ تھا۔

میاں ملّا[۳] کا کوئی تعزیت نامہ ہمارے ہاں نہ آیا۔ لڑکیاں بڑی منتظر رہیں یہ تو ممکن ہی نہیں کہ انھوں نے نہ بھیجا ہو یقیناً ڈاک میں ضائع ہو گیا انھیں بھی یہ کارڈ دکھا دینا اگر ملاقات ہو جائے۔

دُعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے ایک خالہ زاد بھائی کے لڑکے اور برادر محترم حکیم عبدالقوی کے ہم سن اور ہم لوگوں کے والدہ کے سگے چچازاد بھائی ہیں۔ یہ بھی کچھ عرصہ مولانا کی تربیت میں رہے اور کئی برس ہوئے مرحوم ہو گئے۔

(۲) برادرم محترم حکیم عبدالقوی صاحب کا گھریلو نام۔

(۳) مولانا مرحوم کے رشتے میں بھتیجے اور بھانجے اور چودھری خلیق الزماں کی

پہلی بیوی کے سگے بھتیجے ۔ ان لوگوں سے بھی ہم لوگوں کے بڑے مخلصانہ تعلقات رہے۔ پاکستان بننے کے بعد یہ کراچی منتقل ہو گئے۔

(۴) یہ مولانا کی رشتہ میں بہن ہوتی تھیں لیکن بڑی ہی محبت کرنے والی اور اپنے عزیزوں پر جان چھڑکنے والی اور بڑی عبادت گزار۔

(۵) ان کے بڑے صاحبزادے، بھائی اور شوہر کے انتقال پر۔

(۶) مولانا کی ان بہن کے بڑے صاحبزادے اور ڈان کے اڈیٹر۔

(۷) مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کا انتقال کا صدمہ۔ مرحومہ کا انتقال بالکل دفعۃً یکم جنوری ۱۹۶۹ء کو بانڈے میں ہوا جہاں وہ اپنے بڑے بھتیجے کی دو لڑکیوں کی شادی میں شرکت کرنے گئی ہوئی تھیں اور ان کے انتقال سے ایک روز قبل مولانا مرحوم بانڈے سے واپس آئے تھے۔

(۸) رشتے کی سب بہنوں میں۔

(۹) مولانا کے بڑے عزیز اور خاص تعلق رکھنے والے بھانجے مولوی قطب الدین صاحب جن کا عرف ملا تھا۔ محسنہ قدوائی کے والد ماجد ان کا ذکر پچھلے خطوں میں آچکا ہے۔ دبیر مرحوم ان کے سگے خالہ زاد بھائی تھے اور ان سب لوگوں سے قطب الدین صاحب کا بڑا گہرا تعلق تھا۔

مرزا جمیل احمد صاحب ایڈوکیٹ حیدر آباد دکن

دریاباد۔

۳۰ر جنوری ۱۹۶۹ء　　　بسم اللہ

برادرم!　　　وعلیکم السلام

کل صبح آپ کے بھائی صاحب کے سلسلے میں عبادت نامہ بھیج چکا تھا کہ شام کی ڈاک

سے وہ خط ملا جس نے تعزیت نامہ کو واجب کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔
بھائی کی چوٹ بھی بڑی سخت چوٹ ہوتی ہے اس کا ذاتی تجربہ رکھتا ہوں۔ ہر مسلمان کی موت یوں بھی مبارک ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ ان کے آخر وقت کے حالات جو آپ نے لکھے ہیں۔ اللہ بال بال رحمت فرمائے۔ دمہ کا مرض مشابہ سکرات ہوتا ہے۔ کتنے گناہ اس موذی مرض سے دھل گئے ہوں گے۔ میرے مرحوم بھائی کو بھی یہی مرض عمر بھر رہا تھا۔

والسلام۔ دعاگو

عبد الماجد

شفاء الملک حکیم عبد اللطیف صاحب سابق پرنسپل طبیہ کالج علی گڑھ

جھوائی ٹولہ حکیم عبد العزیز روڈ کے نام تعزیتی مکتوب

(ان کے بڑے بھائی حکیم عبد المعید کے انتقال پر)

طبیب ابن طبیبؒ کی مراجعت وطن حقیقی پر ہدیۂ تعزیت قبول ہو۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ جو خدمت خلق کرتے کرتے بوڑھا ہو گیا وہ بالآخر اس شافی برحق کے دربار میں پہنچ گیا جہاں آگے پیچھے ہم سب ہی پہنچ رہے ہیں۔

موئے سفید، پیٹ کا مرض، اور عشرہ مبارک ذی الحجہ، بے شمار مریضوں کی دعائیں سب کی سب شافع برحق کی قیادت میں ارحم الرّاحمین کی جلب رحمت کو موجود فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ کا مژدہ کانوں تک کب کا پہنچ چکا ہوگا۔

بھائی کا رشتہ خود کیا کم ہوتا ہے اور آپ کے حق میں تو وہ مرحوم بمنزلہ والد کے تھے طبعی غم و صدمہ جتنا بھی ہو بجا ہے۔

والسّلام دعاگو

عبد الماجد

(۱) نہ صرف مکتوب الیہ بلکہ ان کے خاندان سے مولانا مرحوم کے پشتینی تعلقات چلے آتے ہیں۔ مولانا مرحوم کے مکتوب الیہ سے خصوصی تعلقات تھے۔ مکتوب الیہ انتقال سے پہلے تک علی گڑھ سے آنے کے بعد مولانا کے معالج رہتے تھے۔ یہی صورت ان کے بڑے بھائی شفاء الملک حکیم عبدالمعید صاحب کے ساتھ تھی وہ مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کے بھی معالج رہے۔

(۲) مراد حکیم عبدالمعید صاحب مرحوم۔

(۳) مکتوب الیہ کی صغر سنی ہی میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور مرحوم حکیم عبدالمعید صاحب نے ان کی تعلیم و تربیت دلائی اور پوری طرح کفالت کی۔

قاضی محمد فاروق بھٹکلی متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء
سہ رحمانیہ ہوسٹل ندوۃ العلماء

دریاباد۔

۸ اراپریل ۱۹۶۹ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السلام

باپ کی مفارقت ہر حال میں ایک شدید ترین طبعی قلق و صدمہ کا باعث ہوتی ہے چہ جائیکہ جب بالکل اچانک اور اپنے سے بہت فاصلہ پر واقع ہو۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن آیت محض رسمی طور پر پڑھ دی جاتی ہے حالانکہ تسکین قلب کے لیے ضرورت آیت پر صحیح و کامل مراقبہ کی ہے۔

جب اس کا استحضار پورا ہو جائے کہ ہم سب اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ ہی کے پاس سب کو جانا ہے تو جدائی کیسی؟ استحضار مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں جس حد تک بھی بن پڑے کوشش کر کے حاصل کرنا چاہیے۔

باقی مرحوم کی مغفوریت و رفع درجات کے لیے دعائیں برابر کرتے رہنا چاہیئے۔ اللہ ہر اونچے درجے سے بہرہ اندوز کرے۔ مرحوم کا یہی احسان کیا کم ہے کہ اسداد اور پھر اکلوتی اولاد کو خدمت دین کے لیے وقف کر دیا۔
اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

والسّلام، دُعاگو دعاخواہ

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ہونہار طالب علم تھے اور مولانا کی لکھنؤ تشریف آوری پر ملتے رہتے تھے۔ یہ تعزیت نامہ ان کے والد کے انتقال پر ہے۔
(۲) مکتوب الیہ کے والد کا انتقال ان کے وطن بھٹکل میں ہوا تھا۔
(۳) یعنی ایک دینی درس گاہ ندوۃ العلماء میں داخل کرایا اور دنیوی تعلیم پر دینی تعلیم کو ترجیح دی۔

فرحت انوار صاحبہ[۱] کراچی

دریاباد ـــ

۱۸ اپریل ۱۹۶۹ء بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! وعلیکم السّلام

جی نہیں پاکستانی اخبارات تو بہت سرسری نظر سے گزرتے ہیں یہ خبر صاعقہ اثر[۲] ان میں نہیں نظر پڑی تھی آں عزیزہ ہی کے خط سے اطلاع ملی، اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔
آں عزیزہ اور بیوہ کو جو کچھ بھی صدمہ ہوا ہو بالکل قدرتی ہے لیکن عقلاً ایسے شخص کی مغفرت میں شک ہی کیا ہو سکتا ہے جو اتنے بندوں کی حاجت روائی کر چکا ہے اور جس کی سفارش میں بے شمار دعائیں عرش الٰہی پر پہنچ چکی ہیں۔ جمعہ کا دن اور پردیس کی

موت ان سب کے علاوہ ۔

بہرحال اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ صدق کے آئندہ نمبر میں مراسلہ مع اپنے مفصل نوٹ کے دے دیا ہے ۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا کا تعارف پچھلے خطوں میں ہوچکا ہے ۔ مولانا ان کی طرز تحریر سے بہت متاثر تھے ان کے مضامین لکھنؤ کی زبان پر اور لکھنؤ کے بارے میں "ساقی" کراچی میں نکلے تھے اتفاق سے ان کے قریبی اعزہ لکھنؤ میں خاتون منزل ۔ مولانا کی قیام گاہ کے قریب ہی رہتے تھے ۔ چنانچہ جب مکتوب الیہا پاکستان سے آتی تھیں اور مولانا مرحوم کی صاحبزادیاں بھی جاتی تھیں۔ مولانا مرحوم بھی راقم مرتب کی معیت میں ان سے ملنے گئے تھے ان کی قیام گاہ ٹیڑھی بازار ہے ۔

(۲) یہ تعزیت نامہ مکتوب الیہا کے ماموں دہاج الدین عباسی کے انتقال پر ہے جس کی اطلاع مکتوب الیہا نے دی تھی اس کے جواب میں یہ تعزیت نامہ ہے ۔

(۳) مرحوم عباسی صاحب آئی، سی، ایس ہر ایک کے بڑے کام آتے تھے معلوم نہیں کتنوں کا کام ان کی وجہ سے ہوا۔ وہ پاکستان میں بڑے اونچے عہدے پر فائز تھے پاکستان منتقل ہونے سے پہلے یہاں بھی اونچے عہدے پر فائز تھے ۔

افتخار الزماں ابن چودھری سمیع الزماں مرحوم تالاب گنگنی شکل لکھنؤ

دریاباد ۔

۱۸ اپریل ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

عزیزم! السّلام علیکم

لکھنؤ کے خط سے تمہارے والد مرحوم کی وفات کی خبر معلوم ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون ۔ اللہ پاک بال مغفرت فرمائے۔ میرا پیام تعزیت اپنے بھائی، بہنوں اپنی والدہ اور سب عزیزوں کو پہنچا دینا۔ گھر میں اب سب سے بڑے وہی مرحوم تھے۔

دُعا گو

عبدالماجد

(۱) یہ تعزیت نامہ مکتوب الیہ کے والد چودھری سیح الزماں کے انتقال پر بھیجا گیا چودھری صاحب چودھری خلیق الزماں کے بڑے بھائی تھے اور مولانا مرحوم کے رشتے میں بھائی ہوتے تھے۔ ان کے دادا مولانا کی نانی کے سگے بھائی تھے۔

ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب[۱] راشٹرپتی بھون نئی دہلی

دریاباد۔

۵ رمئی ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

تعزیت کا خط لکھنے تو بیٹھ گیا لیکن سوچ رہا ہوں کہ لکھوں تو کیا لکھوں۔ اور آپ سب لوگوں کو خاص، کر تازہ بیوہ کی تسکین قلب کے لیے کون سے لفظ استعمال کروں۔

موت برحق اور ہر ایک کے لیے ہے اور خوف دہراس کی چیز نہیں یہ تو بندہ کی حاضری اپنے نہایت شفیق مالک د مولا کے دربار میں ہے لیکن وہ غم نصیب کیا کہ کرا پنے دل کو سمجھائے جس کا سہاگ دنوں اور گھنٹوں میں نہیں منٹوں میں لٹ گیا اور جس کی بادشاہی چشم زدن میں خاک میں مل گئی۔ ذرا سا بھی تیاری کا موقع تو اس بیچاری کو یا آپ لوگوں میں کسی کو نہ مل سکا۔

لیکن یقین کیجئے یہ سب ایک طریقہ اجر بڑھانے کا ہے۔ اجر بے حساب، ناقابل پیمائش

اور اس کا جتنا زیادہ استحضار جس کسی کو ہوگا اسی نسبت سے اس کا دل سکون میں رہے گا بس اس کو دل کی گہرائیوں میں اتار لیجئے اور اپنا وقت زیادہ سے زیادہ مرحوم کے لیے دعائے خیر میں صرف کیجئے۔

میرا تعلق تو صرف مرحوم سے عزیزوں کا سا تھا بے شان و گمان یہ خبر پاکر دل پر جو کچھ گزری بالکل ظاہر ہے۔ معًا دعائے مغفرت کی بار بار دعائیں مختلف نمازوں کے بعد کیں اور دعا میں لڑکیاں بھی برابر شریک رہیں۔

بہرحال اللہ انھیں جنت نصیب فرمائے اور اب بس یہی ان کے کام آنے والی چیز ہے ——— والسّلام

دُعاگو

عبدالماجد

(۱) یہ تعزیت نامہ مکتوب الیہ جن سے مولانا مرحوم کے بڑے گہرے مخلصانہ تعلقات تھے کے بڑے بھائی ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریہ ہند کے سانحہ ارتحال پر ہے۔

پروفیسر مسعود حسن رضوی، ادبستان، دین دیال روڈ لکھنؤ

دریاباد۔

۲۹ ستمبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

بندہ مہربان! السلام علیکم

علی عباس حسینی مرحوم کی سناونی کل دوپہر کو سنی اور دل دھک سے ہو کر رہ گیا۔ اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔ تعزیت آپ کو پیش کر رہا ہوں ———

مرحوم میرے مخلصوں میں تھے۔ تہذیب و شائستگی کی تصویر بڑے شریف نستعلیق۔ مجھ سے کچھ دن کچھ برائے نام پڑھ لکھ لیا تھا وہ رشتہ آج تک قائم رکھے رہے بڑے ہو کر

میرے سامنے چھوٹے ہی بنے رہے۔ قبر پر چل کر فاتحہ پڑھناہے اور آپ اس کی رہنمائی اگر کرسکیں تو بہت خوب۔ ۵ر اکتوبر کو ان شاء اللہ لکھنؤ پہونچ جاؤں گا اور قیام کچھ روز رہے گا جس دن اور جس وقت آپ کو سہولت ہو کچھ قبل سے اطلاع کردیں خط سے یا ٹیلی فون سے ۲۲۷۰۷ آپ کے ہاں حاضر ہوجاؤں گا۔

والسّلام دُعاگو

عبدالماجد

(۱) حسینی صاحب سے جس درجے کے تعلقات تھے اس کا ذکر تعزیت نامہ میں موجود ہے

(۲) کئی برس سے مولانا مرحوم کا اکتوبر میں لکھنؤ آنے اور ۵، ۶ ہفتے قیام کرنے کا معمول تھا

(۳) دوسروں کی سہولت کا لحاظ مولانا مرحوم کو حد درجہ رہتا تھا اس کا اندازہ اس مجوزہ انتظام سے ہوتا ہے

فرزندان سید علی عباس حسینی مرحوم ایم اے عزت گنج وزیر گنج لکھنؤ

دریاباد۔

۳۰ر ستمبر ۱۹۶۹ء بسم اللہ

عزیزان گرامی! السلام علیکم

حسینی مرحوم کی سناونی سننے میں آئی دل دھک سے ہوکر رہ گیا۔ اناللہ۔ میرے قدیم مخلصوں میں تھے اور جوہر شرافت کے ایک پیکر مجسم تھے۔

تم لوگوں اور تمہاری والدہ پر جو کچھ گزر رہی ہوگی اس کا تجربہ ہر صاحب تجربہ کو ہے بس اللہ ہی صبر اور برداشت کی قوت عطا کرے۔

آئندہ ہفتے ان شاء اللہ آکر مرحوم کی تربت پر فاتحہ پڑھنے جاؤں گا اور اپنے اور

ان کے مشترک دوست سید مسعود حسن رضوی کو ہمراہ لے کر۔
اپنی والدہ کو ضرور میری طرف سے پیام تعزیت پہنچا دینا۔

والسلام
عبدالماجد

پروفیسر سید مسعود حسن رضوی صاحب کے نام

(ان کی بیگم صاحبہ کی خبر وفات پر تعزیت نامہ)

لکھنؤ۔
۲۴؍ اکتوبر ۱۹۶۹ء　　　　بسم اللہ

صورت از بے صورتی آمد برون
باز شد انا الیہ راجعون

برادرم! السّلام علیکم

ابھی ابھی سانحہ کی خبر پڑھی[1]۔ اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلیہ رَاجِعُون۔
رفیقہ حیات کی جدائی اور وہ بھی یوں آناً فاناً جس درجہ کا صدمہ بشر کے لیے
ہے وہ میری بھی تازہ آپ بیتی ہے اس لیے ہمدردی اور تعزیت آپ کے ساتھ رسمی
نہیں بلکہ سو فی صدی دلی رکھتا ہوں۔ اللہ ہی آپ کو صبر عطا فرمائے۔
کل انشاء اللہ فاتحہ سوئم میں حاضری دوں گا۔

والسّلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) مقامی اخبارات میں۔

مولوی حبیبؒ احمد ندوی[1] ۴۴۸ پیر الٰہی بخش کالونی کراچی ۵

لکھنؤ۔

۲۶ ر اکتوبر ۱۹۶۹ء   بسم اللہ

برادرم!   وعلیکم السلام

رفیقۂ حیات کی جدائی پر تعزیت قبول ہو۔ اللہ کامل مغفرت فرمائے اور آپ کو صبر جمیل۔ جمعہ کا دن نصیب ہونا مرحومہ کی عین خوش نصیبی تھی ۔۔۔

دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا شوکت علی کے سکریٹری رہے تھے اور مولانا مرحوم سے تعلق اخلاص رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد بھی برابر خط و کتابت کا سلسلہ قائم رکھے رہے۔

شیخ انور الزماں[1] ایڈوکیٹ باندہ

لکھنؤ۔

۳ ر نومبر ۱۹۶۹ء   بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ!

دو چار دن سے مرحومہ کی یاد اور زیادہ ستانے لگی خصوصاً سہ پہر کے وقت بعض دن تو یہی معلوم ہونے لگتا ہے کہ میں یہاں نہیں باندے میں ہوں اور وہاں بھی گھر میں نہیں بغیامیں[2] ۔۔۔۔ وہیں جہاں اپنا سب سے بڑا خزانہ راحت حیات کا سرمایہ اپنے ہاتھوں زمین میں دفن کر آیا ہوں یہ کیسے کیا؟ وہ جسم مجھ سے قبر میں اتارا کیسے گیا؟ قبر کو بند

ہوتے مجھ سے دیکھا کیسے گیا؟ جنازہ کو کاندھا مجھ سے دیا کیسے گیا؟ وہ کفن پوش بے حس وحرکت اور خاموش مجھ سے دیکھا کیونکر گیا۔؟ چہرہ کے رنگ وروپ کا اندازہ تو میں نیم اندھارات میں کیا کرتا لیکن باوقار سـڈول بن کا اندازہ تو اس عالم میں بھی ہو گیا ہائے جامہ زیبی کس غضب کی تھی کہ کفن پوشی پر پھٹی پڑتی تھی۔ الوداعی نماز پڑھاتے وقت ہوش وحواس کیسے قائم رہے؟

یہ ساری ان ہونی باتیں کیسے ہو کر رہیں؟ جدائی ۲۰ سال کی رفاقت میں کبھی پورے دو مہینے کی بھی ہو کر نہیں رہی۔ زیادہ سے زیادہ جو ہوئی وہ کل ۵-۶ ہفتے کی اور وہ بھی پوری عمر میں کل دوبار۔ یہ مہینوں کی جدائی کا معاملہ میں کیا جانوں اسے اب برداشت کیسے کر رہا ہوں۔

ہائے ان کا دل کتنی بار کس کس طرح میری وجہ سے دکھا ہے ان کی کتنی حسرتوں اور ارمانوں کا خون میرے ذمہ ہے سوچتا ہوں اور جیسے زمین میں گڑھ جاتا ہوں۔

اللہ نے تھوڑی بہت قوت ایمانی جو بخشش دی ہے (وہ بھی شاید خدمت قرآن کے طفیل میں) اس کے لحاظ سے عقلاً بحمد اللہ تمام تر صبر و اطمینان ہے اور بعد حیات کے جو کچھ بھی آثار ظاہر ہیں ان سے پورا اعتماد مغفورہ اور جنتی ہونے کا ہے۔

تم مرحومہ کی سگی اولاد سے کم نہ تھے۔ اور اللہ نے آخر وقت کی ساری خدمت کی سعادت بھی تمہارے ہی نصیب میں لکھ دی تھی۔ لڑکیوں سے بات کر کے کبھی کچھ رو دھو لیتا ہوں اور وہی اثر تمہارے نام کے خط سے ہوتا ہے۔ یہ جواب طلب ذرا سا بھی نہیں محض اپنے دل کی بھڑاس نکال لینے کے لیے ہے سوچتا ہوں تو نظر آتا ہے کہ ۲۰ سال کی ساری مدت محض ایک لطیف وخوشگوار خواب تھی۔ بات کی بات میں کٹ گئی۔

کٹی رات حرف وحکایات میں
سحر ہو گئی بات کی بات میں

دُعا گو

عبدالماجد

(۱) یہ خط کوئی تعزیت نامہ نہیں لیکن موثر ہونے کے لحاظ سے تعزیت ناموں میں شامل کرلیا ہے۔ مکتوب الیہ مولانا مرحوم کی بیگم کے چہیتے بھتیجے تھے۔ یہ مولانا مرحوم کے تربیت یافتہ تھے اور گرمیوں کی چھٹیوں کا طالب علمی کے زمانے میں بڑا حصہ دریاباد میں گزارتے تھے مولانا کو ان سے بڑی محبت تھی اور یہ بھی مولانا مرحوم کے بڑے ہی ارادت مند اور مزاج شناس تھے۔

(۲) باندے کا وہ احاطہ یا چھوٹا باغ جو خاندانی قبرستان ہے اور جہاں مکتوب الیہ کے دادا دادی اور والدہ کی قبر ہے اور وہیں مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کی بھی قبر ہے اور وہیں ان کے بڑے لڑکے اکبر کی قبر ہے جو ۱½ سال کی عمر میں باندے میں فوت ہوا۔

(۳) مولانا مکتوب الیہ کی لڑکیوں کی شادی کی تعزیت میں شرکت کرکے ہم سب لوگوں کے ساتھ ۳۱ دسمبر کی سہ پہر کو باندے سے روانہ ہوکر رات کو لکھنؤ پہنچے اور دوسرے دن یعنی یکم جنوری ۱۹۷۹ء کی دوپہر کو دریاباد مع منجھلی صاحب زادی یعنی برادر محترم حبیب احمد قدوائی کی بیوی کے دریاباد گئے، اور ۲ کی صبح کو مرحومہ کے انتقال کی خبر بذریعہ ٹیلی فون مکتوب الیہ نے ہم لوگوں کو لکھنؤ میں دی۔ عم مرحوم کو اطلاع کرنے میرے چھوٹے بھائی عبدالعلیم سلمۂ مع میری بیوی کے کار پر گئے، مرحومہ کی چہیتی بھتیجی حامدہ حبیب اللہ نے دی تھی اور علیم سلمۂ سے عم مرحوم کو اس سانحہ کی اطلاع ہوئی۔

(۴) مرحومہ مکتوب الیہ کو بہت چاہتی تھیں۔

(۵) تجہیز و تدفین اور ہر چیز مکتوب الیہ نے کی۔

شجاع الدین صاحب[1] برمکان ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم ومغفور لاہور

دریاباد۔
۱۰ر دسمبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السلام

اللہ مرحوم ومغفور کو زیادہ سے زیادہ دینی نعمتوں اور نوازشوں سے مالامال فرمائے اللہ کے ہاں سے بلاوا بھی تو عین رمضان میں آیا اور وہ بھی اس کے دوسرے عشرہ میں جو مخصوص ہے رحمت ومغفرت کے لیے۔ مرحوم کی زندگی جس طرح قابل رشک تھی اپنی دینی خدمات کے لیے اسی طرح یہ موت بھی قابل رشک پائی۔ اپنی والدہ اور بہنوں کو خاص طور سے میرا یہ پیام ہمدردی وتعزیت پہنچا دیجئے۔ اچانک صدمہ شدید ترین صدمہ ہوتا ہے صبر آتے آتے ہی آئے گا۔ بہرحال مرحوم کی خوش نصیبی میں شک نہیں بہترین سرور ونعمت کی جگہ پہنچ گئے ہیں۔ چند گھنٹے قبل کراچی سے ایک صدق نواز نے "حریت" یکم دسمبر کا ایک تراشہ بھیج دیا تھا۔ اسے پڑھ کر دل دھک سے رہ گیا تھا۔ اور دل سے دعائیں کرتا تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا عبدالباری ندویؒ دونوں کو خبر پہنچائے دیتا ہوں۔ صدق اس ہفتہ کا تو زیر طبع ہے آئندہ ہفتہ انشاءاللہ مفصل نوٹ دوں گا۔

شریک غم ودعاگو۔

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد ڈاکٹر رفیع الدین صاحب ان لوگوں میں تھے جن کے نہ صرف علم وفضل بلکہ حکیم ہونے کے مولانا مرحوم پوری طرح قائل تھے اور اس لیے کہ یہ خالص علمی رنگ میں اسلام کی بڑی ہی قابل قدر خدمت اپنی تحریروں سے کر رہے ہیں۔ صدق میں بار بار مولانا نے اس پہلو کو اجاگر کیا۔ ان کی اسلامیت اور دینی جذبے کے بڑے مداح تھے ان کے دفعتہً

انتقال کا مولانا کو بہت صدمہ ہوا۔

(۲) مرحوم ڈاکٹر صاحب کو رکشا الٹنے کا حادثہ پیش آیا تھا۔ اس کی اطلاع ایک صاحب نے تحریت "کا تراشہ بھیج کر کی لیکن یہ چوٹیں جان لیوا ثابت ہوئیں۔

(۳) یہ دونوں حضرات بھی ڈاکٹر صاحب کے علم وفضل حکیمانہ نظر اور اسلامی حمیت وغیرت کے بڑے معترف اور قائل تھے۔

جناب وفا ملک پوری اڈیٹر "صبح نو" پٹنہ

دریاباد۔
۱۵ر دسمبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ

مکرم بندہ! السلام علیکم

آپ کا تازہ رسالہ دو ایک دن سے آیا ہوا تھا آج اتفاق سے پہلے صفحہ پر نظر پڑگئی۔ رفیق زندگی کی جدائی خود ہی کیا کم ہوتی ہے کہنا چاہیئے کہ یہ تو ام الصدمات ہے چہ جائیکہ اور بھی قریب کے عزیز ایک ایک کر کے اٹھ جائیں اور دوسرے مصائب کا بھی اجتماع ہوجائے اللہ ہی آپ کے دل کو سنبھالے رکھے۔

مومن کے لیے تو ہر غیبی صورت محض مہر بصورت قہر ہوتی ہے۔ ہر ایک کا پورا اجر موعود ہے۔ دنیا کی راحتوں، لذتوں کا کوئی مقابلہ ہی ابدی راحتوں اور لذتوں سے نہیں اور یہ اضطراری مجاہدے جو کرائے جاتے ہیں سب اسی جنت کے لیے ہیں جو ہر کلمہ گو کی منزل مقصود ہے۔

اللہ ہم کو آپ کو سب کو اس گہری حقیقت کا حقیقی احساس عطا کرے اس کے بعد ہر تلخی انشاء اللہ شیریں بن کر رہے گی۔ والسلام

دعاگو
عبدالماجد

خدیجہ سلمہا بیگم[۱] چودھری الطاف حسین قیصر باغ لکھنؤ

دریاباد۔
۲۲ر دسمبر ۱۹۶۹ء   بسم اللہ

عزیزہ سلمہا!   دعائیں

مومن مخلص کی موت یوں ہی ہمیشہ اچھی ہی ہوتی ہے پھر تمہارے والد کی وفات جو شاید عین رمضان میں یا اس کے متّصلاً بعد ہی ہوئی ہے یہ توجنت کی طرف بلاوا بلکہ صاف ڈبل بلاوا تھا۔ سب سے بڑھ کر ان کی طرف سے گواہی دینے والی ان کی شدید پابندی نماز باجماعت ہوگی کیسی کیسی مسجدوں کے در و دیوار گواہی دیں گے جہاں وہ دور دور محض نماز کے لیے پہنچے تھے۔

تمہارے ذاتی صدمے یوں ہی کیا کم تھے اور سالہا سال سے چلے آرہے تھے کہ اب ان پر ایک اور کا اضافہ ہوا۔

عقلاً خوش ہو کہ اس طرح تمہارے مرتبے بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے ہیں مومنہ کی ادنیٰ سی بھی تکلیف اس کا مرتبہ بڑھاتی رہتی ہے۔

والدعا

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا رشتے میں مولانا کی بھانجی ہوتی تھیں۔ ان کی والدہ مولانا کی بیگم صاحبہ کی ہم سن اور پرانی سہیلی تھیں اور دونوں میں بڑے مخلصانہ تعلقات تھے مکتوب الیہا کے والد چودھری اکبر حسین آئی۔سی۔ایس جوڈیشل لائن میں برسہا برس رہے جج اور آخر میں جوڈیشل سکریٹری اور LEGAL REMEMBRANCER ہوگئے اور تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہوگئے اور وہاں بھی اونچے عہدے پر رہے۔ دینداری بلکہ تقویٰ میں ممتاز تھے یہ تعزیت نامہ

ان ہی کے استقبال پر ہے۔

(۲) چودھری اکبر حسین مرحوم۔

مولوی محمد حسین شمس علوی کاکوروی ایڈیٹر رسالہ فروغ اردو مالک انوار بک ڈپو لکھنؤ

دریاباد۔

۴ر مئی ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

واسطہ در واسطہ آپ کے یہاں سانحہ کی خبر مجھ تک بھی پہنچی اور دل دھک سے ہو کر رہ گیا۔ سانحہ بجائے خود بھی کم نہ تھا۔ پلے پلائے، ہنستے دوڑتے لخت جگر کا آنکھوں کے سامنے سے اُٹھ جانا ماں باپ کے لیے کس درجہ صبر آزما تھا چہ جائیکہ یوں آناً فاناً چٹ پٹ دشمنوں تک کے دل دہلا دینے پگھلا دینے کے لیے کافی! ـــــ آپ لوگوں پر قیامت گزر کر رہی ہوگی۔ کیا کیا ارمان آپ لوگوں کے دلوں میں ہوں گے۔ پڑھنے بڑھانے کے، شادی بیاہ کے، ہر طرح کے دنیوی و اُخروی فلاح و بہبود کے ـــــ بجلی ان پر گر پڑی بے وہم و بے گمان۔

ایسا کڑا امتحان تو بس عالی ظرف ہی کا لیا جاتا ہے خوش ہو جیئے کہ تمام ازل کی میزان میں آپ عالی ظرف پائے گئے۔

اور اس وقت کی خوشی کا تو کہنا ہی کیا جب وہ معصوم روح ہنستی کھیلتی ہوئی آپ کو اس عالم میں سے لے جانے کے لیے استقبال کو آئے گی اور پھر دوبارہ مچلتی ہوئی جنت میں آپ کو کھینچتی ہوئی لے جائے گی۔

اس وقت رشک کریں گے آپ کے نصیب پر دوسرے اور نصیبہ پر آپ خود۔

والسّلام

سوگوار عبدالماجد

(۱) نہ صرف مکتوب الیہ کے بلکہ ان کے والد مولوی حاجی محمد حسن صاحب جو مولانا تھانوی کے مرید بھی تھے اور ان کے دوسرے قریبی اعزہ مثلاً مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علوی سے مولانا مرحوم کے مخلصانہ تعلقات تھے اور مکتوب الیہ سے ہم سب لوگوں کے بھی مخلصانہ تعلقات ہیں خاص کر برادر محترم حبیب احمد صاحب سے۔ تعزیت نامہ مکتوب الیہ کے صاحب زادے کے انتقال پر بھیجا گیا۔

صاحبزادگان بشیشور پرشاد منور لکھنوی، آدرش کتاب گھر دریا گنج دہلی

دریاباد۔

۲۰؍ مئی ۱۹۷۰ء بسم اللہ

عزیزان من!

کل شام کو دہلی کے ایک انگریزی روزنامہ میں آپ کے والد ماجد کی وفات کی خبر پڑھ اور دل نے بڑا حزن و ملال محسوس کیا۔

اردو کی بڑی خدمت کر گئے اپنے ترجموں سے بھی اور اپنی شاعری سے بھی خدمت اردو میں اپنے والد کے قدم بہ قدم تھے بلکہ ان سے بھی آگے بڑھ گئے تھے۔ خدا آپ لوگوں کو صبر عطا فرمائے۔

عبدالماجد

مولانا عمران خاں ندوی مسجد شکور خاں بھوپال کے نام

(مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کی وفات پر تعزیت نامہ)

دریاباد۔

۸ مارچ ۱۹۷۰ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

تعزیت کیا کروں، کن الفاظ میں کروں۔ بس ملت نے اپنی عزیز ترین متاع گم کردی دعائے مغفرت تحصیل حاصل ہے وہ خود ہی انشاء اللہ دوسروں کی مغفرت کرائیں گے۔ زندگی ہی میں میں نے یہ بین طور پر محسوس کیا کہ عالم آخرت ان کے لیے اجنبی نہ تھا گویا دو گھر رکھتے تھے ایک اس عالم آب و گل میں ایک آخرت میں براہ کرم مخدوم مرحوم کے سب صاحبزادوں اور صاحبزادیوں سے میری طرف سے تعزیت فرمائیے۔

آئندہ ہفتہ کا پرچہ مرتب ہو چکا تھا۔ دوسرے مضمون خارج کرکے آپ کے مراسلہ[۲] کو جگہ دے رہا ہوں خود میرا نوٹ اس کے بعد کی اشاعت میں ہوگا۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) حضرت شاہ صاحب بڑے ہی مقدس اور برگزیدہ بزرگ اور خاصان حق میں تھے۔ مولانا مرحوم ان سے بہت متاثر تھے۔ اور کئی بار محض حضرت مرحوم کی زیارت اور ان کی باتیں سننے بھوپال تشریف لے گئے۔ مکتوب الیہ کی حضرت مرحوم سے خاص ارادت تھی اس لیے یہ تعزیت نامہ بھیجا گیا۔

(۲) یہ مراسلہ حضرت مرحوم کے وصال اور حالات کے بارے میں تھا۔

طارق محسن قدوائی جگور ضلع بارہ بنکی

دریاباد۔

۱۶ر جون ۱۹۷۰ء   بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ!   دعائیں

سہ پہر کو اخبار میں تمہارے والد مرحوم کی خبر وفات دفعتًا پڑھ کر دل دھک سے ہوگیا۔ اللہ پاک مغفرت فرمائے اور تم سب لوگوں کو توفیق صبر عطا فرمائے۔

لڑکے کا سن کچھ بھی ہوجائے باپ کی زندگی بھر وہ لڑکا ہی بنا رہتا ہے ان کے انتقال سے دنیا ہی بدل جاتی ہے اور ذمہ داری پہلی بار اپنے سر آپڑتی ہے اللہ اس آزمائش میں کامیاب کرے۔

پردیس کی موت کا ایک خاص اجر ہوتا ہے وہ نعمت مرحوم کو مل گئی مجھے تو ان کی طالب علمی شادی وغیرہ کی ایک ایک منزل یاد ہے۔

خالد سلمہٗ کا پتہ نہیں معلوم ورنہ انھیں بھی تعزیت نامہ لکھتا۔ تمہاری خالہ ماموں بہنیں سب ہی تعزیت کی مستحق ہیں۔

بہرحال اب تو یہی دعا ہے کہ اللہ مرحوم کے درجات بلند کرے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے نواسے ہوتے تھے اور ان کی چچازاد بہن کے نواسے

(۲) شیخ مومن علی قدوائی جگوری جو مولانا مرحوم کے داماد ہوتے تھے۔

(۳) مرحوم کا انتقال پاکستان میں ہوا تھا۔

(۴) مکتوب الیہ کے چھوٹے بھائی۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کرامت منزل لکھنؤ کے نام
(ان کے والد کے سانحہ ارتحال پر)

دریاباد۔
۲۴ر دسمبر ۱۹۷۰ء   بسم اللہ

برادرم!   السّلام علیکم

سانحہ کی خبر ابھی بیباک میں نظر سے گزری۔ اِنّا للہ وَ اِنّا الیہ راجعون۔
باپ کی موت کسی سن میں بھی ہو اولاد کے حق میں ایک ابتلاء عظیم ہے اور پھر باپ جو اس قدر پابند شریعت اور دین دار ہو۔ مومن کی موت یوں ہی رحمت الٰہی کا مظہر ہوتی ہے اس پر شب جمعہ کی رحمت۔ علی میاںؔ کی امامت نماز جنازہ وغیرہ مستزاد اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ ہر امتحان پر اجر بھی درجۂ امتحان کا ہوتا ہے بس اسی حقیقت کو ہر وقت دل میں تازہ رکھئے انشاء اللہ پوری تسکین حاصل ہو جائے گی۔

والسّلام۔ دعاگوئے مغفرت
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ تمام ملی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی کے اولڈ بوائے ہیں اور اولڈ بوائز ایسوسی ایشن اور مسلم مجلس کے صف اول کے لیڈروں میں۔ حضرت مولانا علی میاں کے خاص لوگوں میں ہیں۔ ڈاکٹر عبدالعلی صاحب مرحوم کے بعد مولانا مرحوم کے معالج رہے اور بڑی دل سوزی سے مولانا مرحوم کے فالج کا علاج کیا ایسے بھی ہم سب لوگوں کے معالج رہتے ہیں اور بڑی خصوصیت کرتے ہیں۔

(۲) سہارن پور کا ہفتہ وار۔

(۳) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

محمد خاں⁽¹⁾ معرفت اقبال محمد خاں کوا ٹریا ٹیلی فون ایکسچنج کراچی

دریاباد۔
۲۷ر اکتوبر ۱۹۷۰ء
بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

غم نامہ ملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اللہ صبر دے اور مرحومہ کی مغفرت کرے۔ دعا فوراً ہی کر دی تھی۔ صدمہ تو اولاد کو بھی ہوتا ہے۔ اور ماں اولاد کے حق میں کہنا چاہیے کہ سب سے بڑی نعمت ہوتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ تعزیت وہمدردی کے قابل شوہر ہوتا ہے اس سن میں تو اس کی زندگی ہی گویا ختم ہو جاتی ہے۔ بیوی اس کے حق میں ایسی نعمت ہوتی ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔

شروع جنوری ۱۹۶۹ء میں خود یہ زخم کاری کھا چکا ہوں اس دن سے آج تک کھل کر ایک بار بھی ہنسی نہیں آسکی ہے بس اب جنت ہی میں انشاء اللہ ملاقات ہوگی اللہ ہر مومن اور مومنہ کو یہ درجہ نصیب کرے۔

والسلام دُعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد دوست محمد صاحب سیتاپور میں مولانا کے اسکول فیلو تھے اور پاکستان بننے کے بعد وہاں منتقل ہو گئے تھے۔ مکتوب الیہ نے اپنی والدہ کے انتقال کی خبر دی اس پر مولانا نے یہ تعزیت نامہ لکھا۔

حاجی بہاء الدین صاحب یاقوت پورہ حیدر آباد

دریاباد۔
۱۱ر نومبر ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

عزیزی و شفقی! وعلیکم السلام

جمعہ کی موت تو بڑی مبارک موت ہے صرف خوش نصیبوں ہی کے حصہ میں آتی ہے اعمال صالحہ اور اولاد صالح موجود ہوں اس پر مستزاد۔ انشاء اللہ مغفرت یقینی ہے بہرحال دعا خط پڑھتے ہی کردی اور اس کے بعد بھی۔ عزیز کا عزیز اپنا ہی عزیز ہو جاتا ہے۔ گھر کی لڑکیاں بھی دعا میں شریک ہیں۔ اولاد کی دعا والدین کے حق میں پوری ہی موثر ہوتی ہے چہ جائیکہ رمضان میں۔ والسلام

دعاگو

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے مخلص خصوصی تھے۔ وہ انھیں "بے بہا" کہا کرتے تھے ان کے اخلاص و فہم دونوں کے قائل تھے۔ مکتوب الیہ نے خط و کتابت کا سلسلہ مولانا کی آخر زندگی تک قائم رکھا اور اب تک ہم لوگوں سے وہی رشتہ اخلاص قائم رکھے ہوئے ہیں۔

احمد سعید صاحب انجنیر بر مکان شفاء الملک حکیم عبد اللطیف صاحب مرحوم جھوائی ٹولہ لکھنؤ

دریاباد۔
۱۲ر نومبر ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! السلام علیکم

کیا بیان ہو کہ حکیم صاحب مرحوم کی خبر وفات پڑھ کر کس درجہ صدمہ دل کو ہوا یہ معلوم ہوا کہ کوئی عزیز ہی نہیں عزیز قریب ہی دفعتہً چھٹ گیا۔ خاندانی تعلقات چوتھی پشت سے چلے آرہے تھے۔ اپنی والدہ وغیرہ کی زبان سے بچپن میں حکیم محمد یعقوب صاحب اور حکیم محمد ابراہیم صاحب کے حالات بارہا سننے میں آئے اور پھر شفاء الملک حکیم عبدالمجید اور شفاء الملک حکیم عبداللطیف دونوں ذاتی طور پر میرے انتہائی کرم فرما تھے۔ برسوں سے یہ معمول تھا کہ جہاں بیمار پڑا لکھنؤ چلا آیا اور اپنے کو انھیں شفاء الملک کے سپرد کر دیا۔

اتفاق سے کبھی مرحوم نے ان عزیز کا ذکر ہی نہیں کیا اس لیے مجھے آپ کے وجود کی خبر بھی نہ ہوئی۔ سوچتا رہا کہ تعزیت کروں تو کس سے کروں اب کل محض اتفاق سے حکیم عبدالقوی دریابادی کی زبانی علم ہوا۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے دل سے دعا نکلتی ہے۔ وسط رمضان کی موت اور پھر جمعہ کے دن قابل رشک موت پائی۔ اور سارے عزیزوں کی خدمت میں بھی یہی پیام تعزیت۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ شفاء الملک حکیم عبداللطیف صاحب کے فرزند تھے۔ مرحوم کے انتقال پر یہ تعزیت نامہ ان کے نام گیا۔ شفاء الملک مرحوم کے انتقال کا مولانا پر بہت اثر تھا۔

(۲) شفاء الملک مرحوم بھی مولانا مرحوم سے بڑی ارادت مندی اور خلوص کا تعلق رکھتے تھے۔ ان سے خاندانی تعلقات چلے آتے تھے۔ اس کا ذکر اس تعزیت نامہ میں آگیا ہے۔

(۳) ہر دو حضرات شفاء الملک مرحوم کے مورثوں میں تھے۔

(۴) شفاء الملک مرحوم کے برادر بزرگ ان سے بھی اسی درجہ کا ہمارے خاندان

سے مخلصانہ تعلقات تھے مولانا کی بیگم صاحبہ اور صاحب زادیوں کے بھی معالج رہے اور بڑی توجہ فرماتے تھے۔ فروری ۱۹۶۹ء میں ان کے انتقال پر مولانا مرحوم نے حکیم عبداللطیف صاحب کو تعزیت نامہ لکھا جو اس کتاب میں شامل ہے۔

قمر حسن خاں پسر ظفر حسن خاں، زرد کوٹھی شاہ گنج لکھنؤ

دریاباد۔

۱۶ دسمبر ۱۹۷۰ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السّلام

اپنی والدہ ماجدہ کی وفات پر دلی تعزیت قبول کرو اور اپنے بھائی بہنوں کو بھی پہنچا دو۔ رمضان اور پھر اس کے عشرۂ ثانی کی موت تو پروانۂ جنت ہوتی ہے اس سے بڑھ کر مبارک وقت اور کون سا ایک مسلمان کے لیے ہوگا۔

اللہ ان مرحومہ کو غریق رحمت کرے اور سارے عزیزوں کو توفیق صبر دے اگر مجلس چہلم لکھنؤ میں ہوتی تو میں ضرور شرکت کی کوشش کرتا۔

ماں کی ذات ایک نعمت لاثانی ہوتی ہے سن کچھ بھی ہو جائے کوئی دوسری نعمت اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔ والسّلام

دعاگو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد مولانا مرحوم کے کالج کے ہم درس اور بڑے ہی مخلص دوستوں میں تھے ــــ اور یہ رشتہ اخلاص ان کے انتقال تک یعنی کوئی ۴۵ - ۴۶ برس تک قائم رہا۔ مکتوب الیہ نے اپنی والدہ کے انتقال کی اطلاع دی تھی اس پر یہ تعزیت نامہ گیا۔ خاں بہادر مرحوم اتحاد بین المسلمین یعنی شیعہ سنی اتحاد کے علمبرداروں میں تھے

اور مولانا اس جذبہ کی بڑی قدر کرتے تھے۔

عبدالرؤف صاحب عباسی مُرشد آباد بلیس گولہ گنج

دریاباد۔
۲۰ دسمبر ۱۹۷۰ء بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

خدا کرے بمبئی سے واپسی مع الخیر ہوئی ہو اور مرض میں نمایاں افاقہ ہوگیا ہو، آپ لوگوں پر جو آسمان ٹوٹ پڑا اُس پر سوا اس کے اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کو کوئی بڑا امتحان لینا اور اسی کی مناسبت سے جزائے عظیم دینا مقصود ہے جب ہی اتنی حیرت انگیز، حسرت انگیز، عبرت انگیز موت واقع کر دکھائی گئی۔ بچے اور بوڑھے اپنے اور پرائے سب ہی انگشت بدنداں! پردیس کی موت اور وہ بھی ایسی بے کسی سے خود ہی ایک پروانہ مغفرت ہے اور موت کس کی؟ ایک جوان صالح کی ؑ۔ اپنے سارے کنبے کی پرورش کرنے والے اور اپنی ماں کی قلبی خدمت میں لگے رہنے والے کی ؑ۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور آپ سب لوگوں کے لیے کوئی سبیل معاش جلد سے جلد نکال دے۔

اس جنوری میں لکھنؤ حاضری کا قصد ہے اور پہلا کام آپ کی خدمت میں تعزیت اور عیادت دہرے فریضے کے لیے حضوری ہے۔

مرحوم جب مجھے خط لکھتے یا جب ملتے تو اس ادب و احترام اور اس اخلاص و محبت سے کہ بالکل سگے بھتیجے کا لطف آجاتا دل سے دعائیں بے اختیار نکل رہی ہیں ــــ

والسلام دعاگو و دعا خواہ
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی مولانا مرحوم کے مخلصین میں تھے اور ۱۵ برس تک "صدق جدید" کے بیش رو صدق کے منیجر رہے بالکل عزیزوں کے سے تعلقات تھے۔

(۲) اس سے مراد مکتوب الیہ کے بڑے ہی ہونہار اور سعید بھتیجے جو اپنا اخباری نام اپنے ان چچا کے نام پر عبدالرؤف عباسی جونیر لکھتے تھے کے دفعتاً سانحہ ارتحال پر ہے۔ مرحوم ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں مقیم تھے اور وہیں کار کے حادثہ کے شکار ہوئے۔ مرحوم بڑے صالح اور متقی نوجوان تھے۔

(۳) مرحوم ہی سارے کنبہ کے مصارف کے کفیل تھے اس لیے کہ مکتوب الیہ کا اخبار "حق" کئی برس ہوئے بند ہو چکا تھا اور پریس بھی فروخت ہو چکا تھا اور خود مکتوب الیہ بھی علیل تھے۔ ڈاکٹروں نے کینسر کا مرض تشخیص کیا تھا۔

(۴) مرحوم کئی برس سے جرنلزم کی ڈگری لینے کے بعد ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے بڑے اونچے روزنامے سے منسلک تھے۔ اور اپنے قلم سے مسلمانوں کی خدمت کر رہے تھے۔

مولوی عبدالحمید ندوی[۱] جے سکھ پور[۲] ضلع بارہ بنکی

دریاباد۔

۔سار دسمبر ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

اللہ صبر عطا فرمائے۔ رفیق زندگی کا ساتھ چھوٹنا اللہ کی طرف سے ایک سخت آزمائش ہوتی ہے۔ خود اس تلخی کا مزہ دو برس سے چکھ رہا ہوں اللہ ہر مسلمان کو اس میں کامیاب کرے۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی شروع طالب علمی ہی سے مولانا کے مخلصوں میں تھے۔
(۲) مکتوب الیہ کا وطن جو دریاباد سے چند میل کے فاصلہ پر تھا۔
(۳) مراد مولانا کی بیگم صاحبہ کے انتقال سے ہے۔

محمد جمال الدین صاحب، دارالاسلام باڑہ ضلع پٹنہ

دریاباد۔
۱۷ فروری ۱۹۷۱ء بسم اللہ

مہربان بندہ! السّلام علیکم

والدہ کا سایہ سر سے اُٹھ جانا زندگی کے بڑے صدموں میں سے ہے
اللہ پوری طرح مغفرت فرمائے اور آپ سب لوگوں کو صبر عطا فرمائے۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

کمال محمد خاں، ٹیلی فون ایکسچینج کراچی

دریاباد۔
۱۳ اپریل ۱۹۷۱ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السّلام

اللہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور سارے عزیزوں کو توفیق صبر۔
اچھا ہوا کہ بیوی سے جاکر جلد مل گئے اور زیادہ طویل جدائی نہیں جھیلنا پڑی۔ وفات کی خبر کئی دن ہوئے نادم سیتاپوری صاحب کے خط سے مل چکی تھی اور تعزیت بھی ان سے اسی وقت کر دی تھی۔

زندگی میں ملاقات کی ایک موہوم سی امید جو ایک بچپن کے رفیق سے تھی وہ بھی آج ختم ہوگئی۔ اِنّا لِلّٰہ۔ والسّلام

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد مولانا مرحوم کے سیتاپور اسکول میں ساتھی تھے۔ برسہابرس کے بعد ان کے کراچی میں ہونے کی اطلاع مولانا مرحوم کو نادم سیتاپوری صاحب نے دی اس سے مولانا بڑے خوش ہوئے۔ اس سے پہلے برابر نادم صاحب سے ان کے سیتاپور میں قیام کے زمانے میں خیریت پوچھتے رہتے تھے۔ مرحوم کی رفیقہ حیات کے انتقال کی اطلاع پانے پر مرحوم نے ان کے صاحب زادے کے نام تعزیت نامہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۷۰ء کو لکھا تھا (۲) یعنی چند ہی مہینے کے بعد مرحوم کا انتقال ہوگیا۔

مولانا حاجی حافظ ابوالقاسم محمد عتیق صاحب ٹکسال چوک فرنگی محل لکھنؤ

دریاباد

۱۲ر جون ۱۹۷۱ء

بسم اللّٰہ

برادرم! وعلیکم السّلام

کل دوپہر کو اخبار سے حادثہ کی خبر ہوئی۔ اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلیہ رَاجعون۔

یہ ایک اضطراری سنت نبوی ہے جو خوش نصیب شوہروں کو حاصل ہوجاتی ہے ایک تو اتنی طویل وتکلیف دہ علالت اور پھر انتقال کا وقت جمعرات کی شام، جمعہ کی تدفین ایک بڑے مجمع کی نماز جنازہ، مغفرت ومغفوریت کے لیے اسباب متعدد رکھتے ہیں۔

طویل العمر بیوی سے جو رشتہ انس وموانست قلب کا پیدا ہوجاتا ہے اس کا بدل دنیا میں ممکن نہیں بہرحال اب وقت ہے۔ استعینوا بالصبر والصلوۃ پر کاربند ہوجیے

اور اجر بے حساب حاصل کیجیے۔ والسّلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کے پشتینی تعلقات تھے۔

مولانا اسعد میاں ناظم جمیعتہ العلماء ہند دہلی

دریاباد۔

۲۵ رجون ۱۹۷۱ء بسم اللہ

عزیز مکرم! السّلام علیکم

آپ کے عم محترم[۱] کی وفات حسرت آیات پر آپ سے دلی تعزیت کرتا ہوں۔ اللہ مرحوم کو غریق رحمت فرمائے۔ والسّلام

دُعاگو

عبدالماجد

(۱) مولانا محمود احمد صاحب جن کا قیام مدینہ منورہ میں تھا یہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمتہ اللہ علیہ سے سن میں چھوٹے تھے۔

ممتاز علی وارثی صاحب بی اے، سپرنٹنڈنٹ ڈسٹرکٹ کورٹ سنگاریڈی آندھرا

دریاباد۔

۱۳ر جولائی ۱۹۷۱ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

آں عزیز کی والدہ مرحومہ کی اللہ مغفرت فرمائے۔ خط پاتے ہی دعا کر دی تھی۔

یہ نعمت بے بدل ہوتی ہے۔ بھائی معصوم علی مرحوم[1] میرے مخلصوں میں تھے ان کے لڑکے کو ضرورت کسی مزید تعارف کی ہرگز نہ تھی۔ کئی سال قبل کی ملاقات بھی مجھے یاد پڑ گئی غالباً ظہور مرحوم موہانی[2] کے مکان پر ہوئی تھی ــــ والسّلام

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد حیدرآباد میں وکالت کرتے تھے۔ ان کا وطن ضلع بارہ بنکی ہی تھا ان سے مولانا مرحوم کے خاصے تعلقات رہ چکے تھے۔

(۲) ان کا ذکر پچھلے خطوں میں آچکا ہے۔ مولانا مرحوم کے برانے اور مخلص دوست سید ابن الحسن موہانی کے بھانجے اور داماد۔

مقبول احمد لاری[1]، لاری ہاؤس اقبال منزل نواب حامد حسن روڈ لکھنؤ

دریاباد۔

۲۰؍جولائی ۱۹۷۱ء بسم اللہ

مکرم بندہ! السّلام علیکم

خیر مرحوم[2] کی خبر وفات کل پڑھی دعائے مغفرت اسی وقت کر دی۔

تعزیت نامہ سوچتا رہا کہ کس کے نام لکھوں ان کے عزیزوں سے میں واقف نہیں آخر نظر آپ ہی کے نام پر گئی۔

اردو کے مخلص خادم عمر بھر رہے میرے مخلص عنایت فرما تھے۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ والسّلام

دعـاگو

عبدالماجـد

(۱) مکتوب الیہ کا ماشاء اللہ نیپال میں بہت اچھا کاروبار چل رہا ہے اور یہ ماشاء اللہ بڑے مخیر شخص ہیں۔ مولانا مرحوم سے ارادت مندانہ تعلق اخلاص رکھتے تھے مکتوب الیہ اپنے ہاں تقریبات میں مولانا مرحوم کو بڑی ہی خصوصیت سے مدعو کرتے تھے اور مولانا وقت نکال کر ان میں شریک ہوتے تھے۔

(۲) یہ مرحوم انجمن ترقی اردو ہند کے دفتر میں بابائے اردو مولوی عبدالحق کے پاکستان جانے سے پہلے کام کرتے تھے اور اس کے بعد جب انجمن کے سکریٹری قاضی عبدالغفار ہوئے تو ان کے ساتھ علی گڑھ میں برسوں کام کیا۔ اردو کے بڑے ہی مخلص اور کارگزار خادم تھے اور آخر دم تک بڑے جوش سے اس کا کام کرتے رہے۔

جناب شیخ مستنصر اللہ صاحب[۱] نزد زندہ عجائب گھر بنارسی باغ لکھنؤ

دریاباد۔
۱۵ ستمبر ۱۹۷۱ء

بسم اللہ

مکرم بندہ! السلام علیکم

کل شام کو آپ کے بھائی مرحوم حافظ غضنفر اللہ کے انتقال کی خبر پڑھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ بھائی کی وفات کا صدمہ ہونا بالکل طبعی امر ہے۔ اللہ آپ کو اور سارے عزیزوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

دعائے مغفرت اسی وقت کردی تھی اور اس وقت بھی کر رہا ہوں۔ مرحوم سن دار تھے اور سن دار ہونا تو خود مومن کے لیے ایک سبب مغفورت ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ مجھے بوڑھے مومن سے سوال کرتے مروت آتی ہے۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بڑے پختہ اور مخیر مسلمان ہیں دینی اور ملی کاموں میں بہت پیش پیش رہتے ہیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے بھی ممبر ہیں اور اس کے جلسوں میں بڑی پابندی سے شریک ہوتے ہیں اور مسلمانوں کی سیاسی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے رہتے ہیں

(۲) مکتوب الیہ کے بھائی ان کا بھی ماشاء اللہ بڑا اچھا کاروبار تھا۔ یہ مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لے چکے تھے۔

جناب حامد انصاری صاحب[۱] ڈپٹی سکریٹری وزارت خارجہ نئی دہلی

دریاباد۔
۲۱ ستمبر ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

مکرم بندہ! السلام علیکم

ابھی الجمعیۃ سے اسد اللہ کاظمی صاحب کی خبر رحلت معلوم ہوئی۔ إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحوم میرے بھی پرانے کرم فرما تھے اور پختہ مسلمان دعائے مغفرت دل سے کر رہا ہوں۔ مرحوم کے کسی عزیز قریب کے نام اور پتے سے مجھے واقفیت نہیں اس لیے اخبار میں آپ کا پتہ دیکھ کر آپ ہی کو تعزیت نامہ لکھ رہا ہوں۔

بیوی کو اور سب عزیزوں کو اللہ صبر عطا فرمائے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مسلم یونیورسٹی کے بڑے ہی ہونہار طالب علموں میں سے تھے۔ راقم السطور کے بڑے قابل شاگرد رہے طالب علمی کے بعد فارن سروس کے مقابلے کے امتحان میں کامیاب ہوئے اور فارن سروس میں ان کا تقرر ہوگیا۔ اس وقت عرب امارات میں ہند کے سفیر ہیں۔

ان کے والد مولوی عزیز انصاری بھی ایم اے او کالج کے ممتاز طالب علموں میں تھے۔ اور اس زمانے کی قومی تحریکوں میں پیش پیش رہے۔ جنگ بلقان کے مورچہ پر طبی وفد ڈاکٹر انصاری مرحوم کی قیادت میں گیا اس کا ایک ممبر یہ بھی تھے۔ اس کے بعد تحریک عدم تعاون میں حصہ لیا۔

(۲) یوپی میں انسپکٹر آف اسکولز رہے اور اپنی اسلامیت کے لیے ممتاز رہے۔

ایس ایم عباس صاحب ناظم آباد کراچی

دریاباد۔

۹ راکتوبر ۱۹۷۱ء بسم اللہ

مخلص و مشفق! وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ

اولاد اگر دس بھی ہوں تو ایک کا بھی اٹھ جانا صدمۂ عظیم کا باعث ہوگا چہ جائیکہ جب لڑکا ایک ہی ہو اور وہ بچہ نہیں پرورشں پایا ہوا جوان! معاذ اللہ! کیا کچھ ماں باپ پر گزر رہی ہوگی ــــــ

عزیزی حکیم عبدالقوی کے نام کا خط پڑھا اور دل بہت ہی کڑھا۔ مرحوم کے لیے دعائے مغفرت اور آپ کے لیے دعائے توفیق صبر دونوں ساتھ ہی ساتھ زبان سے نکلے۔ امتحان بڑا بھی ہوا اور کڑا بھی۔ عقلاً آپ خوشں ہو جیے کہ آپ کا ظرف امتحان عظیم کے اہل سمجھا گیا ایسے امتحان صرف عالی ظرفوں کے ہوتے ہیں۔

خدا جانے کیا کچھ اجر آپ کے لیے تیار ہوا ہوگا۔ آج ہم آپ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے دوسرے آپ پر ترس کھا رہے ہیں کل وہی آپ پر رشک کریں گے۔

آپ میرے حق میں دعائے عاقبت داریں کی کریں۔ مبتلائے غم کی دعا مقبول ہوتی ہے۔

والسّلام، دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

ڈاکٹر نور الحسن[1] وزیر تعلیم نئی دہلی

دریاباد۔

۱۸ را کتوبر ۱۹۷۱ء بسم اللہ

عزیز مکرم! السلام علیکم

اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال پر میری طرف سے تعزیت قبول ہو۔ ماں کی محبت کا بدل دنیا کی ساری نعمتیں مل کر نہیں کر سکتیں ـــــــ

میرے بھائی صاحب مرحوم مولوی عبدالمجید صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر کے تعلقات آپ کے والد ماجد[2] سے بہت گہرے تھے اور سر وزیر حسن[3] کے تعلقات میرے والد مرحوم ڈپٹی عبدالقادر سے اور بھائی صاحب اور مجھ سے اچھے خاصے رہ چکے ہیں۔

اخبار میں آپ کی والدہ مرحومہ کی مجلس سوئم کا اعلان پڑھ کر ممکن نہ ہوا کہ آپ کو تعزیت نامہ نہ لکھوں ــــ والسّلام

دُعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کچھ ہی دن پہلے وزیر تعلیم ہوئے تھے۔

(۲) سید عبدالحسن صاحب ان کا اور والد مرحوم کا کالج میں ساتھ رہا اور پھر دونوں ساتھ ساتھ ڈپٹی کلکٹر رہے۔ جب تک والد مرحوم زندہ رہے برابر مکتوب الیہ کے والد سے ملاقات جاری رہی۔

(۳) مکتوب الیہ کے نانا اور آل انڈیا مسلم لیگ لکھنؤ کے سکریٹری اور صدر اور

ادھر چیف کورٹ کے چیف جسٹس۔ ان کا انتقال ۱۹۴۷ء میں ہوا۔

سعید الملک حافظ سعید احمد خاں صاحب چھتاری، چھتاری ہاؤس علی گڑھ

دریاباد۔
۲۶ نومبر ۱۹۷۱ء
بسم اللہ

مخدوم و مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ابھی قومی آواز کی ایک کا بنوری تعزیتی میٹنگ کی خبر سے معلوم ہوا کہ بیگم نواب چھتاری راہی ملک بقا ہوگئیں۔ اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلیہ رَاجِعُون۔

رمضان (اور پھر اس کے دوسرے عشرہ میں) وفات پانے والی مومنہ سے بڑھ کر اور کون خوش نصیب ہوگی اللہ اونچے سے اونچا مرتبہ نصیب کرے حافظ قرآن کی رفیق زندگی کا ایسا انجام ہونا ہی تھا۔

اس سن میں جو زخم کاری غم زدہ شوہر کے دل کو لگتا ہے اس کا تجربہ ذاتی طور پر رکھتا ہوں زخم ناقابل اندمال ہوتا ہے ہاں اللہ ہی اپنی طرف سے صبر و برداشت کی قوت دے! ہر طرح کی عادتیں رفاقت و موانست کی پڑ چکی اور خوب پختہ ہو چکی ہوتی ہیں اب ان کا بدل کوئی لائے تو کہاں سے لائے؟

اللہ نے آپ کا ظرف اتنا عالی پایا جب ہی آپ کا امتحان بھی سخت لیا گیا آپ خوش ہوں کہ میزان الٰہی میں آپ کا ظرف اتنا اونچا پایا گیا اور آپ کو اضطراراً بیوی خدیجہؓ کے شوہر نامدارؐ کی اتباع سنت کا شرف مل گیا۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) نواب صاحب سے مولانا مرحوم کے مخلصانہ تعلقات آخر دم تک رہے

نواب صاحب کے اخلاص، وضع داری اور اسلامیت کے مولانا مرحوم بڑے مدّاح رہے۔ قبلہ نواب صاحب اسی تعلق کی وجہ سے خاص طور سے اس احقر سے بڑی ہی شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں۔

محمد عبد اللہ صاحب قاضی پور خورد گورکھپوری کے نام

(ان کے والد کے انتقال پر تعزیت نامہ)

دریاباد۔

۲۶ نومبر ۱۹۷۱ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

اللہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کی مغفوریت میں شبہ ہی کیا ہوسکتا ہے۔ مدینہ منورہ کی موت اور ہندوستان کے حساب سے عین عید کا دن، عمر بھر کی ریاضتیں اور عبادتیں! صدق میں بھی مراسلہ درج ہوگا تاکہ دعائے مغفرت میں ایک وسیع حلقہ شریک ہوسکے۔ اِنّا للہ وانا الیہ راجعون۔

اپنی والدہ ماجدہ سے تعزیت خاص طور پر پہنچا دیجئے۔

والسلام دعاگو

عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد حاجی نثار احمد صاحب گورکھپور کے بڑے مخلص مسلمان رئیس تھے اور حضرت شاہ وصی اللہ کے مسترشد خصوصی۔ اور مولانا مرحوم سے بھی ان کو خاص عقیدت تھی

پروفیسر آل احمد سرور صاحب[۱] صدر شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

دریاباد

۱۰ دسمبر ۱۹۷۱ء

بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! وعلیکم السّلام

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ آپ کو تعزیت لکھنے کو قلم سنبھال ہی رہا تھا کہ خود آپ کا خط مل گیا سانحہ کی خبر میاں ہاشم قدوائی کے خط سے ہو چکی تھی۔ دعائے مغفرت اسی وقت کر دی تھی اب پھر کر دی۔

باپ کا سہارا بہت بڑا سہارا ہوتا ہے جب تک زندہ رہتا ہے لڑکے کا سن جو کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے کو لڑکا ہی سمجھتا رہتا ہے پوری فکریں اور ذمہ داریاں اس کے اُٹھ جانے کے بعد ہی اپنے سر آ پڑتی ہیں خوش نصیب ہے وہ اولاد جس کو اتنے سن تک باپ کی خدمت کا موقع ملتا رہے۔

بہرحال اب اللہ ہی مغفرت فرمائے اور ہر طرح سے معاملہ رحمت کا رکھے۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے بھی مولانا مرحوم کے مخلصانہ تعلقات رہے اور خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بیگم صالحہ عابد حسین[۱] معرفت ڈاکٹر عابد حسین ایم۔اے،پی،ایچ ڈی جامعہ نگر نئی دہلی

دریاباد۔

۱۲ر دسمبر ۱۹۷۱ء

بسم اللہ

عزیزہ سلمہٗ! السّلام علیکم

کل بالکل دفعتاً سید بن مرحوم کی خبر وفات پڑھ کر دل دھک سے رہ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ اخبار دو ایک منٹ تک ہاتھ سے نہ چھوٹ سکا ان کے والد مرحوم کا

چہرہ نظر کے سامنے پھر گیا اور مرحوم کے لیے دعائے مغفرت خاصی دیر تک زبان پر جاری رہی۔
ظاہر ہے کہ قریب ترین عزیزوں کا کیا حال ہوگا۔ مجھے ان کی کسی صاحبزادی کا پتہ نہیں معلوم
آپ ہی تکلیف کر کے ان تک میری دلی تعزیت پہنچا دیجئے۔
اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔
آئندہ ہفتہ کے صدق میں بھی انشاء اللہ تعزیت آئے گی۔
والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) خواجہ غلام السیدین مکتوب الیہا کے حقیقی بھائی تھے۔
(۲) مشہور ماہر تعلیمات مولانا آزاد کے زمانہ میں وزارت تعلیم کے سکریٹری رہے
اور اس کے بعد بھی کئی برس تک۔
(۳) خواجہ غلام الثقلین مرحوم۔ مولانا مرحوم ان کی حمیت دینی اور جذبہ اتحاد اسلامی
کے بڑے قائل تھے۔
(۴) بیگم خواجہ غلام السیدین کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔

حاجی شیخ بہاء الدین صاحب[۱] یاقوت پورہ حیدرآباد

دریاباد۔
۲۴ دسمبر ۱۹۷۱ء
بسم اللہ
برادرم! السّلام علیکم
غم نامہ ملا۔ مضمون نے بڑا ہی متاثر و مغموم کیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔
زچگی کی موت شہادت کی موت ہوتی ہے اور پھر جس کے دل سے سوگوار ایسے ایسے
لوگ ہوں ماں بے چاری کو تو جنت شاید صرف اسی ایک مجاہدہ پر عطا ہو جائے؟ جوان لڑکی

کو اپنے ہاتھ سے نہلانا، کفنانا کوئی معمولی امتحان ہے؟ دل وجگر پر کیا گزر کر رہی ہوگی جب
چھٹی کا غسل دینے کے بعد آج غسل میت بھی اپنے ہی ہاتھ سے دینا پڑا ہو۔ ماں اور بیٹی
دونوں کی مغفوریت کا سامان ایک ساتھ ہو گیا۔

انشاء اللہ گنجائش نکلتے ہی صدق میں ذکر کر دیا جائے گا تاکہ دعائے مغفرت میں
شرکت بہتوں کی ہو جائے حالانکہ خود خدائے غفار کی شان رحمت کیا کم ہے۔

والسّلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا کے بڑے خصوصی ارادت مند تھے۔ ان کا تعارف اس مجموعے میں
پہلے بھی آچکا ہے۔ یہ تعزیت نامہ ان کی جوان شادی شدہ بیٹی کی زچگی کے انتقال پر لکھا گیا

چودھری عشرت علی سندیلوی، قومی آواز لکھنؤ

دریاباد۔

۱۶ر فروری ۱۹۶۲ء بسم اللہ

عزیزم! السّلام علیکم

سفر میں تھا۔ دریاباد پہنچ کر ۱۴ر کا "قومی آواز" نظر سے گزرا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔
مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت کر دی۔ والدین کی نعمت تو ایسی دولت ہے جس کا نعم البدل
کیا معنی بدل بھی ممکن نہیں — اور اولاد کا سن کچھ بھی ہو جائے ان کے دم تک وہ لڑکا ہی
رہتا ہے اور بیسیوں فکروں سے آزاد۔

اللہ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور آپ لوگوں کو توفیق صبر دے۔

والسلام۔ دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

مس تسنیم[1] بدرالزماں[2] صدیقی، لودھی کالونی نئی دہلی

دریاباد۔
۲۹ فروری ۱۹۶۲ء بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دعائیں

لکھنؤ سے واپس ہو کر تار ابھی یہیں ملا۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ ظاہر ہے کہ باپ کی زندگی اولاد کے حق میں کتنی قیمتی ہے۔ تم سب بھائی بہنوں پر کیا گزر رہی ہوگی۔ اور سب سے بڑھ کر تمہاری والدہ پر۔ بیوی کا تو سب سے بڑا سہارا شوہر ہوتا ہے۔ وطن سے باہر موت خود ایک درجہ مغفوریت کا رکھتا ہے۔

اپنی والدہ کی خدمت میں ہم سب کی طرف سے تعزیت پہنچا دینا اللہ سب کو توفیق صبر دے۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا اب مسز تسنیم فضل، فضل صاحب اب پلاننگ کمیشن کے ممبر ہیں۔

(۲) مکتوب الیہا کے والد شیخ بدرالزماں صاحب مولانا مرحوم کے عزیز بھی ہوتے تھے اور چودھری خلیق الزماں کے بھتیجے۔ مولانا مرحوم کے شاگرد بھی رہے تھے۔ خلافت کی تحریک میں جیل بھی گئے اور ملی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے لکھنؤ ہی میں پریکٹس کرتے تھے انتقال سے کئی برس پہلے دہلی منتقل ہو گئے۔ خوش گو شاعر بھی تھے۔ مولانا مرحوم سے بی، اے۔ کی طالب علمی کے زمانہ میں کچھ عرصہ پڑھا بھی تھا۔

سہیل الزماں لودی کالونی نئی دہلی

دریاباد۔
۸ مارچ ۱۹۷۲ء بسم اللہ
عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السلام
تار کے جواب میں تعزیت نامہ کئی دن ہوئے لکھ چکا ہوں۔
کچھ حالات مفصل نہ معلوم ہوئی۔ مرحوم بیمار کیا ہوئے؟ آخر تک حواس درست؟
دفن کہاں ہوئے؟ مرحوم علاوہ عزیز داری کے میرے ہم سن بھی تھے اور جب بی اے
میں تھے کچھ روز مجھ سے پڑھا بھی تھا اس لیے یگانگت اور زیادہ تھی۔
دعا گو
عبدالماجد

(۱) بدرالزماں صاحب کے بڑے صاحبزادے۔ انھوں نے اپنے والد کے انتقال پر اطلاعی خط لکھا۔ اب یہ کویت میں ہیں۔
(۲) تعزیتی تار جو مکتوب الیہ کی بہن نے اپنے والد مرحوم کے انتقال پر مولانا مرحوم کو دیا تھا۔

تسنیم بدرالزماں صاحبہ لودی کالونی نئی دہلی

دریاباد۔
۱۳ مارچ ۱۹۷۲ء بسم اللہ
عزیزہ سلمہا! دعائیں
لمبا چوڑا خط اچھا ہوا کہ لکھنؤ کے پتے سے ملا۔ میاں قدیر اور دونوں لڑکیوں

(رافت[۳] اور زاہدہ[۴]) نے وہیں پڑھ لیا۔ حمیرا[۵] نے یہیں میرے ساتھ پڑھا۔ زہیرا[۶] تو علی گڑھ میں ہیں۔ جو رنج وغم تمہارے خط سے ظاہر ہوتا ہے بالکل قدرتی ہے۔ باپ چیز ہی ایسی ہے اور پھر تمہاری والدہ کا صدمہ وغم تو اس سے بڑھ کر واجبی۔ بیوہ بیچاری کی زندگی تو شوہر کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔

اب مرحوم کی دوستی اور خیر خواہی اسی میں ہے کہ جتنی بھی ممکن ہو ان کے حق میں دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کیا جائے۔ مرض الموت کی تکلیفیں بھی گناہوں کو دھو دینے کے لیے ہوتی ہیں۔ جمعہ کا دن یوں بھی کیا کم ہوتا ہے چہ جائیکہ پھر عاشورہ بھی۔ وفات پر مبارک باد کا اگر دستور ہو تو ایسی وفات دہری مبارک باد کی مستحق تھی اور پھر جوار صالحین تیسری چیز۔

"حقیقت[۷]"، لکھنو کا تراشہ ملفوف ہے۔ صدق کا تراشہ جس کا اس میں حوالہ ہے۔ میاں آفتاب بھیج چکے ہوں گے۔ صدق کے واسطے سے انشاء اللہ بہت لوگوں کی دعائیں مل گئی ہوں گی۔

آفتاب سلمہٗ نے خبر قومی آواز میں بھی چھپوا دی تھی۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا کے تار کے جواب میں ان کے والد کے انتقال پر تعزیت کا حال پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ یہ خط بھی مفصل تعزیت ہے۔

(۲) مولانا مرحوم کی بھتیجی کے شوہر اور قریبی بھانجے۔ یہ بھی مولانا مرحوم کے بہت قریب رہے تھے اور شیخ بدر الزماں صاحب سے علاوہ عزیز داری کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔

(۳-۴) مولانا مرحوم کی بڑی اور چھوٹی صاحبزادیاں علی الترتیب حکیم عبدالقوی صاحب اور عبدالعلیم قدوائی کی بیویاں۔

(۵) مولانا مرحوم کی منجھلی صاحبزادی یعنی حبیب احمد قدوائی صاحب کی بیوی۔ ان کا قیام دریاباد میں سب سے زیادہ رہتا تھا اور یہ مولانا کی بڑی مزاج شناس تھیں۔ انھیں سب سے زیادہ مولانا مرحوم کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔

(۶) مولانا مرحوم کی منجھلی صاحبزادی اور راقم مرتب کی شریک حیات۔

(۷) مکتوب الیہا کے والد کے انتقال پر۔

(۸) "صدق" کے تعزیتی نوٹ۔

سید مشیر احمد محلہ شیخ سرائے خیرآباد سیتاپور

دریاباد۔

۱۴ اپریل ۱۹۷۲ء بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السّلام

والد کی موت اولاد کے حق میں سن کچھ بھی ہوجائے ایک سخت ترین اور ناقابل تلافی سانحہ ہے۔ اللہ آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اللہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے۔

اثیم خیرآبادی ایک میرے ملنے والے بھی تھے[۲] نگران کا نام محمد صدیق تھا[۳] اور وہ پاکستان جاچکے تھے۔ دُعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے اپنے والد کے انتقال سے مطلع کیا تھا۔

(۲) غالباً مکتوب الیہ کے والد اثیم خیرآبادی تھے۔

(۳) یہ مولانا مرحوم کے بڑے مخلصوں میں تھے "سچ" اور اس کے بعد "صدق" کے دفتر کے بڑے کارگزار کارکن رہے اور پھر پاکستان منتقل ہوگئے۔ مولانا تھانوی کے اور

شیخ الاسلام مولانا مدنی دونوں سے تعلق رکھتے تھے۔

انیس احمد عباسی صاحب ایڈیٹر "حقیقت" جگت نرائن روڈ لکھنؤ

دریاباد۔

۲۰ر اپریل ۱۹۶۲ء　　　بسم اللہ

برادرم!　　　السلام علیکم

تازہ "حقیقت" پڑھ کر اِنّا لِلّٰہ وَ اِنّا اِلیہِ رَاجِعُون۔

بھائی کی محبت ضرب المثل ہوتی ہے[1] اس سے بڑھ کر محبت کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے فاتحہ اسی وقت پڑھ دیا دعائے مغفرت اس وقت بھی کر رہا ہوں۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے بھائی کی وفات کی خبر پڑھ کر یہ تعزیت نامہ بھیجا گیا۔

مولانا انظر شاہ استاد تفسیر دارالعلوم دیوبند کے نام ان کی بیوی کے انتقال پر

دریاباد۔

یکم جولائی ۱۹۶۲ء　　　بسم اللہ

عزیزم!　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حکیم عبدالقوی نے کسی اخبار میں پڑھ کر مجھ سے آپ کے ہاں کے سانحہ کی خبر سنائی

اِنّا لِلّٰہ۔ اللّٰھم اغفرلہا وارحمہا۔

رفیقۂ حیات کی جدائی کسی سن میں بھی ہو شوہر کے لیے ایک شدید ترین آزمائش ہے اس کا ذائقہ چکھے ہوئے ہوں۔ آپ قابلِ مبارک باد ہیں کہ آپ اس آزمائش کے اہل

جانے گئے جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہی اس وقت کو کاٹ دینے کی بھی توفیق دے دیتا ہے
آپ ماشاءاللہ خود ہی عالم دین ہیں صبر کے فضائل و مدارج سے آپ سے بڑھ
کر اور کون واقف ہوگا جتنی عمر آپ لکھا کر لائے ہیں سب امید و حسرت میں کاٹ دیجئے
اجر قدم قدم پر ہے۔ دعاگو و دعاخواہ
عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ حضرت مولانا انورشاہ کشمیری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے
فرزند ارجمند ہیں اور خود بھی عالم دین۔ دارالعلوم دیوبند میں تفسیر کے استاد ہیں۔ ان سے
مولانا مرحوم کے خاصے تعلقات تھے۔

چودھری رحم علی الہاشمی، شبلی روڈ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام

(ان کی رفیقہ حیات کے انتقال پر)

دریاباد۔

۱۹ر جولائی ۱۹۷۲ء بسم اللہ

برادرم! وعلیکم السلام

دل پسند رفیقہ حیات کا میسر آجانا جس طرح اللہ کا بہترین عطیہ ہے اسی طرح اس
نعمت کا سلب ہو جانا سخت ترین آزمائش ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
جس نے یہ وقت ڈالا ہے وہی انشاء اللہ اجر بھی دے گا۔ یہ تو مسلمان کے لیے
خوش قسمتی ہے کہ بی بی خدیجہؓ کے شوہر نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا نصیب
ہو گیا۔ خود بھی اس وقت علیل ہوں، مشکل سے یہ خط لکھا ہے۔
والسلام دعاگو
عبد الماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کے بہت پرانے تعلقات تھے اور مراسلت کا سلسلہ بھی رہتا تھا۔ مکتوب الیہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں کے بڑے اچھے مترجم ہیں۔

محمد مسلم صاحب ابن ڈاکٹر عبدالستار[1] صدیقی الہ آباد

دریاباد
۱۲ر اگست ۱۹۷۲ء

بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! السلام علیکم

ادھر سخت بیمار رہا۔ اب بھی اچھا نہیں ہوں[2]۔ مرحوم[3] سے زندگی بھر میرا تعلق ۵۰۔ ۶۰ سال کا اب جاکر ٹوٹا۔ اناللہ۔

اگر مہلت ملے تو آخری وقت کے حالات دو چار سطروں میں لکھ دینا انتقال کب ہوا اور کیوں کر؟ کچھ بول سکتے تھے[4]؟ دفن کہاں ہوئے۔ نماز جنازہ کس نے پڑھائی۔

والسلام، دعاگو سوگوار
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے والد ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب سے مولانا مرحوم کے ۵۰۔ ۶۰ سال کے گہرے مخلصانہ تعلقات تھے الٰہ آباد جب مولانا ہندوستانی اکیڈمی کے جلسوں میں شرکت کرنے تشریف لے جاتے تھے تو ڈاکٹر صاحب ہی کے مہمان ہوتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے علم و فضل خاص کر لسانیات کے بارے میں مولانا بڑے قائل تھے۔ ان سے قرابت بھی ہوتی تھی۔

(۲) جولائی ۱۹۷۲ء میں مولانا علیل ہوئے اور بخار کا سلسلہ کئی ہفتے رہا۔

(۳) مراد ڈاکٹر عبدالستار صدیقی۔

(۴) آخر زمانہ میں ڈاکٹر صاحب بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ حافظہ بھی جواب دینے لگا تھا۔

اشتیاق احمد عباسی صاحب، بار ایٹ لا سروجنی نائیڈو مارگ لکھنؤ کے نام
(ان کے بھائی کے انتقال پر)

لکھنؤ۔
۲۴ ستمبر ۱۹۷۲ء بسم اللہ

برادرم!
السّلام علیکم

بھائی کا رشتہ قدرتی رشتوں میں ایک قوی ترین رشتہ ہوتا ہے۔ بھائی علی جلد عباسی مرحوم کی وفات پر ہدیۂ تعزیت پیش کرتا ہوں۔
اللہ مغفرت فرمائے۔ دعائے خیر خبر وفات سنتے ہی کر دی تھی ابھی اطلاع ملی کہ وفات جمعہ کے دن ہوئی تھی سبحان اللہ ہر مسلمان کے لیے قابل رشک۔
والسّلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کی قرابت ہوتی ہے وہ مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کے رشتے میں بھائی ہوتے تھے ان سے بھی بڑے مخلصانہ تعلقات تھے۔
(۲) مکتوب الیہ کے بڑے بھائی جو بڑے ہی قابل لوگوں میں تھے اور مدتوں بھوپال میں وزیر رہے پاکستان بننے کے بعد وہاں منتقل ہو گئے اور اس کی فارن سروس سے منسلک ہو گئے اور ٹریڈ کمشنر رہے۔ اور وہیں مرحوم ہو گئے۔

عبدالحکیم دریابادی دریابادگھی اسٹور مولانا شوکت علی اسٹریٹ کولوٹولہ، کلکتہ

لکھنؤ
۲۷ ستمبر ۱۹۷۲ء بسم اللہ

مہربان بندہ!   وعلیکم السلام

کچھ دن سے لکھنؤ میں ہوں اور ان شاء اللہ ۲۸ر شعبان، ۲ر اکتوبر کو واپس پہنچ جاؤں گا ــــ سانحہ کی اطلاع دریاباد ہی میں کسی نے سنائی تھی اور دعائے مغفرت اسی وقت کردی تھی

بیوی میاں کا رشتہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ ایک کی زندگی دوسرے کے ساتھ بالکل وابستہ ہوجاتی ہے اور ایک کی موت دوسرے کو نیم مردہ بنا دیتی ہے لیکن بہرحال اس مرحلہ سے گزرنا تو سب ہی کو پڑتا ہے اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں اور مسلمان کو تو اس پر خوش ہونا چاہیئے کہ اس سے بلا ارادہ اتباع سنت نبوی نصیب ہوجاتا ہے۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کو آخر حضرت رسول اللہ ہی نے دفن کیا تھا۔

اس کا یقین رہے بلا کسی شک و شبہ کے جدائی عارضی ہے جیسے دنیا میں پیش آتی رہتی ہے اس کے بعد جنت میں ان شاء اللہ ساتھ دائمی ہوگا کہ جدائی کبھی بھی نہ ہوسکے گی۔

میرے اوپر تو گزری ہوئی ہے۔ دنیا ہی اس وقت سے بالکل بدل گئی ہے۔

دعا گو و دعا خواہ

عبدالماجد

(۱) ایک مخلص ہم وطن۔

(۲) دریاباد۔

مقبول احمد لاریؒ لاری ہاؤس اقبال منزل لکھنؤ

لکھنؤ۔

۲۹ر ستمبر ۱۹۷۲ء   بسم اللہ

مہربان بندہ!   السلام علیکم

اخبار میں آپ کے ہاں کے حادثہ کا دردناک ذکر پڑھا۔ مرحوم کے حق میں دعائے مغ

اور مجروح کے حق میں دعائے صحت کردی اور آپ سب شکستہ دلوں کے حق میں دعائے صبر
سخت آزمائش آپ لوگوں کی ہوئی اللہ اس میں کامیاب کرے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے مخلص ارادت مندوں میں ہیں۔
(۲) مکتوب الیہ کے کوئی قریبی عزیز کسی حادثے میں ہلاک ہوگئے اور دوسرے عزیز مجروح ہوگئے تھے۔

حاجی محمد شفیع صاحب[۱] بیکارڈ واچ کمپنی چاندنی چوک دہلی

لکھنؤ۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۶۲ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

ابھی الجمعیت سے آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات کی خبر ملی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون
اللہ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ دعائے مغفرت اسی وقت کردی۔ آپ
خوش نصیب ہیں کہ اتنے عرصے تک آپ کو ان کی خدمت گزاری کا موقع ملا۔ جنت جیت
لینے کے لیے آپ کی تو یہی ایک خدمت کافی ہوجائے گی انشاء اللہ۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے مخلص خصوصی تھے۔ دہلی میں ایک آدھ بار انھیں مولانا مرحوم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا اور انھوں نے بے انتہا خاطر کی بالکل عزیزوں کا سا تعلق تھا۔

سید انصار حسین معرفت سید احتشام حسین مرحوم اردو ڈیپارٹمنٹ الٰہ آباد یونیورسٹی الٰہ آباد کے نام

(ان کے بھائی پروفیسر احتشام حسین کے انتقال پر)

دریاباد۔
۳؍دسمبر ۱۹۷۲ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

ڈاک یہاں سہ پہر کو مل جاتی ہے کل سنیچر کی سہ پہر کو قومی آواز پڑھ کر کلیجہ دھک سے ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اس حادثہ عظیم کا خیال تک بھی نہ تھا آپ تو خیر مرحوم کے بھائی ہی ہیں میرے حق میں بھی مرحوم ایک عزیز قریب سے کم نہ تھے۔ اپنی بیوہ بھاوج بھیجتوں اور سارے ہی خاندان والوں کو میری طرف سے دلی تعزیت پہنچا دیجئے۔ اللہ آپ کو بھی صبر دے اور ہم سب کو بھی۔ میری ہی طرح عزا دار خدا معلوم کتنے اور ہوں گے۔ مرحوم اپنی نیکیوں خوش خلیقوں کا صلہ آج کیا کچھ پا رہے ہوں گے۔

والسلام حزیں دسوگوار

عبدالماجد

(۱) پروفیسر احتشام حسین پہلے لکھنؤ یونیورسٹی میں شعبہ اردو میں استاد رہے اسکے بعد الٰہ آباد یونیورسٹی میں پروفیسر ہو گئے۔ راقم مرتب اور اس کے برادر حبیب احمد صاحب جنھوں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم اے کیا تھا کے استاد تھے اور بڑے ہی شفیق استاد۔ مولانا مرحوم سے پروفیسر صاحب کے مخلصانہ تعلقات تھے اور مولانا مرحوم ان کی نیکی، خوش خلقی، کے بہت قائل تھے۔ ان سے جو تعلقات تھے اس کی تفصیل اس تعزیت نامہ میں ہے۔

قاضی عدیل عباسی صاحب ایڈوکیٹ بستی

دریاباد۔
۱۷ر دسمبر ۱۹۷۲ء بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

ابھی ۲ بجے دن کو قومی آواز سے حادثہ کی خبر معلوم ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُوْن۔ اس صدمہ کا درد آشنا پوری طرح ہوں اسی لیے ہمدردی بھی آپ کے ساتھ کامل ہے۔ طویل علالت اور پھر جمعہ کا دن قومی اسباب مغفرت میں سے ہیں تعزیت نامہ دعائے مغفرت کے فوراً بعد ہی لکھے دیتا ہوں۔ آج کی ڈاک تو نکل چکی کل اتوار ہے کہیں پرسوں یہ ڈاک سے نکلے گا۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات حضرتؐ کے سامنے ہوئی تھی آپ کو بھی اتباع سنت اضطراراً نصیب ہو گئی۔ اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) یعنی رفیقہ حیات کا سانحہ ارتحال۔

ایس کے وَرما چیف جسٹس ہائی کورٹ الٰہ آباد

دریاباد۔
۲۵ر دسمبر ۱۹۷۲ء بسم اللہ

جناب من! تسلیم

آپ کے والد صاحبؒ کی وفات پر آپ سے اور آپ کے سارے خاندان سے

اظہار ہمدردی اور ماتم پرسی کرتا ہوں۔ آپ کے والد برسہابرس ہندوستانی اکیڈمی کے صدر رہے ہیں اس کی کونسل کا ممبر تو شروع سے رہا اور کئی برس تک وائس پریذیڈنٹ بھی مشرقی تہذیب میں یہ وقت بیوی بچوں پر سخت غم و صدمہ کا ہوتا ہے۔ آپ اپنے غم و صدمہ میں مجھ کو بھی شریک سمجھیں۔ نیازمند

عبدالماجد

(۱) جسٹس کمالاکانت ورما جو الٰہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس رہے اور کئی برس تک ہندوستانی اکیڈمی کے صدر رہے۔

جمیل مہدی صاحب ایڈیٹر "عزائم" لکھنؤ[1]

دریاباد۔

۱۱ر جنوری ۱۹۷۳ء بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

"بیباک"[2] میں آپ کے عزیز بھائی کی خبر وفات پڑھی اور دعائے مغفرت کر دی۔ اللّٰہم اغفرلہ وارحمہا ـــــ

بھائی کا رشتہ دنیا کے اہم ترین رشتوں میں ہے شرعاً، عرفاً ہر طرح سے۔ اللہ صبر جمیل کی توفیق دے۔ والسّلام

دعاگو

عبدالماجد

(۱) اس وقت یہ اخبار ہفتہ وار تھا۔

(۲) سہارن پور سے شائع ہونے والا ایک جاندار اور صحیح معنوں میں بیباک ہفتہ وار

مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی لکھنؤ

دریاباد۔
۱۱؍جنوری ۱۹۷۳ء بسم اللہ

عزیزم سلمۂ! السّلام علیکم

ابھی دس بجے دن کو جب مرحومہ کا سوئم ہو رہا ہو گا اپنی محترمہ اہل خانہ مولوی عظمت اللہ مرحوم کی خبر وفات پڑھی۔ مرحوم میرے استاد محض رسمی قسم کے نہ تھے حقیقی اور بڑے شفیق استاد تھے عربی ٹوٹی پھوٹی جو کچھ بھی آتی انھیں کی بدولت آتی ہے۔ دعائے مغفرت کر دی۔ قریب کے سارے عزیزوں کو تعزیت رسانی کا مزید اجر حاصل کیجئے۔

والسلام دعاگو و طالب دعا
عبدالماجد

(۱) اس وقت "قومی آواز" ہاکر لایا کرتے تھے۔
(۲) مکتوب الیہ کی کسی قریبی عزیزہ کا سوئم۔
(۳) مرحوم مولانا کے سیتاپور گورنمنٹ ہائی اسکول میں عربی کے استاد تھے اور اس زمانے میں مولانا کی مضمون نگاری کی ہمت افزائی کی تھی۔ مولانا مرحوم ان سے بہت بے تکلف تھے۔

انیس احمد عباسی ایڈیٹر "حقیقت" لکھنؤ کے نام

(ان کے بھانجے اور داماد غلام احمد فرقت کی اچانک وفات پر تعزیت نامہ)

دریاباد۔
۱۵؍جنوری ۱۹۷۳ء بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

کل انوار دسنل بجے دن کو تازہ" قومی آواز" پڑھ کر دل کیا بیان کروں کیا دھک سے ہو کر رہ گیا۔ موت اس سن میں اور اس قدر اچانک ۔
آپ لوگوں پر جو کچھ بھی گزر رہی ہوگی وہ تو سب اللہ ہی جان سکتا ہے۔ جو کچھ پڑھنا ممکن تھا اسی وقت پڑھ ڈالا۔
بے بس و بے کس بیوہ پر دم کے دم میں کیا بیت گئی اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔
"ترقی پسندوں" کا مقابلہ جم کر کرنا تو اس وقت کا خاص مجاہدہ تھا اور ایک دینی و اخلاقی مہم ـــــ اس کا پورا پورا اجر مرحوم کو ملے گا۔
عزیزہ سہیل[۳] اور میاں توفیق[۴] دونوں کی نظر سے اگر یہ تعزیت نامہ گزر سکے تو بہت اچھا تھا ـــــ سوگوار دعاگو

عبدالماجد

(۱) مرحوم اردو کے مزاحیہ شاعر اور نثر میں بھی مزاحیہ نگاری کرتے تھے۔
(۲) ۱۹۴۲ء ۱۹۴۳ء ۱۹۴۴ء میں مرحوم نے "مدادا" لکھ کر ترقی پسندوں کی عریانیت فحاشی اور اخلاقی بے راہ روی کو نمایاں کیا۔ اور اس کے بعد بھی اس مہم میں مسلسل مصروف رہے۔
(۳) مرحوم فرقت کی بیوی اور مکتوب الیہ کی صاحبزادی۔
(۴) مکتوب الیہ کے دوسرے بھانجے اور فرقت صاحب کے سگے بھائی۔

مولوی ابن حمید[۱] فراہی، پھریہا ضلع اعظم گڑھ

دریاباد۔
۹ر فروری ۱۹۶۰ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السّلام

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ سمجھ داروں کے لیے اس سے بڑھ کر اور کلمہ تعزیت

کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ سب کو توفیق صبر جمیل دے۔
مجھے تو مرحوم کی شکل دیکھ کر ان کے والد مرحوم علامہ کی صورت یاد آجاتی تھی۔

والسلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے عزیز قریب کے انتقال پر۔
(۲) مولانا حمید الدین فراہی کے صاحب زادے۔

اطہر حسینؒ صاحب کمشنر لکھنؤ ڈویژن لکھنؤ

دریاباد۔

۱۳ر فروری ۱۹۶۹ء بسم اللہ

کرم گستر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کل دوپہر کو "قومی آواز" نے سید رشید احمد مرحوم کی خبر وفات سنائی۔ إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ معاً دعائے مغفرت کر دی۔ مرحوم میرے پرانے ملنے والوں میں نہیں ابھی دو ہی چار مہینے ہوئے کہ ان سے پہلی قطعی ملاقات ہوئی۔ پھر شخصی لیکن ملے تو اتنے کھل کر اور اس اخلاص کے ساتھ کہ سالہا سال کے دوست معلوم ہونے لگے۔

میں تو ان سے لکھنے معانے کے عنوانات سوچے ہوا تھا اور منتظر تھا کہ زبانی ملوں تو ان سے وہ مضمون لکھواؤں، سیاسی نہ میں تو ان سے بڑے افسروں کے سابقہ اور ذاتی تجربوں کا متوقع تھا۔

بیماری وغیرہ کی کچھ خبر نہ تھی وفات کی خبر بالکل اچانک پڑھی۔ صاحبزادی تو آپ کے گھر ہی میں ہیں۔ لڑکوں کا مجھے علم نہیں بہرحال میری یہ تعزیت ان سب تک براہ کرم پہنچا دیجئے۔ "صدق" میں بھی نوٹ ان شاء اللہ اگلے ہفتے دوں گا۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کے خاصے تعلقات رہے اور سلسلۂ مراسلت بھی رہا۔ مکتوب الیہ کی انگریزی تصانیف اور تحریروں کے بڑے قدر داں تھے اور ان کے جذبے کے بڑے مداح۔

(۲) مکتوب الیہ کے خسر جن کے والد صاحب مرحوم یعنی مولانا کے بڑے بھائی مولوی عبدالمجید صاحب سے بھی خاصے تعلقات تھے۔

(۳) مرحوم کے دلچسپ مضامین اپنی پولیس کی ملازمت کے تجربوں کے سلسلے میں "قومی آواز" میں شائع ہوئے تھے اس پر مولانا مرحوم نے خط وکتابت کی۔

(۴) مرحوم کے بڑے صاحبزادے اور مکتوب الیہ کے برادر نسبتی ڈاکٹر خالد رشید صاحب ہیں جو مسلم یونیورسٹی میں لا فیکلٹی کے ریڈر ہیں۔ اور اس شعبہ کے بڑے قابل استادوں میں ہیں۔

خالد عثمان صاحب، عثمان پورہ حیدرآباد

دریاباد۔

۱۴ر مارچ ۱۹۷۳ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السّلام

اللہ آپ کے والد مرحوم کی مغفرت کاملہ فرمائے۔

مرحوم سے ملاقات مجھے یاد ہے گو اب سالہا سال سے نہیں ہوئی تھی۔ اللہ آپ کو توفیق صبر دے۔ جدائی دائمی نہیں صرف عارضی ہوتی ہے۔ ہم سب ہی اس منزل کے مسافر ہیں کوئی پہلے پہنچا کوئی بعد میں۔ یہ اچھا کیا جو وفات کی مجھے خبر کر دی۔

والسّلام دعاگو۔

عبدالماجد

شفاعت علی صاحب[1] ریڈیو ہاؤس لکھنؤ

دریاباد۔

۱۴؍مارچ ۱۹۷۳ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

آپ کی رفیقۂ حیات مرحومہ کی خبرِ وفات میری نظر سے نہیں گزری تھی آپ کا مراسلہ[2] پڑھ کر خبر ہوئی۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

یہ اللہ کی طرف سے شوہر کے حق میں ایک سخت امتحان ہوتا ہے۔ اللہ آپ کو اس میں کامیاب سو فیصدی کرے۔ خود اس منزل سے گزر چکا ہوں اور اس کڑی آزمائش کو جھیلے ہوئے ہوں۔ اللہ ان مرحومہ کی مغفرت کرے اور سارے متعلقین کو توفیق صبر دے۔

والسّلام

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ بھی مولانا مرحوم کے مخلصوں میں ہیں اور ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی لکھنؤ یونیورسٹی کے استاد اردو کے چھوٹے بھائی۔

(۲) تعزیت نگاروں کے شکریہ کے سلسلہ میں اخباری مراسلہ۔

چودھری عظیم الدین اشرف[1] پیسار ضلع بارہ بنکی

(ان کے چھوٹے بھائی عماد الدین اشرف کی اچانک وفات پر تعزیتی مکتوب۔ قومی آواز میں سانحہ کی خبر پڑھ کر)

دریاباد۔

۷ار مارچ سنہ ۱۹۷۳ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

اللہ آپ کو اور سارے اعزہ کو صبر دے اور مرحوم کی مغفرت تو جمعہ کا دن پاجانے سے انشاء اللہ یقینی ہے۔ بھائی کا رشتہ بھی والدین کی طرح اپنی جگہ بے نظیر ہوتا ہے

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کا شمار مولانا مرحوم کے مخصوص مخلصین میں ہے۔

بیگم انور ریاست حسینؒ صاحبۂ بنک روڈ پٹنہ کے نام

(ان کے والد چودھری خلیق الزّماں کے انتقال پر تعزیت نامہ)

دریاباد۔

۱۹ار مئی سنہ ۱۹۷۳ء بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دُعائیں

شب کو عشاء کے وقت ایک صاحب نے ریڈیو کے حوالے سے خبر جانکاہ سنائی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ خوش نصیبی کی بات ہے کہ جمعہ کا دن ملا۔

تمہارے تو خیر والد ہی تھے تم دونوں کو جتنا بھی صدمہ ہو کم ہے۔ میرے بھی تو قریب ہی کے عزیز تھے اور عزیزوں سے بڑھ کر ان کی خدمات ملت مسلمانوں کی خدمت میں ساری عمر صرف کر دی[۳]۔ اللہ اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ کیسے کیسے زخم بھی ملت کے ہاتھوں کھائے۔ زحمت نہ ہو تو یہی کارڈ لیلیٰ[۴] سلمہا کو بھی بھیج دینا۔

والسّلام دعاگو عبدالماجد

(۱) چودھری خلیق الزماں صاحب کی بڑی صاحبزادی جن کی شادی پٹنہ میں ڈاکٹر ریاست حسین سے ہوئی جن کے دو بھائی وجاہت حسین صاحب اور حفاظت حسین صاحب یوپی کے سنیر آئی سی ایس افسران تھے۔

(۲) چودھری صاحب کی دو صاحبزادیاں ہندوستان ہی میں تھیں ایک بڑی بیگم ریاست حسین اور دوسری ان سے چھوٹی ٹیسلین جن کی شادی گورکھپور میں ہوئی تھی۔

(۳) مولانا مرحوم مسلم لیگ کے لیڈروں میں سے چودھری خلیق الزماں سے سب سے زیادہ متاثر تھے اور ان کے بڑے معترف تھے۔

(۴) مکتوب الیہا کی چھوٹی بہن جن کا قیام گورکھپور میں رہتا تھا۔

سید شاہ تسلی حسین صاحب عرف تسلی میاں خاتون منزل لکھنؤ

دریاباد۔

۱۱ر جولائی ۱۹۷۳ء بسم اللہ

مکرم بندہ! السلام علیکم

"قومی آواز" سے آپ کے جوان بھتیجے اور بھتیجی دونوں کی وفات کی اطلاع ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ ایک ہی صدمہ اس قسم کا کیا کم صبر آزما ہوتا ہے چہ جائیکہ دو دو صدمے۔ بس اللہ ہی والدین کو اور آپ سب لوگوں کو توفیق صبر دے۔ آزمائش یقیناً سخت کڑی ہے۔ لیکن اجر بھی یقین رکھئے کہ اسی درجہ کا عظیم و لاانتہا ہے۔ آپ کے بھائی صاحب سے براہ راست نیاز حاصل نہیں، لیکن آخر آپ کے والد مرحوم و مغفور کے نیازمندوں میں تو رہ چکا ہوں۔

والسلام تعزیت گزار

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کئی برس سے خاتون منزل ہی میں فروکش ہیں اور اس کا ایک حصہ انھوں نے خرید لیا ہے۔ نہ صرف عالم ہیں بلکہ لکھنؤ کے ایک طبقے میں مقبول اہل طریقت۔

(۲) شاہ واعظ حسن صاحب سجادہ نشین آستانہ حضرت شاہ وارث حسن صاحب۔

(۳) مکتوب الیہ کے والد حضرت شاہ وارث حسن صاحب بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں ان کا لکھنؤ میں مسجد شاہ سید محمد ٹیلہ والی مسجد پر قیام رہتا تھا۔ ان کی صحبت کے فیض سے نہ معلوم کتنے انگریزی تعلیم یافتہ عقیدہ میں نہ صرف پختہ مذہبی ہو گئے بلکہ نماز روزہ کے سخت پابند ہو گئے۔ اور ان کی بالکل کایا پلٹ ہو گئی۔ مولانا مرحوم کا انتقال ۱۹۳۶ء میں ہوا اور وہیں ٹیلے پر مدفون ہیں۔

ظہیر احمد صدیقی بیت الطیب بدر باغ علی گڑھ کے نام

دریاباد۔

۱۲ر جون ۱۹۵۳ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السلام

۸ر جولائی کا غم نامہ کل ۱۱ر کی شام کو ملا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔ دعائے مغفرت فوراً کر دی تھی۔ اور بعد نماز بھی جب یاد آ گئی کر دی اور عین اس وقت بھی کر رہا ہوں۔ صدمہ بالکل ایک عزیز کی رحلت کا سا ہوا آپ لوگ اگر لفظ اللہ سننے کے گواہ موجود نہ ہوتے جب بھی ان کے سے مسلم کامل کی مغفرت میں شبہ کیسے ہو سکتا تھا؟

تازہ "صدق" تو آج جمعرات کو چھپ رہا ہوگا۔ آئندہ ہفتے میں ان شاء اللہ تعزیتی نوٹ ضرور درج ہوگا۔

شعر و ادب کا بھی اتنا سلیم، لطیف، متوازن مذاق کسی کو کم ہی ہوتا ہے۔

اپنے بہنوئی پروفیسر ظفر احمد صاحب[۳] کو بھی تعزیت ضرور پہنچا دیجئے۔ الہ آباد میں ان کے ساتھ ملاقات کئی بار رہی تھی۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) ریڈر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی۔

(۲) مکتوب الیہ کے والد پروفیسر ضیاء احمد بدایونی مسلم یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کی پروفیسری سے ریٹائر ہوئے اور اپنے علم و فضل میں بہت ممتاز تھے۔ فارسی کے ساتھ ساتھ اردو کے بھی ادیب فاضل اور خوش گو شاعر تھے۔ مومن اور کلام مومن پر انھوں نے داد تحقیق دی تھی۔ مولانا ان کے علم و فضل کے بڑے معترف تھے اور خاصے تعلقات تھے۔

(۳) مکتوب الیہ نے لکھا کہ آخر وقت زبان پر لفظ اللہ تھا۔

مظہر احسن گیلانی[۱] ریڈر شعبہ معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

لکھنؤ۔

۱۵/ اکتوبر ۱۹۷۳ء

بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

محمد عبدالرحمٰن سعید صدیقی نے ابھی حادثہ کی خبر سنائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون

رفیق زندگی کی رفاقت سے محرومی اور مفارقت دنیوی صدموں میں ایک شدید ترین صدمہ ہے جس رحیم و شفیق مالک نے یہ وقت ڈالا ہے وہی برداشت کی توفیق بھی دے دیتا ہے۔ صدمہ کیسا ہی شدید ہو بہرحال گزر جانے والا ہے اور اس کا اجر بے حساب

باقی رہ جانے والا ہے۔

مومنہ کی خوش قسمتی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ عین رمضان کی تاریخ ملی بعقلاً اس پر خوش ہوجیے اور اسے انعام بخشی تصور کیجیے ــــ پوری قدر تو اس وقت ہوگی جب جنت میں انشاء اللہ پائیدار اور دائمی ملاقات نصیب ہوگی۔ مجھ سے بڑھ کر اس صدمہ کا لذت کش اور کون ہوگا؟(۲)

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اور مولانا مرحوم سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں۔

(۲) مراد مولانا مرحوم کی رفیقۂ حیات کی رحلت ہے۔

رانی محمود آباد، محمود آباد ہاؤس لکھنؤ کے نام

(ان کے شوہر راجہ امیر احمد خاں صاحب تعلقہ دار محمود آباد کے انتقال پر تعزیتی مکتوب) ــــــــ

لکھنؤ۔

۱۵ر اکتوبر ۱۹۷۳ء بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! سلام ورحمت

عورت کی زندگی میں بیوگی سے بڑھ کر سخت وقت اور کون آسکتا ہے اور اس کے لیے آپ سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ آپ کو اس امتحان میں ثابت قدم رکھے۔

مرحوم راجہ قابل رشک تھے کہ آخری وقت ماہ رمضان کے وسط میں نصیب ہوا اور دوسرے پھر وطن سے ہزار ہا میل دور پردیس میں۔ دہرے دہرے اجر کے پورے مستحق ہوگئے۔

اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

میرے خاص طور پر مہربان تھے اور ان سے بڑھ کر ان کے والد ماجد سر مہاراجہؒ کے میرے اوپر احسانات ہیں دل سے ان کا دعاگو رہتا ہوں۔

دعاگو

عبدالماجد دریابادی

(۱) مکتوب الیہا کے شوہر راجہ امیر احمد خاں سے مولانا مرحوم کے خاندان کے خصوصی تعلقات تھے راجہ صاحب کے انتقال کی خبر ملتے ہی مولانا مرحوم نے مکتوب الیہا کو تعزیت نامہ لکھا

(۲) مہاراجہ علی محمد خاں صاحب۔

(۳) مولانا مرحوم کے والد ماجد مولوی عبدالقادر صاحب اور مرتب کے دادا کا حج کے بعد مکہ معظمہ میں انتقال ہوا۔ مولانا مرحوم اس وقت بی اے کر چکے تھے ۔ دادا صاحب کے انتقال کے بعد مالی ابتلا کی وجہ سے تعلیم جاری رکھنے کی کوئی گنجائش نہ تھی لیکن راجہ صاحب مرحوم نے مولانا کے بڑے بھائی اور مرتب کے والد سے باصرار کہا کہ مولانا ایم اے میں اپنا داخلہ کرالیں اور سولہ مہینے کے مصارف بچاس روپئے ماہوار کے حساب سے فوراً دے دیئے اس طرح کے بہت سے موقعوں پر مولانا مرحوم کی مدد فرمائی اور اس کے مرحوم آخری دم تک معترف رہے۔

مہاراج کمار امیر حیدر محمود آباد ہاؤس قیصر باغ لکھنؤ

لکھنؤ۔

۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۳ء بسم اللہ

عزیز مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تعزیت نامہ خبر سنتے ہی رانی صاحبہ کے نام لکھ دیا تھا آں عزیز کے لیے اس کا منتظر رہا کہ

بعد تدفین کربلا سے واپس آئیں اس وقت تک واپسی انشاءاللہ بخیریت ہو چکی ہوگی۔ کیا بیان ہو کہ خبر سن کر مجھ پر کیا گزری۔ سر مہاراجہ[۳] میرے مخلص ہی نہیں محسن بھی تھے۔ ان کی کن کن عنایتوں کن کن احسانوں کو گناؤں۔ ان کو اپنے عزیز بزرگوں میں سمجھتا تھا کچھ ایسے ہی تعلقات بلکہ درجے میں ان کے وارث جانشین سے بھی رہے۔ آں عزیز تو ان کے حقیقی بھائی ہی تھے اور تازہ داغ یتیمی جاتے ہوئے بچے[۴] ان دونوں کو کون سمجھا سکتا ہے؟ کون صبر دلا سکتا ہے۔ صبر وہی دلائے گا جس نے عین آغاز رمضان میں انھیں بلا لیا اور وطن سے ہزاروں میل دور پردیس میں بلا لیا اور آخر زندگی تک دین و ملت ہی کی خدمت میں لگائے[۵] رکھا۔ کوشش کروں گا کہ عید کے بعد ہی انشاءاللہ زبانی تعزیت کے لیے حاضر ہو جاؤں اس محمود آباد ہاؤس میں جو برسوں سر مہاراجہ کی عنایت بے کراں سے اپنا گھر معلوم ہوتا رہتا تھا۔

والسلام دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ راجہ امیر احمد خاں مرحوم کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان سے بھی مولانا مرحوم کے تعلقات تھے۔

(۲) مراد راجہ امیر احمد خاں کی رحلت کی خبر۔

(۳) مکتوب الیہ کے والد مہاراجہ علی محمد خاں۔

(۴) مراد مرحوم راجہ صاحب کے صاحبزادے سلیمان حیدر صاحب۔

(۵) اس سے مراد راجہ صاحب مرحوم کی ملی سرگرمیاں ہیں۔ وہ مسلم لیگ کے چوٹی کے لیڈروں میں تھے اس کے خازن رہے اور اس کے کاموں پر بے دریغ روپیہ صرف کیا۔

محمد وسیم صاحب جعفری ایڈوکیٹ رگھول ضلع ہمیر پور

دریاباد
۳۰ نومبر ۱۹۴۳ء   بسم اللہ

عزیزم!   وعلیکم السلام

مرحوم کی وفات سے دلی صدمہ ہوا۔ دعائے مغفرت دل سے اسی وقت
کردی تھی اور اب خط پاکر پھر کردی۔ مرحوم کی نیکیاں ہیئے زندہ رہ جانے والی ہیں۔
میری اہلیہ مرحومہ کا انتقال باندے میں دفعتاً ہوگیا تھا اس وقت مرحوم نے جو ہمدردی
اور غم خواری کی تھی ان کی یاد دل پر نقش ہے۔
اور سب عزیزوں کو بھی میری تعزیت پہنچا دیجئے۔

والسلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ نے اپنے قریبی عزیز مولوی سلیم کے انتقال کی اطلاع دی تھی۔ مولوی صاحب مرحوم بڑی فعال شخصیت کے مالک تھے نہ صرف اپنے آبائی وطن مودھا بلکہ کہنا چاہیئے پورے بندیل کھنڈ ڈویژن میں مسلمانوں کے کام میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ خاص کر مدرسوں کے قیام میں اور انھیں بڑی لگن سے ترقی دی تھی۔

بیگم محسنہ قدوائی وزیر خوراک یوپی بارہ بنکی کے نام

(ان کے والد قطب الدین احمد عرف ملّا میاں کے انتقال کی خبر پر تعزیتی مکتوب)

دریاباد۔
۱۸ دسمبر ۱۹۴۳ء   بسم اللہ

عزیزہ سلمہا! دُعائیں

ابھی ابھی گیارہ بجے "قومی آواز" میں سانحہ کی خبر پڑھ کر کلیجہ دھک سے ہو گیا ــــ خود تمہارے دل پر تو کیا گزر کر رہی ہوگی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

خیر دن جمعہ کا پایا۔ ۱۴ر دسمبر کو جمعہ ہی تو تھا ایک مسلمان کی یہ خوش قسمتی بھی یوں بھی صدمے اتنے اٹھائے کہ انشاءاللہ بالکل ہی دُھل گئے ہوں گے۔ کتنے زندہ دل اور کتنے ہنس مکھ تھے پھر آخر میں کیا کیا دیکھنا پڑا۔ کیا کیا سہنا پڑا۔ خود تمہیں کو بھائی کا صدمہ اٹھائے ہوئے کے دن ہوئے تھے کہ یہ دن بھی دیکھ لینا پڑ گیا۔ کس طرح جی چاہتا ہے کہ اُڑ کر پہنچوں اور تمہاری والدہ سے تعزیت کروں خیر ہر مجبوری اجر کو بڑھاتی ہی رہتی ہے آئندہ اگر کوئی مفصل خط وہاں سے کسی ذریعہ سے آجائے تو اسے خود دیکھنا چاہتا ہوں۔ ایک بار پھر دعائے مغفرت کرتا ہوں اور مرحوم کے بچپن سے اس وقت تک کے ہر دور کو یاد کرتا ہوں ــــ

دُعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہا کے والد مولانا مرحوم کے رشتے میں بھانجے ہوتے تھے اور تعلقات کے لحاظ سے بالکل سگے بھانجے۔ مولانا کے مخلصین مخصوص میں تھے۔

(۲) مکتوب الیہا کے والد کے انتقال کی خبر۔

(۳) آخر زمانہ میں یعنی ۱۹۵۵ء میں پاکستان منتقل ہونا پڑا چونکہ یہاں کی ملازمت ختم ہو گئی تھی۔

(۴) مکتوب الیہا کے بڑے بھائی بنگلہ دیش کے قیام کے بعد چاٹگانگ میں شہید ہوئے۔

(۵) مرحوم کا انتقال پاکستان میں ہوا۔

(۶) مرحوم بچپن ہی سے مولانا مرحوم کی تربیت میں رہے اسی لیے مولانا کو ان سے

بہت زیادہ تعلق تھا اور ان کو بھی مولانا مرحوم سے۔

مولانا ناصر بحرالعلومی فرنگی محلی لکھنؤ

دریاباد۔
۱۲ر دسمبر ۱۹۴۳ء بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

بحرالعلومی مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کر رہا ہوں۔ تدفین کی پہلی شب شب جمعہ ہوئی خود ایک مبارک فال ہے۔ اللہ یاں مغفرت فرمائے۔

والسلام تعزیت گزار۔

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ کے بڑے بھائی مولوی محمد کامل کے انتقال پر یہ تعزیت نامہ مولانا مرحوم نے بھیجا۔ ان کے خاندان سے مولانا مرحوم کے خاندانی تعلقات تھے۔ مولانا مرحوم کے والد مولوی عبدالقادر صاحب مکتوب الیہ کے دادا مولانا محمد نعیم صاحب جو اپنے زہد و اتقا میں بہت ممتاز تھے کے شاگرد تھے۔ مولوی محمد کامل کے صدق میں متعدد مضامین بھی شائع ہوئے۔

شاہ افاق احمد صاحب سجادہ نشین درگاہ ردولی ضلع بارہ بنکی کے نام

(ان کے بھائی وسیم احمد صاحب کے انتقال پر تعزیتی مکتوب)

دریاباد۔
۸ر جنوری ۱۹۷۴ء بسم اللہ

برادرم سلمہٗ! السّلام علیکم

وسیم میاں مرحوم کی موت پر آپ لوگوں سے تعزیت کرتا ہوں اور مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت۔

۸ ذی الحجہ یوں بھی مبارک اور متبرک ہونے کے لحاظ سے بہت ہی قابل قدر تھی اور پھر حرمین شریف میں تو عین عید الاضحیٰ تھی اور پھر تدفین شب جمعہ یا یوم جمعہ کی مزید برکات پر شامل۔ سبحان اللہ وماشاء اللہ۔

والسّلام دعاگو

عبدالماجد

مولانا محمد طیّب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام

(ان کی رفیقۂ حیات کے انتقال پر تعزیتی مکتوب)

دریاباد۔

۹ فروری ۱۹۷۶ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

سانحہ نے دل کو انتہائی ملول کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

قلب انسانی کے لیے جو صدمے انتہائی صبر آزما ہوسکتے ہیں ان میں ایک یہی رفیقۂ حیات کی مفارقت ہے۔ انشاء اللہ آپ اس وقار اور عزیمت کے ساتھ گزر جائیں گے جو آپ کے مرتبہ علم وفضل و معرفت کے شایانِ شان ہے۔ مجھ سے بڑھ کر اس عظیم تلخی کا لذت شناس اور کون ہوگا؟ اور میرے لیے سب سے بڑھ کر مرحومہ آپ کے مکتوبات و مضامین ثابت ہوئے تھے۔ آپ کا وہ احسان کبھی بھولنے والا نہیں۔

اللہ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور آپ کے رفع مدارج کو اس حادثہ کا سبب بنائے۔

صدقے میں بھی انشاءاللہ اس کا ذکر کر دوں گا تاکہ کثرت سے لوگوں کو دعائے مغفرت و ایصال ثواب کا موقع ملے۔ مرد کا تو سارا نظام زندگی اور سکون قلب اس سے رخصت ہوجاتا ہے۔ بہرحال آپ کو مبارک ہو کہ اس اضطراری سنت (رحلت خدیجہؓ) کا موقع مل گیا

والسّلام دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

(۱) مراد مولانا مرحوم کی رفیقۂ حیات کا سانحۂ رحلت۔

(۲) نہ صرف مکتوب الیہ کا تعزیت نامہ بلکہ اس کے بعد کئی مفصل عنایت نامے جس سے مولانا کو بہت سکون حاصل ہوا اس کا وہ بار بار ذکر بھی کرتے تھے۔

صدیق احمد صاحب[۱] ایڈوکیٹ بارہ بنکی کے نام

(ان کی اہلیہ کے انتقال پر)

دریاباد۔

۱۴ر فروری ۱۹۷۴ء بسم اللہ

برادرم! السّلام علیکم

خبر پڑھتے ہی مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت کردی۔

مرد کے لیے مفارقت کا یہ صدمہ شدید صبر آزما ہوتا ہے اللہ صبر عطا فرمائے۔

دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے ہم لوگوں کی قرابت ہوتی ہے خاص کر ان کی بیوی سے۔

سید کلب عباس صاحب[1] کی اولاد کے نام جائس، رائے بریلی

دریاباد

۱۱ر جون ۱۹۷۲ء بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

مرحوم سید کلب عباس چند سال کالج میں میرے ساتھ پڑھ چکے تھے اب بھی دوستانہ تعلقات تھے۔ سید کلب مصطفےٰ مرحوم[2] میرے مخصوص مخلصوں میں تھے ان کے بڑے بھائی صاحب سے بھی تعلقات تھے۔ سید کلب عباس مرحوم کی بیوی اور سارے عزیزوں کو میری طرف سے تعزیت پہنچا دیجئے، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

عبدالماجد

(۱) مرحوم عباس صاحب شیعہ کانفرنس کے مدتوں سکریٹری رہے اور اپنے جوشِ عمل میں بہت ممتاز تھے اور مسلمانوں کے کاموں میں بھی بڑے آگے رہتے تھے۔

(۲) سید کلب عباس صاحب کے چھوٹے بھائی جن کا نو دس برس ہوئے انتقال ہو چکا تھا۔

ماسٹر انوار احمد صدیقی صاحب وارڈن روم رسول ہوسٹل
سیف الدین طاہر ہائی اسکول مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

دریاباد

۱۸ر جولائی ۱۹۷۲ء بسم اللہ

عزیزم سلمہٗ! وعلیکم السلام

کیا لکھوں تمہارے کارڈ نے کس غضب کی بجلی گرا دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی عزیز بلکہ

عزیز قریب کا حادثہ گزر گیا۔ بیوہ اور بھائی دونوں بے چاروں پر کیا گزری ہو گی مجھے مخلص ماشاءاللہ کثرت سے مل گئے ہیں لیکن صاحب فہم مخلص بس چند ہی نصیب ہوئے ہیں۔ بڑے ہی مخلص تھے اور جس درجے کے مخلص تھے اسی درجہ کے صاحب فہم بھی تھے بار بار دعائے مغفرت کر چکا ہوں اور ابھی کرتا رہوں گا۔ ہمارے گھر بھر میں سب خوب واقف تھے لڑکیوں نے دل سے دعا کی۔ یہ کارڈ اخیں³ دونوں کو سنا دینا۔ یہ ضرور لکھ بھیجنا کہ تجہیز و تکفین کی کیا صورت ہوئی مصارف کہاں سے آئے۔ آخر تک کیا کیفیت رہی کچھ بولتے چالتے رہے ــــ والسّلام

سوگوار و داعی مغفرت

عبدالماجد

(۱) یہ تعزیت نامہ مولانا مرحوم نے اپنے ایک بڑے ہی صاحب فہم مخلص صغیر احمد صاحب اسسٹنٹ ٹیچر مسلم یونیورسٹی اسکول کے سانحہ ارتحال پر مکتوب الیہ کو لکھا جو مرحوم کے دوستوں میں تھے۔ مرحوم صغیر احمد صاحب زمانہ طالب علمی ہی سے مولانا مرحوم کے بڑے ہی خصوصی عقیدت مندوں میں تھے اور اس تعلق میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا۔ پہلے کچھ پتھری کی شکایت ہوئی بالآخر کینسر کے موذی مرض میں انتقال ہوا اور انتقال علی گڑھ میں نہیں بلکہ ویلور میں ہوا، ان سے بالکل عزیزانہ تعلقات تھے۔ جب مولانا مرحوم علی گڑھ تشریف لے جاتے تو گھنٹوں ان کے ساتھ صرف کرتے تھے۔

(۲) مولانا مرحوم آخر تک ان کے مخلص ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب فہم ہونے کے قائل تھے اور اس کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے۔

(۳) مراد مرحوم کی بیوہ اور بھائی نصیر احمد صاحب جو اب بھی مسلم یونیورسٹی رجسٹرار آفس میں ہیں۔

افتخار احمد صاحبؒ دواخانہ ہمدرد ایجنسی، اعظم گڑھ

دریاباد۔
۱۸؍جولائی ۱۹۷۴ء بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

ماسٹر انوار کے نام تعزیت نامہ لکھ چکا ہوں۔ مرحوم کے جوان جسم میں سن دعمر روح تھی ہر طرح سے دوسروں کے لیے باعث رشک۔ خود میرے لیے بھی باعث رشک۔ انشاء اللہ بال بال مغفرت ضرور ہوگی۔

والسّلام دعاگو
عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ ماسٹر صغیر احمد کے قریبی عزیز ہیں انھوں نے مرحوم کے انتقال کی اطلاع دی تھی۔

نصیر احمد صاحبؒ منٹو سرکل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

دریاباد۔
۶؍اگست ۱۹۷۴ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ! وعلیکم السلام

خط خاصا مفصل مل گیا۔ اللہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ایسے مخلص اور اس درجے کے صاحب فہم کہاں ملتے ہیں۔ میرے لیے مرحوم ایک نعمت تھے زندگی بھر قدم قدم پر یاد آئیں گے۔

ہر اچھی خبر کا منتظر رہوں گا۔ والسلام۔ عبدالماجد

(۱) ماسٹر صغیر احمد کے چھوٹے بھائی یہ اب مسلم یونیورسٹی کے رجسٹرار آفس میں صیغہ امتحانات میں ہیں۔

(۲) مراد بالکل آخر وقت کے حالات۔ اس سے مولانا مرحوم کو بہت دلچسپی تھی اس قسم کے حالات سُن کر بہت خوش ہوتے تھے۔

مولوی حاجی عبدالرحمٰن[۱] خاں شروانی حبیب منزل میرس روڈ علی گڑھ کے نام

(ان کی بیگم صاحبہ کے انتقال پر تعزیت نامہ)

دریاباد
۲۵ر اگست ۱۹۷۴ء بسم اللہ

برادرم! السلام علیکم

اِنّا للہ وانا الیہ راجعون۔ سانحہ کی خبر ابھی ملی اگرچہ غیر متوقع نہ تھی۔[۲] دل پسند بیوی اللہ کی ایک بہترین نعمت ہوتی ہے اس طرح اس کی مفارقت کا صدمہ بھی شدید ترین ہوتا ہے۔ قدم قدم پر یاد آئے گی۔ وہ خلا جو پیدا ہو جاتا ہے وہ گھڑی گھڑی محسوس ہوگا۔

نفس مرض کا اس درجہ موذی ہونا خود ہی ساری سیئات کے کفارہ کے لیے انشاء اللہ کافی ہو جائے گا اور پھر آپ لوگوں کی مخلصانہ دعائیں اپنی بھی خیر دعائے مغفرت بھی انھیں میں شامل کرتا ہوں۔ میاں ریاض الرحمٰن[۳] مولوی آدمی ہیں۔ اجر کے بیش قیمت ہونے کا ان سے بڑھ کر جاننے والا اور کون ہوگا۔ اللہ سب کو صبر عطا فرمائے۔

والسلام دعا گو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ سے مولانا مرحوم کے بڑے پرانے مخلصانہ تعلقات ان کے والد مرحوم

نواب صدر یار جنگ مرحوم کے زمانے سے چلے آتے تھے جو مولانا مرحوم سے آخر دم تک قائم رہے۔ مکتوب الیہ یونیورسٹی کے برسہا برس آنریری ٹریثرر رہے اور بڑی ہی دیانت سے اپنے فرائض بلا کسی آنریریم کے انجام دیئے۔ اس وقت بھی باوجود پیرانہ سالی کے ماشاء اللہ بڑے انہماک سے ملی کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سکریٹری ہیں ان کی سرگرمی اور جوش عمل نوجوانوں کے لیے قابل تقلید ہے۔

(۲) مرحومہ عرصے سے علیل تھیں۔

(۳) مرحومہ کو کینسر کا مرض تھا۔

(۴) مکتوب الیہ کے صاحب زادے اور ریڈر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی ان کی بھی مولانا سے خط و کتابت رہتی تھی۔

مولوی سید ریحان حسین چشتی پھلواری شریف پٹنہ

دریاباد

۲ر ستمبر ۱۹۶۴ء

بسم اللہ

عزیزم! وعلیکم السلام

سیاست کانپور میں سانحہ کی خبر پڑھ کر صدق نمبر ۱۲ کے لیے نوٹ لکھ چکا تھا کہ آپ کا مراسلہ بھی وصول ہوا وہ بھی اسی نمبر میں انشاء اللہ نکل جائے گا۔

مرحوم میرے مخلصین میں تھے اور مرحوم کے جو ذاتی کمالات و مناقب تھے وہ ان کے علاوہ شاہ سلیمان چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی طالب علمی کے زمانے سے ہمارے خاندان دریاباد میں جو علمی تعلقات رہے تھے وہ مرحوم نے نباہ دیئے۔

اللہ جنت الفردوس میں جگہ دے اور کیوں نہ جگہ ملے گی۔ والسلام

سوگوار۔ عبدالماجد

(۱) مولانا شاہ غلام حسین پھلواری کے انتقال کی۔ شاہ صاحب مرحوم مولانا مرحوم کے خصوصی ارادت مندوں میں تھے اور صدق ۔ کے بہت قدردانوں میں تھے اور اس کی ایک ایک سطر بہت غور اور دلچسپی سے پڑھتے تھے اور مولانا سے برابر سلسلۂ خط و کتابت جاری رکھے ہوئے تھے ۔

(۲) مراد صدق کی اشاعت نمبر ۱۴

(۳) مرحوم شاہ صاحب کے والد ماجد جو اپنے زمانے کے نامور واعظ تھے اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے ۔

(۴) مولانا مرحوم کے دادا مفتی مظہر کریم کے وقت سے ۔

قاضی زہیر مصطفےٰ دریابادیؒ کے نام

(ان کے والد قاضی ضیاءالدین کے انتقال پر تعزیت نامہ)

لکھنؤ ۔

۲۴ / اکتوبر ۱۹۴۷ء بسم اللہ

عزیزی سلمہٗ !

اب محسوس کر رہے ہوں گے کہ باپ کے مرنے کے کیا معنی ہوتے ہیں خواہ اپنا سن کچھ بھی ہو جائے اور باپ کا سن بھی کیا ہو جائے ۔

اور جو صدمہ ڈالتا ہے وہی برداشت کی قوت بھی رفتہ رفتہ دے دیتا ہے تم سب بڑے ہو اس لیے سب تمہارے نقش قدم پر چلیں گے ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔

یہ دن بہر حال سب ہی کو پیش آنا ہے ۔

نماز جنازہ اگر میں خود موجود ہوتا تو تم ہی سے پڑھواتا یہ کہلا دینا بالکل بھول ہی گیا گو وہ حافظ جی بھی بڑے ہی اچھے آدمی ہیں ۔

یہاں دعائے مغفرت بعد نماز فجر اپنی مسجد میں کردی۔

والدعا

عبدالماجد

(۱) مولانا مرحوم کے ایک عزیز کے بڑے صاحبزادے جو برسوں مولانا مرحوم کے ہاں شام کی نشست میں آنے والوں میں تھے۔ زمانہ طالب علمی ہی سے مولانا کے ہاں آیا کرتے تھے۔

(۲) قصبہ کے قاضی اور امام عیدگاہ۔ یہ رشتے میں مولانا کے بھیتجے ہوتے تھے اور بڑے ہی مخلص۔ زمینداری اور کاشت کاری کے کاموں میں بہت زیادہ مدد ان سے ملتی تھی۔ تحصیل سے متعلق بھی مولانا مرحوم کے کاموں کو بڑی خوشی سے انجام دیتے تھے۔

(۳) مکتوب الیہ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔

(۴) مرحوم کی تدفین دریاباد میں ہوئی اور مولانا مرحوم اس زمانہ میں بغرض علاج لکھنؤ میں مقیم تھے۔

(۵) مراد حافظ غلام نبی صاحب جنھوں نے دریاباد میں مولانا مرحوم کی نماز جنازہ پڑھائی اور جن کے قصبے میں بیسیوں شاگرد حفظ قرآن میں تھے۔ مرحوم نے ایک سو سال سے زیادہ عمر پائی۔

اشتیاق احمد عباسی[۱] بیرسٹر ایٹ لا ہیولاک روڈ لکھنؤ کے نام

(ان کی بیگم صاحبہ کے انتقال پر تعزیتی مکتوب)

لکھنؤ۔

یکم نومبر ۱۹۷۰ء

بسم اللہ

عزیزم! السلام علیکم

جب سے اخبار میں حادثہ[۲] کی خبر پڑھی برابر جنازہ کا یہیں منتظر رہا احسان منزل[۳]

سے پورا وعدہ ہوچکا تھا آج جب تدفین کی خبر سنی یہ صدمہ بھی کچھ کم نہ ہوا مطلق خبر نہ ہوسکی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی ۔

زندگی کس گھر میں پیدا ہوکر پھر کس گھر میں گزار دیتی ۔ بڑی ہمت کا کام تھا اللہ پورا اجر عطا فرمائے ـــــ
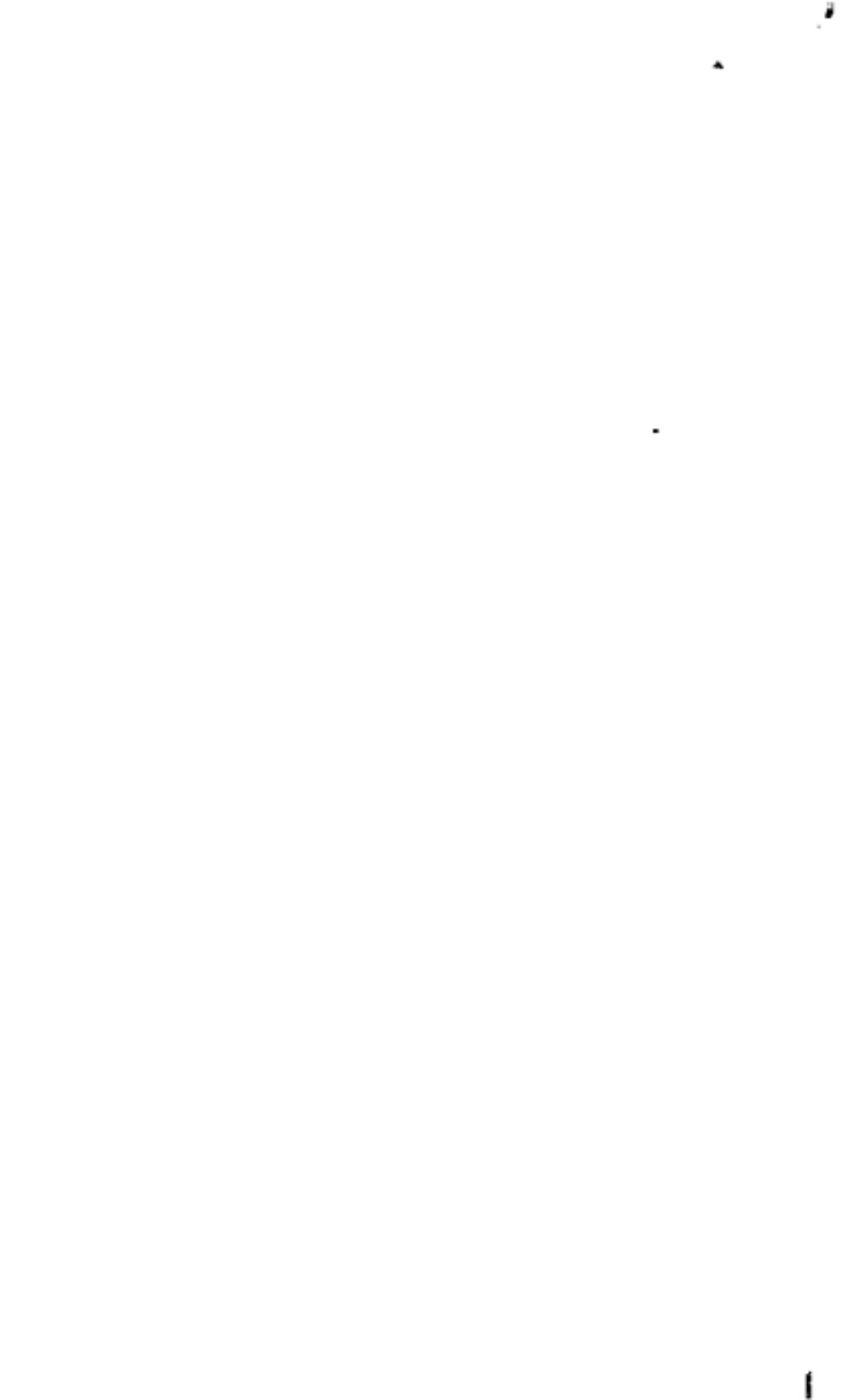
دعاگو

عبدالماجد

(۱) مکتوب الیہ مولانا مرحوم کے سالے ہوتے تھے مولانا مرحوم کی بیگم صاحبہ کے رشتے میں بھائی تھے اور مولانا سے بڑی عقیدت رکھتے تھے ۔ ٹیلی ویژن والوں نے مولانا سے انتقال سے پہلے جو انٹرویو لیا اس میں سوالات مکتوب الیہ ہی نے کئے ۔

(۲) مکتوب الیہ کی بیگم کے سانحہ انتقال کی خبر۔ یہ مکتوب الیہ کی دوسری بیوی تھیں ۔ پہلی بیوی کا عرصہ ہوا انتقال ہوچکا تھا یہ ہندوستان کی مشہور مغنیہ بیگم اختر فیض آبادی تھیں ان کا احمد آباد میں انتقال ہوا یہ بڑی داد و دہش کرتی تھیں اور نماز روزے کی بڑی پابند ہوگئی تھیں ۔

(۳) احسان منزل میں مکتوب الیہ اور مولانا کی بیگم صاحبہ کے قریبی اعزا یعنی خالہ زاد بہنیں، ان کے شوہر اور خالہ زاد بھائی اور خالہ زاد بہن کے شوہر اور ان کے بھائی رہتے ہیں یہ سارا گھرانا مولانا مرحوم سے بڑی ارادت رکھتا تھا ۔

(۴) مرحومہ نے مکتوب الیہ سے شادی کرکے بالکل شریف بیویوں کی طرح زندگی گزاری اور اس کے ساتھ ساتھ بڑی مذہبی بھی ہوگئیں ۔

مطبوعہ زیرِ نگرانی :
علیم اللہ صدیقی ــــ کلکتہ ۱۶